وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

سِماعِ موتیٰ

المُلقب

باثبات السماع والشعور لجملة اهل القبور

تالیف: شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (قرآن کریم)

مَا مِنْ رَجُلٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِیْهِ الْمُؤْمِنِ کَانَ یَعْرِفُهٗ فَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِلَّا عَرَفَهٗ وَرَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ (حدیث شریف)

بالجملہ انکار شعور و ادراکِ اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست (فتاوی عزیزی ص۱۰۹ ج۱)

سماع الموتیٰ

المقلب

باثبات السماع والشعور لجملة اهل القبور

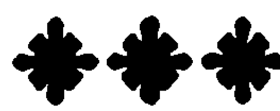
بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ جس میں بے حد کوشش اور خاصی کاوش کے ساتھ قرآن کریم صحیح احادیث، کتب تفسیر، کتب فقہ اور فتاویٰ سے مسئلہ سماع موتیٰ کا مثبت اور منفی پہلو واضح سے واضح تر کیا گیا ہے اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جمہور امت عند القبور سماع الموتیٰ کی قائل ہے اور حضرات فقہاء احناف کا معتدبہ طبقہ اور اکابر علماء دیوبند کی اکثریت سماع الموتیٰ کی قائل ہے اور عدم سماع الموتیٰ کے قائلین حضرات کے دلائل بھی نقل کر کے کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں ان کے واضح جوابات عرض کر دیے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے کوئی امام اور خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہؒ سماع الموتیٰ کے منکر نہیں، بلکہ مقر ہیں اور اُن کی طرف عدم سماع الموتیٰ کی جو روایتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ سب شاذ اور غیر معتبر ہیں۔ الغرض ٹھوس حوالوں کے ساتھ اردو زبان میں بفضلہ تعالیٰ یہ جامع کتاب ہے۔

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر خطیب جامع مسجد گکھڑ
و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۹۱۴ء ...... وفات: ۵ / مئی ۲۰۰۹ء

مصنف محقق دوراں اور نامور عالم دین تھے۔ دنیا نے انہیں ''امام اہلسنت'' کے نام سے بھی یاد کیا۔ آپ جہاں استاذ العلماء اور درس وتدریس کے ماہر تھے، وہاں حق تعالیٰ نے آپ کو تحریر کا بھی کامل ملکہ نصیب کیا۔ آپ جس مسئلہ پر قلم اٹھاتے آپ کی تحریر حرف آخر قرار پاتی۔ آپ نے جون ۱۹۶۸ء میں ''تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور'' تحریر فرمائی۔ مدرسہ ضیاء العلوم سرگودھا کے صدر مدرس مولانا محمد حسین نیلوی نے اس کا جواب لکھا، جس کا نام ''الکتاب المسطور فی جواب تسکین الصدور المعروف بہ ندائے حق'' تجویز فرمایا۔ یہ کتاب اگست ۱۹۶۹ء میں تحریر کی گئی۔

اس کے بعد ملک محمد فیروز اسلامک مشن جھنگ نے ''وفات النبی ﷺ'' کے نام پر اور کراچی کے ڈاکٹر کیپٹن مسعود عثمانی جماعت مسلمین نے ۱۹۷۲ء میں ''یہ قبریں یہ آستانے'' تحریر کیں۔ اس سے پہلے ''شفاء الصدور'' نامی کتاب مولانا محمد حسین نیلوی کی بھی منظر عام پر آچکی تھی، جس کا ترجمہ مولانا محمد امیر بندیالوی نے کیا تھا۔

''شفاء الصدور''، ''ندائے حق''، ''وفات النبی ﷺ''، ''یہ قبریں یہ آستانے'' یہ تمام کتب ورسائل ''عند القبور سماع موتی'' کے انکار پر مشتمل تھیں۔ ان حالات میں شیخ الحدیث مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر نے ۱۹۷۶ء میں ''سماع موتی'' نامی کتاب تحریر فرمائی جس کا پورا نام ''سماع موتی الملقب باثبات السماع والشعور لجملۃ اھل القبور'' ہے۔ اس کتاب میں مسئلہ سماع موتی کو مبرہن کیا لیکن حسن تذکرہ تمام رسائل بالخصوص ''ندائے حق'' کا پورا جواب بھی ہوگیا۔ اس مجموعہ میں یہ کتاب بھی شامل ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصدیقاتِ علماء کرام

(۱) فخر الاماثل، عمدۃ المحققین، رئیس المحدثین مصنف انوار الباری شرح البخاری (داماد زبدۃ المحدثین رأس الاتقیاء حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ) حضرت مولانا سید احمد رضا شاہ صاحب بجنوری دامت فیوضہم العالیۃ۔

باسمہٖ سبحانہٗ جل ذکرہٗ

مکرم ومحترم جناب مستطاب مولانا محمد سرفراز خاں صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

اُمید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا کل ایک عریضہ اَرسالِ خدمت کر چکا ہوں آج ''سماع الموتی'' کا مطالعہ کیا، دل خوش ہوا، خوب خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء!

آپ بڑا کام کر رہے ہیں درازیٔ عمر اور صحت کے لئے دل سے دُعا ہے (اس کے بعد حضرت موصوف نے ایک غلطی کی نشاندہی فرمائی ہے جس کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ صفدرؔ) جلد ملاقات کا مشتاق ہوں دُعاؤں میں یاد کریں، آپ کے ساتھ (اجلاس صد سالہ دیوبند کے موقع پر) جو مدرسہ نصرۃ العلوم کے مہتمم (مولانا صوفی عبدالحمید) صاحب تھے ان کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ والسلام خیر ختام

احمد رضا عفا اللہ عنہ از بجنور (انڈیا) ۸/اپریل ۱۹۸۰ء

(۲) عالم جلیل، فقیہ کامل، رئیس المحدثین، محقق العصر، نمونہ سلف، اُستاد العلماء والفضلاء الحاج حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ سابق شیخ الحدیث المدرسۃ العربیہ الاسلامیہ نیوٹاؤن کراچی وسابق امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی مآثر مولانا ابو الزاہد صفدر صاحب زادکم اللہ الخیر توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جدید تالیف ''سماع الموتی'' موصول ہو کر باعث شکر گزاری ہوئی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ! ماشاء اللہ ''تسکین الصدور'' کے بعد اس موضوع پر یہ تصنیف مزید سکون صدور کا ذریعہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اور نافع ومثمر بنا کر مزید توفیق نصیب فرمائے۔ جستہ جستہ دیکھی، ماشاء اللہ! عمدۃ ہے۔ (اس کے بعد دو غلطیوں کی اصلاح کی تلقین فرمائی جو بحمد اللہ تعالیٰ اب درست کر دی گئی ہے۔ صفدرؔ) کتابت کے اغلاط کافی ہیں۔ (جن کی کافی حد تک اب درستی کر دی گئی ہے۔ صفدرؔ) اُمید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام!

محمد یوسف بنوری، ۴/جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ

(۳) عالم باعمل حضرت مولانا حفیظ الرحمن محمد نذیر اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (فاضل دیوبند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ مِنْ خَیْرِ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَجَعَلَھُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّیَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْھِمْ وَھُمْ اَھْلُ السُّنَّۃِ وَجَمَاعَۃُ الرَّسُوْلِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ مَنِ اتَّبَعَھُمْ فَقَدِ اھْتَدٰی وَمَنْ عَصَاھُمْ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰی لِاَنَّھُمْ عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ اَمَّا بَعْدُ ''ما انا علیہ و اصحابی''

کہ نشانِ ہدایت ونجات ہے سنت رسول و جماعت رسول، راہِ ہدایت ہے ان کی اتباع ہدیٰ ورنہ اتباع مبتدعین کا دعویٰ زبان سے یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن وسنت کے متبع ہیں مگر انہوں نے قرآن وسنت کو اپنی آراء واہواء کا تختۂ مشق بنالیا ہوتا ہے۔ حالانکہ ''تمسک بالقرآن والسنۃ'' کا مطلب وہی معتبر ہے جو اسلاف اُمت نے بیان کیا ہے اور متوارث طور پر جہابذہ علم وفضل سے دیانۃً وامانۃً محفوظ چلا آتا ہے اور اعجاب کل ذی رأیٍ برأیہ اور عدم اعتماد علی الاسلاف کی وباء سے آج بھی ایسے حضرات کا ظہور ہوا ہے جو قرآن پاک کی آیات اور احادیث کی روایات کو اپنی اہواء کے مطابق تقریر وتحریر سے نداءِ حق اور دعوۃ الحق وشفاء الصدور کا اعلان کررہے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ اور اسلافِ اُمت کے جم غفیر حضرات کو نشانہ طعن وتشنیع کرتے ہوئے سماع موتیٰ کے قائلین کو مشرک کہتے ہیں اور طلب شفاعت للمغفرۃ عند قبر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین کو بھی شرک میں مبتلاء ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ سماع فی الجملہ حق ہے اور خوارج کی طرح وہ آیات ''نداء لغیر اللہ'' (من البعید) کو سماع موتیٰ کی نفی کے لئے بے محل وبے موقع استعمال کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں طلب شفاعت للمغفرۃ بعد الموت کو وہ نداء غیر اللہ کے ماتحت داخل کرتے ہیں۔ (جو قطعاً غلط ہے اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اقوال اس کے رَد کے لئے کافی ہیں۔ صفدر) ضرورت تھی کہ کوئی جلیل القدر شخصیت جس کا علم وعمل دیانت وتقویٰ علماء کرام میں مسلّم ہو، اور اس کی سعی بلیغ سے اس فتنہ کی سرکوبی یا مدافعت کے لئے کوئی کتاب مستطاب لاجواب تحریر ہوجائے۔

چنانچہ مولانا الحاج محمد سرفراز صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث نے نہایت دیانت وامانت سے ''سماع الموتیٰ'' (فی الجملہ) تحریر کی جو نہایت مبرہن ومدلّل ہے۔ حوالہ جات اور ادلّہ کاملہ کے ذخائر سے بھرپور ہے طلبہ وعلماء کے لئے ایک بہترین علمی تحفہ ہے۔ تفاسیر اور احادیث وآیات کا بیان اہل السنت والجماعت کی معتبرات سے منقول ہے۔ بقول حضرت مجدد (اَلف ثانی رحمہ اللہ) قرآن واحادیث کا مطلب وہی معتبر ہے جو علماءِ اہل السنت کرام سے منقول ہے۔ اس کتاب میں اسلاف اُمت کی تحریرات ومعتبرات کو مدِ نظر رکھ کر مسائل کی وضاحت کی گئی ہے اور گمراہ فرقوں کو مُسکَت (خاموش) کرنے کے لئے تو پیغمبر کی تعلیم بھی حجت نہیں ہوتی مگر صاحب انابت کے لئے وہ راہِ ہدایت ہے۔ خداوند کریم مولانا موصوف کے لئے یہ تحریر مایۂ ثواب آخرت بنانے اور ہمیں بھی صراطِ مستقیم اور راہِ ہدایت پر قائم رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین ثم آمین!

ناکارۂ خلائق حفیظ الرحمن محمد نذیر اللہ خان (فاضل دیوبند)
خطیب جامع مسجد مدرسہ حیات النبی گجرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْحَیٰوةُ وَالْمَوْتُ وَالنُّشُوْرُ وَالَّذِیْ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ شَرَعَ السَّلَامَ عَلَی الْاَحْیَاءِ وَعَلٰی مَنْ دُفِنَ فِی الْقُبُوْرِ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَهٗ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِیْنَ وَمَنْ مَّ بَعْدَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ اَمَّا بَعْدُ!

سببِ تالیف

اس پُرفتن اور پُرآشوب دَور میں جس میں مادّی قوتوں نے لوگوں کے اذہان وافکار کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے اور ہر آدمی مادّی ترقی ہی کا خواہاں اور دلدادہ ہے، ایک مسلمان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بنیادی عقائد اور اُصولِ دین پر سختی سے کاربند ہو اور ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی قبر اور آخرت کو سنوار سکے۔ اس نازک دَور میں باریک اور دقیق علمی و تحقیقی موشگافیوں اور فروعی مسائل کو چھیڑنا کسی بھی طرح مستحسن نہیں ہے مگر بعض مجبوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اگر فروعی مسائل میں بھی راجح اور حق پہلو کو عوام کے سامنے نہ پیش کیا جائے تو وہ غلط ڈگر پر چل نکلتے ہیں اور راجح و حق پہلو پر عمل کرنے والوں۔ کیا حضراتِ سلف اور خلف رحمہم اللہ سب کو بنظرِ حقارت دیکھنے لگتے ہیں اور ایسے غلط کار لوگ اپنی غیر معصوم رائے کو حرفِ آخر سمجھ لیتے ہیں اور اس کی نشر و اشاعت کچھ ایسے انداز سے کرتے ہیں کہ عوام حضراتِ سلف و خلف رحمہم اللہ سے بدظن اور بے زار ہو جاتے ہیں اور ان غلط کار لوگوں کی رائے کو (جس کو یہ لوگ عوام پر اپنی لسانی قوت اور قلم کے زور سے بزور ٹھونسنے کی ناکام سعی اور لاحاصل کوشش کرتے ہیں) اسلامی مسائل کی تحقیق کا خلاصہ اور بزعمِ خویش توحید کا نچوڑ سمجھنے لگتے ہیں۔ چونکہ عوام اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوتے وہ اکثر نقل کو اصل اور پوست کو مغز سمجھ لیتے ہیں اور اسی پر دِل میں گرہ لگا کر مخالفین کو کوستے ہیں بلکہ لٹھ لئے ان کے پیچھے پھرتے ہیں۔ ناچار حضراتِ سلف و خلف رحمہم اللہ اور اکابر کا دامن تھامنے والوں کو بھی کچھ کہنا ہی پڑتا ہے اور دفاع کے بغیر عالمِ اسباب میں اور چارہ ہی کیا ہے؟ مشہور تو یہی ہے کہ تنگ آمد بہ جنگ آمد۔

کچھ سالوں سے چند مسائل میں سے عدمِ سماعِ موتی۔ قبر میں جسم کی طرف عدم اعادۂ رُوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عند القبر صلوٰۃ وسلام کا عدم سماع، عدم عرضِ اعمال اور توسّل کا شرک ہونا وغیرہ مسائل جمہور اہل اسلام اور اکابر سے کٹ اور ہٹ جانے والے حضرات کے نزدیک سرفہرست ہیں اور ان پر بحث و مباحثہ کا بازار گرام رہتا ہے اور تقریراً و تحریراً ان مسائل کی ترویج و اشاعت کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور مستقل کتابیں اور رسالے ان مسائل پر طُلک کے طول و عرض میں الگ شائع کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ کے ایک مہربان (ملک محمد فیروز فاروقی ایم ایس سی) نے حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عرضِ اعمال اور عدمِ سماعِ موتی کے مسئلہ کو اپنی تحقیق انیق کا تختۂ مشق بنایا ہے اور سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی لکھا ہے جس کو اسلامک ریسرچ مشن جھنگ (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ اس کتابچہ میں حوالوں کے نقل کرنے میں جو خیانت اور قطع و برید کی گئی ہے۔ راقم اثیم نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں ایسے مختصر کتابچہ میں اس کی مثال اور کہیں نہیں دیکھی اور اس میں سراُور دُم بریدہ حوالوں سے جو اپنی پسند کے معانی اور مطالب کشید کئے گئے ہیں، وہ اہل علم کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ اس کتابچہ میں عدمِ سماعِ موتی کے دعویٰ کے اثبات میں بعض نامکمل اور اَدھورے مگر مفید مطلب حوالے نقل کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ:

یہی مسلک امام مسلم، بیہقی، سفارینی، قاضی ابو یعلیٰ موصلی، فخر الدین رازی، بدر الدین عینی، ابن الہمام، طحاوی، ولی اللہ محدث دہلوی، قاضی خان، شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر محدث دہلوی، شاہ اسمٰعیل شہید، شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی، بشیر الدین قنوجی اور خرم علی وغیرہم (رحمہم اللہ) سے منقول ہے۔ (ملاحظہ وفات النبی ص ۴۹)

ان حضرات میں سے ایک دو بزرگوں کی اپنی کتابیں تو میسر نہیں ہو سکیں، لہٰذا ہم قطعیت کے ساتھ ان کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ''سماع موتی'' کے بارے میں ان کا صحیح مسلک اور موقف کیا ہے؟ لیکن بقیہ حضرات کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ ''عدمِ سماع موتی'' کے قائل تھے اور ان کا یہی مسلک تھا، سفید جھوٹ، صریح بہتان اور خالص افتراء سے ہے۔ آپ اسی پیشِ نظر کتاب میں بخوبی ملاحظہ فرمالیں گے کہ ان حضرات کا مسلک کیا تھا؟ اور کیا ہے؟ پہلے تو صرف سنا ہی کرتے تھے مگر اَب تو مشاہدۃً دیکھ بھی لیا کہ ؎

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

پھر ان اکابر علماء کی عظمت اور قدر اور ان کی آراء اور اقوال کی وُقعت بھی خود اس مؤلف کے قلم سے ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لفظ ''منقول ہے'' کے حاشیہ میں اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ ان علماء کے نام صرف اس لئے درج کئے گئے ہیں کہ انہوں نے قرآنی مسلک (نہیں بلکہ بزعم مؤلف ان کے اپنے مسلک۔ صفدرؔ) کی تائید وحمایت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ہر بات تسلیم کرنا ہوگی۔ اگر یہ لوگ قرآنی فیصلہ (بالفاظِ دیگر مؤلف کے مسلک۔ صفدرؔ) کے خلاف لکھتے تو ان کے اقوال کو رَدّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جاتا۔ (حاشیہ ص ۴۹)

غور فرمائیں کہ ان لوگوں کے نزدیک حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ اور علماء ربانیین کے اقوال کی کیا قدر باقی رہ جاتی ہے؟ ان لوگوں کے نزدیک تو بس یہ طے شدہ بات ہے کہ اکابر علماء اُمت اور فقہاء ملت کی جو بات ان کی ناقص سمجھ میں نہ آئے یا نفسِ اَمّارہ اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو تو فوراً اس کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ!

یہی مؤلف عرض اعمال کے مسئلہ کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''عرض اعمال کا عقیدہ اہلِ تشیع کے ہاں پایا جاتا ہے۔ صوفیوں اور باطنی اماموں کی نوازش ہے کہ اہل سنت کی کتب میں بھی اسے درج کر دیا اور جعلی حدیثیں بناڈالیں۔ حتیٰ کہ اہلِ سنت اسے اپنا عقیدہ تسلیم کرنے لگے۔'' (حاشیہ ص ۸۵)

صد افسوس ہے کہ اسلامی مسائل کا بے دردی سے پوسٹ مارٹم کرنے والوں کو اتنا صاف فرق اور واضح تمیز بھی معلوم نہیں کہ اہل سنت کا عرض اعمال کے بارے میں مسلک اور ہے اور اہل تشیع کا عقیدہ اور ہے۔ اہل سنت صرف اجمالی طور پر بعض بعض اعمال کے عرض کے قائل ہیں اور اہلِ تشیع تفصیلی طور پر تمام اعمال کے عرض ہونے کے معتقد ہیں۔ گویا اسلامی مسائل پر ریسرچ کرنے والے ان لوگوں کے نزدیک کل اور بعض اور اجمال وتفصیل کا کوئی فرق ہی نہیں ہے اور پھر حد کر دی کہ صوفیوں اور باطنی اماموں کو دیمک کے کیڑے بنا کر اور قلم ودوات ہاتھ میں پکڑا کر خفیہ طریقہ سے نظر بچا کر اہل سنت کی کتابوں میں گھسیڑ دیا اور وہ برق رفتاری سے عرض اعمال کا عقیدہ اہل سنت کی کتابوں میں ملتے جُلتے خط سے داخل کر آئے اور غضب یہ ہے کہ ان کی اس چابک دستی سے نہ تو مسند احمدؒ، مسند بزار

---

۱ امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱ھ)، امام طیالسی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۴ھ)، امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی ۲۹۲ھ) یہ سب حضرات چوتھی صدی سے قبل کے ہیں۔

اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ حدیث کی مستند کتابیں بچ سکیں اور نہ دیگر وہ متداول اور معتبر کتابیں جن میں اہل سنت کے مسلک کے مطابق عرض اعمال کا عقیدہ درج ہے اور یہ صوفی اور باطنی امام ان کتابوں میں ایسے گھسے کہ جعلی روایتیں بنا کر ان میں گھسیڑ آئے اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی اور حضرات محدثین کرام ﷭ جو تحقیق اور نقد و جرح کے میدان میں بال کی کھال اُتارنے کے عادی ہیں۔ نیند غفلت میں کچھ ایسے مدہوش ہوئے کہ ان کو کروٹ اور پہلو بدلنے کی سرے سے توفیق ہی نہ ہوئی کہ وہ ان صوفیوں اور باطنی اماموں کو اس دسیسہ کاری اور جعل سازی سے روکتے اور حیرت ہے کہ ان صوفیوں اور باطنی اماموں نے اہل سنت پر کچھ ایسا جادُو کیا اور افسُوں پھونکا کہ وہ بلا چُون و چرا عرضِ اعمال کو اپنا عقیدہ بنا بیٹھے۔ سُبۡحَانَکَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِیۡمٌ!

اس کتابچہ کا تعارف کرانے والے بزرگ (جناب قاری عبدالحمید فاروقی اے ای ای) نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھ کر اس کتابچہ کو مزید چار چاند لگائے کہ: ”تحقیق یہ ہے (سبحان اللہ تعالیٰ۔ صفدرؔ) کہ چوتھی صدی ہجری میں صوفیاء اور روایات وضع کرنے والے احبار و رہبان عجمی و سبائی عناصر نے شریعت اسلامی میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے اس قسم کی روایات بیان کیں جن میں کہا گیا کہ قبر میں رُوح واپس بھیجی جاتی ہے اور مُردہ اس قبر میں لوگوں کے سلام سنتا اور جواب بھی دیتا ہے۔ خوابوں، مکاشفوں اور تصوف و باطنیت کی حکایتوں کے ذریعہ اس مسلک کو مدلّل کیا گیا۔“ (بلفظہٖ ص ۱۰)

جمہور اہلِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ قبر میں دفن ہو چکنے کے بعد میت کی طرف رُوح لوٹائی جاتی ہے لیکن اس مسلک کی بنیاد خوابوں، مکاشفوں اور تصوف و باطنیت کی حکایتوں پر نہیں بلکہ صحیح، مشہور اور مستفیض حدیث پر ہے جس کی بقدرِ ضرورت بحث بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب ”تسکین الصدور“ میں کر دی ہے اور قبر میں مُردے کا سلام سننا اور اس کا جواب دینا، اسی پیش نظر کتاب میں صحیح روایات کے ساتھ اِن شاء اللہ تعالیٰ بیان کر دیا گیا ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ جس طرح ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے یا جس طرح بھینگے آدمی کو زاویہ نگاہ ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اپنی اصلی شکل پر نظر نہیں آتی، اسی طرح ان رُوحانی بھینگوں کا حال ہے کہ ان کو صحیح احادیث عجمی اور سبائی عناصر کی سازش نظر آتی ہے اور جمہور علماء ملت اور فقہائے اسلام (جن کی برگزیدہ ہستیوں پر ہمیشہ سے اہلِ اسلام اعتماد اور فخر کرتے چلے آئے ہیں) کے اقوال ان کی رَدّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل نظر آتے ہیں اور یہ لوگ حضرات سلف صالحین ﷭ کے اقوال کو کرید کرید کر اعلانیہ ان پر بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہیں اور بعض بزرگانِ دین ﷭ کے اقوال کو تو خصوصاً اقوالِ بزرگان کی پوسٹ مارٹم کرنے والوں نے ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ جیسا کہ اسی کتاب سے بعض ایسی چیزیں اِن شاء اللہ تعالیٰ! بالکل عیاں ہوں گی اور جمہور کے اقوال پر برسنے کے لئے ان لوگوں نے ایک ایسا محاذ بنا رکھا ہے جس کی حقیقت بقول علامہ اقبال ﷫ صرف یہ ہے کہ ۔

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دُزدے چند   بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند!

ان نظریات کے حامل جملہ حضرات کے طرزِ استدلال میں قارئین کرام کو یہ بات بخوبی نظر آئے گی کہ یہ حضرات مجمل اور مُبہم عبارات کو تو لے لیتے ہیں لیکن ان کتابوں میں مصرح اور واضح عبارات کا نام تک نہیں لیتے یعنی عمداً لوگوں کو دھوکا دینے اور مغالطہ میں ڈالنے کے درپے ہیں۔ فوا اسفا!

(۲) کراچی سے چند اُوراق کا ایک اور کتابچہ طبع ہوا ہے جس کا نام ''یہ قبریں، یہ آستانے'' ہے جس کا اندازِ بیان، دلائل کی ترتیب اور مفید مطلب حوالے اور پھر ان سے نتیجہ اخذ کرنا ''شفاء الصدور'' اور ''ندائے حق'' (جن کا ذکر خیر آگے آرہا ہے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ) وغیرہ سے چنداں متفاوت نہیں اور ایسا لگتا ہے کہ یہی کتابیں سامنے رکھ کر سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے اس کو مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتابچہ جناب کیپٹن ڈاکٹر مسعودالدین عثمانی ایم بی بی ایس (اور بقولِ خود) فاضل علوم دینیہ اور امیر حزب اللہ نے تالیف فرما کر اُمت مرحومہ ومظلومہ پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ یہ کتابچہ ۱۹۷۲ء میں مکہ مکرمہ میں ''المسجد الحرام'' کے اندر بھی مفت تقسیم ہوتا رہا ہے۔ اس میں بھی عدمِ سماعِ موتی، عرضِ اعمال اور آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کے نہ پیش ہونے پر خاصا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ (ص ۲۱) میں لکھا ہے کہ: ''سماعِ موتی کا عقیدہ تو شرک کی جڑ ہے۔'' (بلفظہٖ) اور پھر آگے (ص ۱۳) میں ''لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' اور مضمون کی بعض دیگر آیات سے اپنے رنگ میں استدلال کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ: ''پس ثابت ہوا کہ قبر کے باسی دُنیاوی زندگی سے بالکل عاری ہیں۔ وہ نہ تو دنیا والوں کی پکار سنتے ہیں کہ جواب دیں اور نہ ان میں یہی طاقت ہے کہ دُعائیں کر اللہ تک پہنچانے کا وسیلہ بنیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کا متفقہ فیصلہ یہی ہے۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔'' (بلفظہٖ) افسوس حیرت اور صدمہ ہوتا ہے ان لوگوں کی اس جسارت اور بے باکی پر کہ وہ ایک اختلافی مسئلہ کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ ایک سیدھا سادھا مسلمان ان کی ایسی مغالطہ آفریں عبارات سے دھوکا کھا سکتا ہے اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوسکتا ہے کہ شاید شرعی حکم ہی یہی ہے۔ حالانکہ اس کو حقیقت سے دُور تک کا واسطہ نہیں اور یہ غلط نظریہ ان لوگوں کا نرا تعصب اور خالص غلو ہے۔ (حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ میں سے کسی کا یہ فیصلہ نہیں۔ چہ جائیکہ اُن کا متفقہ فیصلہ ہی یہ ہو) یہ ایک خالص بے بنیاد دعویٰ ہے۔

(۳) راقم اثیم نے ابھی کتاب ''تسکین الصدور'' نہیں لکھی تھی کہ سرگودھا سے ایک دوست نے ایک کتاب تحفۃً راقم کو بھیجی جس کا نام ''شفاء الصدور'' ہے اس میں موضوعِ بحث عدم سماعِ موتی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور انہی کے رفیق اور ہم ذہن ومہتمم مدرسہ نے (جو اَب دُنیا سے رخصت ہو چکے ہیں) ساتھ ساتھ مفید مطلب اور آزاد ترجمہ بھی اُردو میں اپنی سمجھ کے مطابق کر دیا ہے اور اس مسئلہ کے سلسلہ میں دونوں دوستوں کا ذہن ایک سا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سب کا لُبِّ لباب صرف یہ ہے کہ مُردے نہیں سنتے اور اس دعویٰ کے اثبات پر انہوں نے بہت سی بالکل غیر متعلق آیات اور احادیث سے استدلال بھی کیا ہے جن سے ان کا یہ مدعا ہرگز کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا اور کسی اہلِ علم بلکہ کسی بھی عقلمند کو ان سے ذرہ بھر شبہ نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ وہ عدم سماعِ موتی پر ان کو قطعی حجت سمجھے۔ ہاں! البتہ ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (الآیۃ) اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (الآیۃ)'' وغیرہا آیات سے نیز بعض اکابر کی کچھ عبارات سے ضرور کچھ شبہ ہوسکتا ہے اور انہی کی وضاحت ہم نے اس کتاب میں کردی ہے اور ''تسکین الصدور'' میں اس کا وعدہ بھی ہم نے کیا تھا۔ سردست ہم انہی دلائل اَور اسی ترتیب پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اگر کسی صاحب نے قلم اُٹھایا اور ضرورت ہوئی تو اِن شاء اللہ تعالیٰ طبع دوم میں مزید وضاحت کردی جائے گی۔ مؤلف مذکور نے غیر متعلق عبارات سے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ پھر غضب کی بات یہ ہے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں ان کے ہم نوا نہیں بلکہ بالکل ان کے برخلاف ہیں اپنے

ناخواندہ حواریوں کو وہ بزرگ بھی انہوں نے اپنے گرد دکھائے اور بلا خوف تردید بڑی بے باکی سے ان کے نام بھی منکرینِ سماعِ موتیٰ میں درج کر دیئے ہیں جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ جیسا کہ اسی پیشِ نظر کتاب سے ان شاء اللہ تعالیٰ! یہ بات بالکل عیاں ہو جائے گی اور یہی طریقہ ان کا ''ندائے حق'' میں ہے جو انہوں نے بزعمِ خویش راقم کی کتاب ''تسکین الصدور'' کے جواب میں لکھی ہے۔ لیکن بحمد اللہ تعالیٰ و مَنِّہٖ! وہ ''تسکین الصدور'' کے وزنی اور ٹھوس دلائل کا جواب دینے سے قطعاً قاصر اور یقیناً عاجز رہے ہیں۔ ہاں! غیر متعلق باتوں کا تذکرہ کر کے کتاب کا حجم بڑھا کر اپنے ناخواندہ حواریوں کو ضرور یہ باور کرایا ہے کہ یہ اس کا جواب ہے۔ اس میں جو جو باتیں اپنی دانست کے مطابق ہم نے شبہ پیدا کرنے والی سمجھی ہیں، ان میں سے بعض کا جواب اسی پیشِ نظر کتاب اور بعض کا ''تسکین الصدور'' طبع دوم میں دے دیا ہے۔ باقی ہرزہ سرائی اور لچر باتوں کا جواب دینا ہم علمی اور تحقیقی سطح سے بہت فروتر سمجھتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس میدان میں بھی ان کا حریف کوئی شہسوار کبھی نکل آئے۔ کیونکہ لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ اور ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی علم دوست اور سمجھدار آدمی جمہور کے خلاف پیش کردہ ان کے وساوس واوہام یا محض قیاسات اور منطقیانہ و مغویانہ مغالطات سے ہرگز دھوکا نہیں کھائے گا۔ ضد اور تعصب کا معاملہ ہی الگ ہے۔ اس کا اس دُنیا میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ انتہائی حیرت ہے کہ ایک اختلافی مسئلہ کے سلسلہ میں جو لب ولہجہ اور طرزِ گفتگو اُنہوں نے اختیار کی ہے بلکہ توسّل عند القبر اور آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں طلب مغفرت کی سفارش کے جواز کے قائلین اور سماعِ موتیٰ کے مقرین کو جس انداز سے انہوں نے مخاطب کیا اور کوسا ہے اور جس طرح جمہور کا مذاق اُڑایا ہے اور جس طرح بلند پایہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کو کھلے لفظوں میں کوسا اور ان پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے اور جس طرح مشہور اور متداول کُتبِ فقہ اور فتاویٰ کو ہدفِ تنقید بنایا ہے، وہ صرف انہی کا حصہ ہو سکتا ہے اور یہ سب کچھ ان کا اور اس سلسلہ میں ان کے رہبر جناب مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کا اندازِ گفتگو اور سبق ہے۔ زیادہ تفصیل میں جانا تو ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ چند عبارات انہی کے الفاظ میں ہدیۂ قارئین کرام کئے دیتے ہیں تاکہ آپ بھی نمونہ از خروارے ملاحظہ کر لیں۔

حافظ ابن الہمام الحنفی رحمہ اللہ پر بے اعتمادی

حافظ ابن الہمام الحنفی رحمہ اللہ نے فی الجملہ سماعِ موتیٰ کا اقرار کیا ہے کہ مُردے قرعِ نعال اور سلام سنتے ہیں (حوالہ اپنے مقام پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ) مگر ان کی تحقیق سے برہم ہو کر مؤلف ''شفاء الصدور'' لکھتے ہیں: ''اگر کہا جائے کہ امام ابن الہمام رحمہ اللہ کا قول فتح القدیر میں ایسا ہے جس سے سماعِ موتیٰ سمجھ آتا ہے صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے کہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ صاحبِ ترجیح ہیں۔ (یعنی فقہ کے متعارض اقوال کو ایک دُوسرے پر ترجیح دینے کے اہل ہیں جو اَربابِ فقہ میں ایک بلند مقام ہے۔ صفدرؔ) دراصل بات یہ ہے کہ ان کے قول کی اتباع تب تک ہے جب تک مذہب کے خلاف نہ ہو۔ خلافِ مذہب ہونے کی صورت میں ان کا قول معتبر نہ ہوگا۔ خود ان کے تلمیذ قاسم رحمہ اللہ نے یہ بات کہی ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں چونکہ مذہب کے خلاف لکھا ہے، لہٰذا یہ قول معتبر نہ سمجھا جائے گا۔'' (بلفظہٖ ص ۶۸)

نہ معلوم مؤلف مذکور کی مذہب سے کیا مُراد ہے؟ اگر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یا حضرات جمہور کا مذہب مراد ہے تو ظاہر اَمر ہے کہ امام ابن الہمام رحمہ اللہ نے نہ تو ان کی مخالفت کی ہے اور نہ عدم سماع ان کا مذہب ومسلک ہے۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز!

اور اگر مذہب سے مؤلف مذکور ان کے ہمنوا چند بزرگوں کا اپنا مذہب مراد ہے تو بلا شبہ امام ابن الہمام رحمہ اللہ اس کے مخالف ہیں مگر جمہور کے نزدیک ان کا قول اس معاملہ میں صرف معتبر ہی نہیں بلکہ حجت بھی ہے۔ کیونکہ یہ ایک محقق کا قول ہے اور پھر یہ احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق اور حضرات جمہور رحمہم اللہ کے نظریہ کے عین موافق ہے۔ باقی جو بات علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۷۹ھ) نے فرمائی ہے تو وہ مؤلف مذکور نے سمجھی ہی نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ میرے اُستاد محترم کے تفردات مقبول نہیں ہیں۔ (تفردات شیخی غیر مقبولة هدية المجتنيٰ ص ۲۴) اور یہ سماع موتی کا مسئلہ ان کے تفردات میں شامل نہیں ہے بلکہ اس میں علاوہ صحیح احادیث کے اُمت کی اکثریت اور حضرات فقہاء کرام کا جم غفیر ان کے ساتھ اور ان کا ہم نوا ہے۔ لہٰذا حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ جیسے صاحب ترجیح کی بات کو بلا وجہ ترک نہیں کیا جا سکتا اور نہ اُن کے مبنی بر دلائل قول کو غیر معتبر قرار دے کر رَد کیا جا سکتا ہے۔ ہاں! اگر کسی نے مؤلف مذکور کی طرح سبق ہی یہ پڑھا ہو کہ مَیں نہ مانوں تو اس کا معاملہ ہی جدا ہے۔

(۲) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ: "یہ سننے اور کلام کرنے کی بات اکثر سبکی، سیوطی، زرقانی، یافعی، محب الدین طبری، نووی، قاضی عیاض رحمہم اللہ وغیرہ کی ہیں جن میں سے کوئی بھی حنفی مسلک کا نہیں۔" (بلفظہٖ شفاء الصدور ص ۹۶)

اس عبارت سے یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت احناف رحمہم اللہ میں سے کوئی اس کا قائل ہوتا تو مؤلف مذکور ضرور اس کو تسلیم کر لیتے۔ کیونکہ وہ بزعم خویش حنفی مسلک کے مدعی ہیں، مگر ان کی شومئ قسمت کہ یہ کہنے والے بھی بزرگ شافعی اور مالکی ہیں۔ اس لئے ان کا مسلک اختیار کرنے سے معذوری ہے۔ لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ بحث آگے آ رہی ہے کہ حضرات احناف رحمہم اللہ کا جم غفیر بھی سماع موتی کا قائل ہے۔ حضرات مالکیہ اور شافعیہ ہی اس کے قائل نہیں ہیں۔ پھر تأسف کی بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرات احناف رحمہم اللہ کی بات بھی تو تسلیم نہیں کی۔ (۱) اوّلاً: ابھی اُوپر حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ کا رَد ان کی تحریر سے گزر چکا ہے۔ وثانیاً: "شفاء الصدور" کے اسی صفحہ میں حضرت ملّا علی القاری رحمہ اللہ اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کا حوالہ دے کر اور نام لے کر انہوں نے ایک فقہی مسئلہ بیان کیا ہے کہ زائر قبر مبارک کے پاؤں کی طرف سے آئے اور سر کی طرف سے نہ آئے تاکہ دیکھنے والے کو دِقت نہ ہو۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"تو یہ اَقوال حجت نہیں ہیں اور نہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے اس پر کوئی دلیل ہے۔"

"فقد دَسّه الخصوم فی کتبهم الاتری انهم صرّحوا بعدم سماع الاموات" (شفاء الصدور ص ۹۶)

ترجمہ: "بلا شبہ یہ بات ان کی کتابوں میں ان کے مخالفوں نے گھسیڑ دی ہے کیا تُو نہیں دیکھتا کہ انہوں نے عدم سماع موتی کی تصریح کی ہے۔

اس کا نام ہے تحقیق و تدقیق کہ جو بات ان کے ذہن مبارک میں نہ آ سکے یا ان کی ایجاد یا اختیار کردہ رائے کے موافق نہ ہو تو اس کو فوراً دشمن اور مخالف معتبر اور متداول کتابوں میں کمال ہوشیاری اور چالاکی سے گھسیڑ آتے ہیں۔ محترم! یہ دونوں بزرگ حنفی ہیں۔ ان کی بات تو مان لی ہوتی یا ان کی بیان کردہ بات کا کوئی فقہی اور علمی

محمل یا کوئی مناسب توجیہ و تاویل بیان کی ہوتی۔ یہ یاد رہے کہ یہ دونوں بزرگ عدم سماع کے نہیں بلکہ شد و مد کے ساتھ سماع موتی کے قائل ہیں۔ اسی کتاب میں ان کے حوالے آ رہے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ محترم جب آپ نے کسی کی بات ہی تسلیم نہیں کرنی تو حنفی اور غیر حنفی کا سوال پیدا کرنے کا کیا مطلب؟

لطیفہ

بقول مؤلف مذکور یہ ''الخصوم'' اور مخالف بڑے ہی ہوشیار اور چابکدست ثابت ہوئے ہیں۔ حضرات احناف رحمہم اللہ کی کتابیں تو ان کی دست برد سے کیا محفوظ رہتیں، یہ تو حنبلیوں کی کتابوں میں بھی دسیسہ کاری سے باز نہیں آتے۔ یہی بات انہوں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) کے مشہور فتاویٰ اور شیخ بدرالدین البعلی الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۷ھ) کے مختصر الفتاویٰ المصریہ میں بھی گھسیڑ دی ہے۔ پھر ان سے کوئی بچے تو کیونکر؟ اور اپنی کتابوں کو ان سے محفوظ رکھے تو کیسے؟ رہے نام اللہ تعالیٰ کا۔ یہ الخصوم تو سی، آئی، اے سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ یہ محفوظ الماریوں کے اندر بند کتابوں میں خوش نویسوں کے قلم لے کر داخل ہو جاتے ہیں اور اصل کتاب جیسی خوش خط عبارتیں زیب قرطاس کر آتے ہیں اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی اور وہ ایسے شاطر ہیں کہ حک و اضافہ کا وہم اور نشان بھی کتابوں میں نہیں رہنے دیتے کہ کسی کو حذف و اضافہ ہی کا شبہ پڑے۔

چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''واستفاضت الآثار بمعرفة الميت اهله و باحوال اهله واصحابه في الدنيا وان ذٰلك يعرض عليه وجاءت الآثار بانه يرى ايضا وبانه يدرى بما يفعل عنده فيُسرّ بما كان حسنا ويتألم بما كان قبيحا'' (فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۴ ص ۲۴۶، ۲۴۷)

ترجمہ: ''مشہور اور مستفیض احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مردہ اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے احوال کو جانتا ہے جو ان کو دنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے، اس کو جانتا بھی ہے۔ اگر وہ کارروائی اچھی ہو تو اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اگر وہ بری ہو تو اس کو اس سے رنج پہنچتا ہے۔''

اور شیخ بدر الدین بعلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''و قد استفاضت الاخبار بمعرفة الميت بحال اهله واصحابه في الدنيا وان ذٰلك يعرض عليه وانه يرى ويدرى بما يفعل عندهٗ و يَسُرُّ بما كان حسنا و يتألم بما كان قبيحا وروى ان عائشة رضي الله عنها بعد ان دفن عمر رضي الله عنه كانت تستتر و تقول كان ابى و زوجى فاما عمر فاجنبى تعنى انه يرا ها'' (مختصر الفتاوىٰ المصريه ص ۱۹۰)

ترجمہ: ''اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے حالات کو جانتا ہے۔ کیونکہ ان کے اعمال اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور جو کارروائی اس کے پاس کی جاتی ہے، مردہ اس کو دیکھتا اور جانتا ہے۔ اچھی کارروائی سے اس کو خوشی اور بری کارروائی سے اسے تکلیف ہوتی ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کئے جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پردہ کر کے اندر جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ پہلے تو میرے والد اور خاوند تھے اور بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اجنبی ہیں۔ ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو دیکھتے ہیں۔

حنفیوں کی کتابوں میں تو یہ "الخصوم" صرف یہی داخل کر سکے کہ میت دیکھتی ہے مگر تعجب ہے کہ حنبلیوں کے ان معتبر فتاووں میں انہوں نے اس کے ثبوت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی داخل کر دی ہے۔ اب کوئی کرے تو کیا کرے؟ اور ان دسیسہ کاروں سے بھاگ کر جائے تو کہاں جائے؟ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

علماء نجد

موجودہ زمانے کے نجدی علماء جو اکثر رسومات بدعیہ پر بھی بلا جھجک شرک کا اطلاق کرنے سے نہیں چوکتے۔ اس بات کو وہ بھی صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ: "و معرفۃ المیت زائرہ لیس مختصا بہ صلی اللہ علیہ وسلم"

(الدرر السنیہ فی الاجوبۃ النجدیۃ ج ۱ ص ۱۶۶)

ترجمہ: "میت کا اپنے زیارت کنندہ کو پہچاننا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مختص نہیں ہے، (بلکہ ہر میت اپنے زائر کو پہچانتی ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس روایت کی طرف اس عبارت میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ یوں ہے: "عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انی واضع ثیابی و اقول انما ھو زوجی و ابی فلما دفن عمر رضی اللہ عنہ معھم فو اللہ ما دخلتہ الّا و انا مشدودۃ علیّ ثیابی حیاءً من عمر رضی اللہ عنہ" (رواہ احمد فی مسندہ ج ۶ ص ۲۰۲، مشکوۃ ج ۱ ص ۱۵۴، وقال الھیثمی رحمۃ اللہ علیہ رواہ احمد رحمۃ اللہ علیہ و رجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷)

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے جس گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد مدفون تھے، میں کپڑوں کا خاص اہتمام کئے بغیر ہی اس میں داخل ہو جاتی تھی کہ میرے والد اور خاوند ہیں اور جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دفن کئے گئے تو بخدا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کرتے ہوئے کپڑے اوڑھ کر (اور خوب اہتمام کر کے) وہاں جاتی تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں یہ روایت درج کی ہے اور امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔"

مؤلف مذکور جو تفسیر اور توجیہ اس صحیح روایت کی کرتے یا کر سکتے ہیں، وہی توجیہ حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ وغیرہم کی ایسی عبارات کی کر دیں۔ ہمارا اس پر صاد ہے مگر خدارا حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ کی گراں مایہ بلند پایہ کتابوں کو الخصوم اور دشمنوں سے تو بچائیں۔ اگر ہماری توجیہ پسند آئے تو اس کو قبول کر لیں۔ وہ یہ کہ ان عبارات میں رؤیت سے رؤیت بصری مراد نہیں ہے بلکہ رؤیت قلبی مراد ہے جس کو علم بھی کہتے ہیں۔

(صراح ص ۵۵۱) میں ہے: "رؤیۃ دیدن بچشم متعد الی مفعول و دانستن متعد الی مفعولین" یعنی لفظ رؤیت آنکھ کے ساتھ دیکھنے پر بھی بولا جاتا ہے اور جاننے پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ پہلی صورت میں ایک مفعول اور دوسری صورت میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ (تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۱۰، معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۱۱) میں "اَلَمْ تَرَ" کے معنی "اَلَمْ تَعْلَمْ" کے کئے ہیں اور امام ابوبکر بن خالویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کل ما فی القرآن من الم تر فمعناہ الم تُخْبَرْ الم تعلم لیس من رؤیۃ العین" (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ص ۷۵)

اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی ان عبارات میں رؤیت سے جاننا مراد ہے کہ جب کوئی زندہ شخص قبر کے پاس آ کر سلام وکلام کرتا ہے تو مُردے اس کو آواز اور لب ولہجہ سے پہچان لیتے ہیں۔ جیسا کہ نابینا حضرات لوگوں کو آواز سے پہچانتے ہیں مگر نابینا سے بھی اگر کلام کرنا ہوتا ہے تو عادۃً لوگ اس کے پیچھے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ سامنے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ گو اس کو نظر کچھ بھی نہیں آتا لیکن عادت یوں ہی ہے اور متکلم کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر یہ بینا ہوتا تو میں اس کے سامنے ہی سے آتا۔ اب بھی ایسا ہی کروں۔ یہی حال اموات کے ساتھ کرنا چاہئے کہ اگر وہ قبر کے مضبوط پردہ کے نیچے سے اپنی حسی آنکھوں سے دیکھتے ہوتے تو ان کے پاس آنے والے سامنے سے ہی آتے۔ اس لئے اب قبر پر سامنے ہی کی طرف سے آئیں نہ کہ پیچھے کی طرف سے اور ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھ کر یوں خیال اور تصور کریں کہ گویا وہ دیکھتے ہیں۔ اس کو ایسا ہی سمجھئے جیسا کوئی متادب شاگرد اپنے اُستاد کے مصلے یا ان کی خاص نشست گاہ پر استاد کی غیر حاضری میں بھی کھڑا ہونے اور بیٹھنے کی ہمت اور جرأت نہیں کرتا۔ اس خیال سے کہ یہ میرے اُستاد کا مقام ہے کہ اگر اُستاد محترم موجود ہوتے تو ان کی موجودگی میں یہ جرأت نہ کرتا۔ اب بھی ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھتا ہوں۔ ٹھیک اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بوقت زیارت کیا کرتی تھیں۔ پہلے چونکہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی وہاں مدفون تھے، وہ تستر کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی تھیں، جیسا کہ ان کی زندگی میں نہیں کرتی تھیں۔ بخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہ چونکہ وہ شرعاً غیر محرم تھے، اس لئے جس طرح ان کی زندگی میں وہ ان کے سامنے پردے کا اہتمام کرتی تھیں، بعد از وفات بھی اس کو ملحوظ رکھا۔

راقم اثیم کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ صحیح روایت اور اسی مضمون کی اور بعض دیگر روایات اور آثار حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی عبارات کا ماخذ ہیں اور ایسی ہی روایات پر نگاہ رکھتے ہوئے انہوں نے یہ لکھا ہے اور یہ بات صرف حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ اور علامہ شامی رحمہ اللہ ہی نے نہیں کہی جن کو مؤلف مذکور نے بے اعتمادی کا نشتر چبھویا ہے بلکہ دیگر متعدد حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ نے بھی یہ بات لکھی ہے اور دُوسرے حضرات نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا طریقہ یہ بتلاتے ہیں کہ سلام کرنے والا آپ کے سر مبارک اور چہرۂ انور کے سامنے اَدب کے ساتھ کھڑا ہو اور پھر اسے تلقین کرتے ہیں کہ: ''ملاحظاً نظره السعيد اليك و سماعه كلامك ورده عليك سلامك وتأمينه على دعائك'' (نور الایضاح ص ۱۸۹)

ترجمہ: ''تو یہ خیال اور لحاظ رکھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک تیری طرف متوجہ ہے اور آپ خود تیرا کلام سنتے اور تیرے سلام کا جواب دیتے اور تیری دُعا پر آمین کہتے ہیں۔''

اس کی شرح میں علامہ سید احمد طحطاوی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں: ''اى تلاحظ انه ناظر اليك'' (طحطاوی ص ۴۰۶)

ترجمہ: ''یعنی تو یہ خیال اور تصور کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف دیکھتے ہیں۔''

اور علامہ رحمۃ اللہ السندھی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی) اپنی مستند کتاب ''لباب المناسک'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے کے آداب میں یہ بھی فرماتے اور بتاتے ہیں کہ: ''متمثلا صورته الكريمة فى خيالك مستشعرا بانه صلى الله عليه وسلم عالم بحضورك وقيامك وسلامك''

''تم اپنے ذہن اور خیال میں آنحضرت ﷺ کی مبارک صورت کا تصور باندھو یہ خیال اور تصور کرتے ہوئے کہ آپ تیرے حاضر ہونے، کھڑے ہونے اور تیرے کلام کہنے کو جانتے ہیں۔''

اس کی شرح میں لفظ ''مستشعرا'' کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مُلّا علی القاری الحنفی ﷫ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ صرف اتنا ہی تصور نہ کرنا کہ آپ ﷺ تیرے حضور، کلام اور سلام ہی کو جانتے ہیں۔

''ای بل بجمیع افعالک و احوالک و ارتحالک و مقامک وَ کَاَنَّہٗ حاضر جالس بازائک''

(المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ص ۳۳۸)

ترجمہ:''بلکہ یوں تصور کرنا کہ آپ ﷺ تیرے تمام افعال اور احوال اور سفر کر کے آنے اور کھڑے ہونے کو جانتے ہیں اور یہ تصور کرنا کہ گویا آپ ﷺ تمہارے سامنے حاضر اور تشریف فرما ہیں۔''

ان عبارات میں صراحت کر دی گئی ہے کہ روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والا آپ کو صلوٰۃ و سلام عرض کرتے وقت دِل میں یہ تصور اور خیال رکھے کہ گویا آپ حاضر ہیں اور سامنے تشریف فرما ہیں اور ''وَ کَاَنَّہٗ حَاضِر۔ جَالِس بَازَائِکَ'' کا جملہ اس کی واضح دلیل ہے۔ اہل علم اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

علامہ السید نور الدین علی بن احمد السمہودی الشافعی ﷫ (المتوفی ۹۱۱ھ) حضرت امام محمد بن محمد الغزالی ﷫ (المتوفی ۵۰۵ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:''وقال فی الاحیاء واعلم انہ ﷺ عالم بحضورک وقیامک وزیارتک وانہ یبلغہ سلامک وصلٰوتک فَمَثِّلْ صورتہ الکریمۃ فی خیالک واخطر عظیم رتبتہٖ فی قلبک'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۳۷)

ترجمہ:''امام غزالی ﷫ نے ''احیاء العلوم'' میں فرمایا کہ (اے زیارت کنندہ) تو جان لے کہ آنحضرت ﷺ تیرے حاضر ہونے، کھڑے ہونے اور تیرے زیارت کرنے کو جانتے ہیں اور آپ کو تیرا سلام اور درود پہنچتا ہے۔ سو اپنے خیال اور ذہن میں آپ کی صورتِ مبارکہ کا تصور باندھ اور اپنے دِل میں آپ کے عظیم رُتبہ کا خیال ملحوظ رکھ۔''

اور علامہ سمہودی ﷫ خود اپنا فیصلہ یہ صادر فرماتے ہیں کہ:''والادب معہ ﷺ بعد وفاتہ مثلہ فی حیاتہ فما کنت صانعہ فی حیاتہ فاصنعہ بعد وفاتہ من احترامہ والاطراق بین یدیہ'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۴۷)

ترجمہ:''آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح ادب سے پیش آ جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں تھا۔ سو جس طرح تو آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کا اَدب کرتا اور آپ ﷺ کے سامنے سر نیچا کرتا تھا آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی تو ایسا ہی کر۔''

یہ تمام عبارات ذمہ دار علماءِ ملّت کی ہیں اور اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل روشن ہیں۔ مؤلف ''شفاء الصدور'' کس کس کا انکار کریں گے؟

علامہ احمد بن محمد القسطلانی ﷫ (المتوفی ۹۲۳) ''مواهب اللدنیہ'' میں اور اس کے شارح علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی ﷫ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والا۔

"ویلازم الادب والخشوع والتواضع غاض البصر فی مقام الھیبة کما کان یفعل بین یدیه فی حیاته اذ ھو حی ویستحضر علمه بوقوفه بین یدیه وسماعه لسلامه کما ھو فی حال حیاته اذ لا فرق بین موته و حیاته فی مشاھدته لامته و معرفته باحوالھم و نیاتھم و عزائمھم و خواطر ھم و ذلک عنده جلی ظاھر لا خفاء به باطلاع اللہ تعالٰی له علی ذٰلک" (المواھب اللدنیہ مع شرحہ للزرقانی رحمۃ اللہ علیہ ج ۸ ص ۳۰۵)

"ادب، خشوع اور تواضع کو لازم پکڑے اور ہیبت کے مقام پر اپنی نگاہ کو نیچی رکھے جیسا کہ آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کی زندگی میں کرتا تھا کیونکہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور اس بات کو ذہن میں حاضر رکھے کہ آپ ﷺ آنے والے کے اپنے سامنے کھڑا ہونے اور اس کے سلام کو سنتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کی زندگی کی حالت میں تھا اس لئے کہ آپ ﷺ کی موت وحیات میں اپنی اُمت کے مشاہدہ اور ان کے احوال ونیات وعزائم اور خیالات کو پہچاننے میں کوئی فرق نہیں اور یہ بات آپ ﷺ کے ہاں بالکل روشن (اور) ظاہر ہے۔ اس میں کوئی خفاء نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالٰی آپ ﷺ کو اس پر اطلاع دیتا ہے۔"

اس عبارت سے اہلِ بدعت نے آنحضرت ﷺ کے لئے دِلوں کے راز تک کا علم غیب ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے مگر وہ بے چارے یستحضر کا مفہوم ہی نہیں سمجھے۔ استحضار کا یہ معنی ہوتا ہے کہ اپنے ذہن اور خیال میں ایک بات کو حاضر کرے اور ذہن میں پیش نظر رکھے اور اگر خارج اور نفس الامر میں بھی اللہ تعالٰی کسی کی خلوص نیت اور حالت کی آپ ﷺ کو کوئی خبر دے دے جیسا کہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ باطلاع اللہ تعالٰی "له علی ذٰلک" سے اس بات کو سمجھانا چاہتے ہیں تو شرعاً اس میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور نہ اس کا علم غیب سے کوئی تعلق ہے جو اللہ تعالٰی کی مخصوص صفت ہے۔

مؤلف ندائے حق کی باطل تاویل

مؤلف مذکور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکور حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "اور اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں، پھر بھی ہمارا کچھ نہیں بگڑتا اور آپ کا مقصود اس سے ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ دفن عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے تو حجرۂ شریفہ مخصوص تھا۔ بغیر اجازت کے کوئی اندر نہیں جاسکتا تھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ کے اقارب اگر السلام علیکم کرنے آئیں تو انہیں کون منع کرے۔ اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو اچھی طرح کپڑے لپیٹ لیتی تھیں، تو اقارب عمر رضی اللہ عنہ سے پردہ کرنے کے لئے، نہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات مدفونہ سے پردہ کرنے کے لئے۔ 'رواۃ کے اختصار فی الحدیث سے یار لوگوں نے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اموات کے لئے حواس جسد عنصری والے ثابت کرنا شروع کر دیئے۔ الحاصل حدیث مذکور اس بات پر دال نہیں کہ نبی ﷺ کا سماع وبصر ثابت ہو۔ جسد عنصری کے کانوں، آنکھوں سے اہلِ دنیا کی اصوات وذوات کے بارے۔" (بلفظہ ندائے حق ص ۱۴۱)

الجواب: مؤلف مذکور نے اس صحیح حدیث کا جس رنگ اور جس طرز سے انکار کیا ہے منکرین حدیث بھی کبھی ایسا نہ کرسکیں۔ بات صرف یہاں ختم ہوتی ہے کہ: "مَیں نہ مانوں" باقی سب بہانے ہیں اور مؤلف مذکور نے اس پر مطلقاً غور نہ کیا اور نہ اس کا باحوالہ ثبوت دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن سے پہلے حجرہ شریفہ یوں مخصوص تھا کہ بغیر اجازت کے اندر کوئی نہیں جاسکتا تھا؟ اس کا کیا ثبوت اور حوالہ ہے؟ کون اجازت مانگتا تھا اور کس سے مانگتا تھا؟ یہ

صحیح روایت تو خود صاف بتاتی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مدفون ہو چکے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حجرہ شریفہ میں نہیں رہتی تھیں بلکہ وہ فرماتی ہیں: ''کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ ﷺ'' کہ میں اپنے اس کمرے میں داخل ہوتی تھی جہاں آپ ﷺ مدفون تھے اور پھر وہ تصریح فرماتی ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدفون ہو چکے تو وہ پردے کا اہتمام کر کے جاتی تھیں اور یہ کارروائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقارب سے نہیں بلکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی بناء پر تھی اور ''حیاءً من عمر رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ اس میں صراحت سے موجود ہیں۔ پھر مؤلف مذکور کو یہ ہمت بھی نہ ہو سکی کہ وہ حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ کے حوالہ سے یہ بتاتے کہ اصل روایت یہ تھی اور رُواۃ کے اختصار سے اس کا نقشہ یہ بن گیا ہے اور اُلٹا وہ یار لوگوں کو بلاوجہ کوستے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث سے ناجائز فائدہ اُٹھایا۔۔۔۔ یار لوگوں نے تو اس سے ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا، البتہ مؤلف مذکور نے اس کی بالکل ناروا اور باطل تاویل کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا ہے اور الحاصل کے بعد جس طرح انہوں نے غلط نتیجہ نکالا ہے، وہ ان کی کم فہمی کا رونا رو رہا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کا جسدِ عنصری محفوظ ہے اور رُوحِ مبارک کا اس سے قوی تعلق ہے تو آپ ﷺ قریب سے کانوں سے اہلِ دُنیا کے اصوات کیوں نہیں سُن سکتے اور جسدِ عنصری کی آنکھوں سے قبر اور برزخ کی چیزوں کو کیوں نہیں دیکھ سکتے؟

(۴) یہی مؤلف لکھتے ہیں کہ: ''اگر تو یہ کہے کہ اگرچہ ہم اس بات کی سمعی دلیل تو نہیں جانتے لیکن ہم ان جلیل القدر فقہاء کرام رحمہم اللہ پر اعتماد کرتے ہیں کیونکہ وہ جھوٹ تو نہیں کہتے۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ دلائل کی بناء پر کہا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ہم نے یہ تسلیم کیا کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ جھوٹ نہیں بولتے لیکن خطاء اور نسیان تو ممکن ہے۔ مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات مصنف فی نفسہٖ معتبر ہوتا ہے مگر اس کی کتاب نامعتبر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں تنقید و تنقیح کا التزام نہیں کیا ہوتا اور اس میں وہ تدقیق و توضیح کے بغیر ہر رطب و یابس جمع کیا ہوتا ہے۔ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۲، شفاء الصدور ص ۷۹ محصلہ مترجماً)

مؤلف مذکور کی اس عبارت کا ایک ظاہری مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ اور حضرت مُلّا علی القاری رحمہ اللہ وغیرہ کی کتابیں ہی سرے سے نامعتبر ہیں کیونکہ وہ تنقید و تنقیح سے خالی ہیں۔ اگرچہ ان کے مصنف فی نفسہٖ معتبر ہیں اور دوسرا مطلب جو بظاہر مؤلف مذکور کی مراد ہے، یہ ہے کہ ان کتابوں میں یہ مسائل اور جزئیات نامعتبر ہیں، اس لئے کہ وہ تدقیق و توضیح سے عاری ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو مؤلف مذکور کے نزدیک ان حضرات کی ان عبارات سے اتفاق مشکل ہے۔ مگر ایک بات فہم سے بالاتر ہے وہ یہ کہ کسی مصنف کا اپنی کتاب میں تنقید و تنقیح کا التزام نہ کرنا خطا اور نسیان کیسے ہو گیا؟ اور ان دونوں باتوں میں جوڑ اور تلازم کیا ہے؟ علاوہ ازیں پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ جس میں صحیح کے پہلو میں ضعیف اور قوی کے ساتھ کمزور اور راجح قول کے ساتھ مرجوح اور ناسخ کے ساتھ منسوخ وغیرہ درج ہوتا ہے، وہ سبھی کتابیں نامعتبر ہیں اور اس لحاظ سے کتاب اللہ تعالیٰ کے بعد صحیحین کے سوا یا معدودے چند اور کتابوں کے علاوہ باقی تمام اسلامی کتابیں عام اس سے کہ وہ حدیث و تفسیر کی ہوں یا فقہ و تاریخ وغیرہ کی، سبھی ہی نامعتبر ہوں؟ پھر یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ کیا سبھی حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ جو مختلف علاقوں اور زمانوں میں گزرے ہیں خطاء اور نسیان پر کمر بستہ ہو گئے اور تالیف کے اثناء میں سامنے کتابوں کا انبار ہوتے ہوئے بھی ان کا نسیان نہ گیا اور نہ خطا کے چکر سے نکل سکے۔ یہ

ذہن اور نظریہ انتہائی خطرناک اور سخت مضر ہے اور یہ نظریہ صرف مؤلف ''شفاء الصدور'' ہی کا نہیں بلکہ مؤلف ''اقامۃ البرہان'' کا نظریہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔

چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''نشر الطیب مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے جو ہر قسم کے رطب ویابس روایتوں سے پُر ہے اس لئے وہ درجۂ استناد سے ساقط ہے۔'' (ملخصاً اقامۃ البرہان ص ۲۹۰)

یہ صحیح ہے کہ ''نشر الطیب'' میں کمزور ضعیف روایات بھی ہیں لیکن اس میں قرآنِ کریم کی آیات اور صحیح احادیث اور مستند اقوال بھی تو موجود ہیں۔ یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ مؤلف مذکور نے ساری کتاب ہی کو درجۂ استناد سے ساقط کر دکھایا ہے۔ سُبۡحَانَکَ ھٰذَا بُھۡتَانٌ عَظِیۡمٌ!

(۴) مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ: ''مُلّا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتابوں میں بہت غلطیاں کر جاتے ہیں۔ اطمینان کے لئے مقدمہ تنسیق النظام اور شرح نخبۃ الفکر پر حواشی عبداللہ ٹونکی کو دیکھ لو۔ محمد حسن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ملا علی القاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت عجیب حالت ہے۔ موافق مخالف رطب و یابس صحیح ضعیف سب نقل کر دیتا ہے۔ حدیثوں کی تنقیح اور ان کا امتیاز نہیں کرتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اکثر تصانیف عجلت سے لکھی گئی ہیں۔ پھر قاری صاحب کی ہر بات پر اعتماد کرنا درست نہ ہوا۔ خصوصاً جب کہ وہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید میں کوئی بات لکھ جائیں۔ اسی طرح ابن عابدین نے محمد بن عبدالوہاب کے بارہ میں سُنی سنائی بات لکھ دی۔'' (ترجمہ شفاء الصدور ص ۱۰۰، ۱۰۱)

مؤلف مذکور کی مراد واضح ہے کہ حضرت مُلّا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ کی ہر بات قابلِ اعتماد نہیں ہے اور اس ہر بات سے مؤلف مذکور کی مراد یہاں پر وہ مسئلہ اور جزئیہ ہے جس میں ان دونوں بزرگوں نے روایات پر اعتبار کرتے ہوئے جمہور اور اکثریت کا ساتھ دیا ہے اور ان کے نامعتبر اور غیر قابلِ اعتماد ہونے کی وجہ بھی مؤلف مذکور کے ہاں صرف یہی ہے۔

(۵) چلئے سبکی، سیوطی، نووی، قاضی عیاض، زرقانی، شافعی اور مالکی رحمہم اللہ ہیں، ان کی بات نہ سہی جن اکابر فقہاء احناف نے سماعِ موتی کا اقرار کیا ہے، مثلاً: ابن الہمام، علامہ عینی، ملا علی القاری، علامہ آلوسی، بحر العلوم، مولانا نانوتوی وغیرہ (رحمہم اللہ) حضرات، تو یہ جملہ حضرات حنفی ہیں اور یہ سب سماعِ موتی کے قائل ہیں۔ ان کی بات ہی تسلیم کر لیتے یا ان کی بات بھی محال است وجنوں کا مصداق ہے؟ اگر حضرات علماء اسلام پر بے اعتمادی کا یہی عالم رہا تو پھر منکرین حدیث اور باطل فرقوں کے نظریات بلا روک ٹوک مسلمانوں میں سرایت کریں گے اور معاذ اللہ تعالیٰ اسلامی مسائل کا حلیہ بگڑ جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر معروف الفقہ والعدالۃ ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ)

ان حضرات کو اپنی قائم کردہ غیر معصوم رائے پر اتنا اصرار ہے کہ اجماع اور جمہور اور مسلّم حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کو کوسنے سے گریز کرنا تو درکنار انہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) کسی کی بات کو اعرابی اور جنگلی کہہ کر ٹال گئے ہیں اور کسی کی بات کو یہ کہہ کر صحابی کی بات حجت نہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تو عدالت ہی کا انکار کر دیا ہے۔

چنانچہ مؤلف ندائے حق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:''پھر بیہقی کو بھی صرف تمام لاکھ سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے، جن میں معروف بالاجتہاد والفقہ بھی تھے، ایسی اہم اور ضروری حدیث جس کا انکار موجب فسق وضلال ہے۔ صرف ایک صحابی غیر معروف الفقہ والعدالۃ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ملی۔ جس کی روایت عموم قرآنی اور عام قاعدہ کے خلاف ہو تو مسترد کردی جاتی ہے جیسے ان کی مصرّاۃ والی روایت کو احناف رحمہم اللہ نے فرمادیا کہ خلاف قرآن ہے۔'' (ندائے حق ص ۱۲۵)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ کا تو کمال ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے بارے میں ایک صحابی کی روایت کی نشان دہی تو کردی ہے مگر مؤلف ندائے حق اور ان کی پوری جماعت اس سے یقیناً قاصر رہی ہے اور تا قیامت قاصر رہے گی کہ وہ کسی ایک ہی صحابی سے یا کسی ایک ہی تابعی سے یا کسی ایک معتبر محدّث اور فقیہ سے صاف اور صریح الفاظ میں یہ ثابت کردے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ اگرچہ بعض حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ تو لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مجتہد اور فقیہ نہ تھے لیکن خود محققین احناف نے اس کی سختی سے تردید کی ہے۔ (العرف الشذی ص ۳۹۴ وغیرہ) مگر یہ کس فقیہ نے لکھا ہے کہ وہ معروف العدالۃ بھی نہ تھے اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت ثابت نہیں ہے جو ثقاہت راوی کے لئے ایک بنیادی شرط ہے تو ان کی تمام حدیثیں قابل رَد ہیں اور اس باطل نظریہ کے قائل شاید جناب غلام احمد صاحب پرویز بھی نہ ہوں۔ آخر وہ بھی تو مفید مطلب روایات کو تاریخ کی حیثیت دے کر تسلیم کرلیتے ہیں۔

حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ ایرے غیرے نتھو خیرے ہیں اور ان کی کتابیں پوتھیاں ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ)

امام ابن الہمام، حضرت ملا علی القاری، علامہ بحر العلوم، علامہ رحمۃ اللہ السندی الحنفی، علامہ شرنبلالی اور حضرت مولانا گنگوہی وغیرہ احناف (رحمہم اللہ) نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب زائر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے اور طلب دُعا کی التجاء سے فارغ ہوجائے تو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سلام عرض کرے اور یوں کہے کہ آپ میرے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میری مغفرت کی دُعا کی سفارش کریں۔ (محصلہ) ان میں سے بعض کے حوالے راقم نے تسکین الصدور طبع اوّل میں عرض کئے تھے اور کچھ طبع ثانی میں موجود ہیں۔ اس پر گرفت کرتے ہوئے مؤلف ''ندائے حق'' لکھتے ہیں کہ:''خلاصہ یہ نکلا کہ شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) سے درخواست کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہو کہ خدا سے کہیں کہ وہ ہماری مغفرت کرے۔ یعنی واسطہ در واسطہ، بریلویوں سے ایک قدم آگے۔ وہ تو کہتے ہیں، اے فقیر میری تیرے آگے اور تیری اللہ کے آگے (دُعا والتجاء) ہے اور یہ بناسپتی دیوبندی فرماتے ہیں ہماری ابوبکر وعمر کے آگے اور اُن کی حضور کے آگے اور پھر حضور کی اللہ کے آگے۔ واہ ری دیوبندیت جدیدہ ترمیم شدہ الیٰ ان قال۔ جیسے وہ (بریلوی) لوگ اپنے مسلک کی تائید میں کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کا قول کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالتے ہیں اگرچہ کتاب وسنّت کے خلاف ہو، ایسے ہی تم نے بھی اپنی تائید میں کتابوں کے حوالے پیش کئے۔ دلائل اربعہ (کتاب وسنت اجماع وقیاس مجتہد) میں سے نہ ان کا دعویٰ ثابت اور نہ تمہارا۔ یہود ونصاریٰ بھی توریت وانجیل کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی پوتھیاں پیش کرتے ہیں۔'' (ملخصاً ندائے حق ص ۶۷، ۶۸)

مطلب واضح ہے کہ یہ جلیل القدر حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ ایرے غیرے نتھو خیرے ہیں اور ان کی یہ کتابیں پوتھیاں ہیں اور تم ان کی بات ڈھونڈ نکالنے والے بناسپتی دیو بندی ہو، واہ ری دیو بندیت جدیدہ ترمیم شدہ۔ مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور بقول خود اصلی دیو بندیت کے کسی حامی بزرگ سے کتاب وسنت اور اجماع وقیاس مجتہد سے ایک حوالہ بھی اس کے عدم جواز پر صراحت سے پیش نہیں کر سکے اور نہ تا قیامت پیش کر سکتے ہیں اور خیر سے وہ بایں ہمہ اصلی دیو بندی بنے ہوئے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ!

مؤلف مذکور بلا وجہ محض اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے ہمیں بزور بریلی ہونے کا نار واطعن دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے اکابر علماء دیو بند سماع موتی میں رُوح کے ساتھ جسد عنصری کی مشارکت کے بھی (گو بعض کے نزدیک جسم مثالی سے تلبس بھی ہو) قائل ہیں اور مولوی احمد رضا خان صاحب صرف رُوح کے سماع کے قائل ہیں اور جسم مثالی سے یہ تعلق تسلیم کرتے ہیں اور یہی نظریہ مؤلف ندائے حق اور ان کے ہم نوا دوستوں کا ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

عرض: اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انکار سماع موتی سے رجوع ثابت ہے یا نہیں؟

ارشاد: ''وہ جو فرما رہی ہیں، حق فرما رہی ہیں، وہ مُردوں کے سننے کا انکار فرماتی ہیں۔ مُردے کون ہیں؟ جسم رُوح مُردہ نہیں اور بے شک جسم نہیں سُنتا، رُوح سنتی ہے۔''

پھر آگے لکھتے ہیں: ''سماع کے عُرفی معنٰی ان آلات کے ذریعے سننا اور یہ یقیناً بعد مرنے کے رُوح کے لئے نہیں۔ رُوح کو جسم مثالی دیا جاتا ہے، اس کے جسم کے کانوں سے سنتی ہے۔'' (ملفوظات حصہ سوم ص ۳۳)

غور کیجئے اور انصاف سے فرمایئے کہ اس مسئلہ میں خان صاحب بریلوی کا ہم نوا کون ہے؟ مگر دُنیا میں ایسا ہوتا رہا کہ چھانی لوٹے کو دو (۲) سوراخ ہونے کا طعن دیتی ہے۔

جمہور کی توہین

(۷) مسئلہ استشفاع عند القبر اور سماع موتی کی چونکہ جمہور اُمت قائل ہے اور حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ اور ہمارے اکابر علماء دیو بند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی اکثریت اس کی قائل ہے اور مؤلف ندائے حق چونکہ جمہور کے قائل نہیں ہیں، اس لئے ایک مقام پر جمہور سے برہم ہو کر علمی ہوش کو بالائے طاق رکھ کر خالص جوش میں آ کر لکھتے ہیں: ''اگر جمہور کا یہ حال ہے تو ہم اُیسے جمہور کی اتباع سے رہے۔ ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں (ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جمہور کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین۔ صفدرؔ) ہم ایسے جمہور کے عاشق نہیں۔ ہمیں تو قرآن وسنت واجماع مجتہدین کافی ہیں۔ (معاف رکھنا یہ سب جمہور کے ساتھ ہیں بلکہ جمہور ان پر عامل ہیں اور آپ کے پاس صرف لفظوں کی شعبدہ بازی ہے اور بس۔ صفدرؔ) یہ جمہور، زُنبور، کشف، خوابیں، جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو۔'' (بلفظہٖ ندائے حق ص ۳۰۳)

قارئین کرام! آپ مؤلف مذکور کا اندازِ گفتگو ملاحظہ کریں کہ اُنہوں نے جمہور کو کیا کہا؟ اور کن الفاظ سے یاد کیا ہے۔ عربی زبان میں زُنبور بھڑ کو کہتے ہیں جو چھوٹی سُرخ رنگ کی ہوتی ہے اور بڑی بھڑ کو ''کالی بھڑ'' کہتے ہیں

جو مختلف رنگ کی ہوتی ہے اور زہریلا ڈنگ مارتی ہے۔ مگر سخت افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے جمہور کو بھی زُنبور بنا ڈالا ہے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ! جب ان کے نزدیک جمہور کا یہ ادب و احترام ہے تو ماوشما کی ان کے نزدیک کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے اور غور کیجئے کہ ایک جلیل القدر دیہاتی صحابی کے خواب کو (جس کی بحث آگے آ رہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ) جس کی تائید خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کی اور جس کی تصدیق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی۔ مؤلف مذکور نے کس بے باکی اور جسارت سے اس کو کشف خوابیں اور جنگلیوں کا مذہب کہہ کر اس کا تمسخر اُڑایا ہے اور کس طرح وہ حدیث: ''وَلَعَنَ اٰخِرُ ھٰذہ الامۃ اَوَّلَھَا'' (ترمذی ج ۲ ص ۴۴، مشکوۃ ج ۲ ص ۴۷۰) کا مصداق بن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین!

(۸) ''اور علماء سُوء بھی ان کو تعلیم دیتے ہیں کہ اگرچہ دُور سے نہیں تو قبر کے اُوپر جا کر اگر پکارا جائے اور سفارشیں کروائی جائیں اور درخواستیں بھیجی جائیں تو مُردے سنتے جانتے ہیں۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ! ایسے غلط عقائد اور شرکیہ خیالات اور بدعیہ حرکات وسکنات سے بچائے۔ اگر اس قسم کے شرع میں جائز ہوتے تو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار مبارک پر جا کر کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سید الانبیاء علیہ السلام کی قبر مبارک کو ایسے کرتوتوں سے بچا کر رکھا ہے۔'' (بلفظہٖ شفاء الصدور ص ۱۰۶)

بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ ہم نے استشفاع عند القبر کی کچھ بحث اس پیش نظر کتاب میں اور کچھ تسکین الصدور طبع دوم میں کر دی ہے کہ کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ لیکن مؤلف مذکور کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ انہوں نے بیک جنبشِ قلم استشفاع عند القبر کے جواز کے قائلین کو علماء سوء کے زُمرہ میں شامل کر دیا ہے اور آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کون کون علماء اس مد میں آتے ہیں یا بالفاظِ دیگر کون اس شاہی فتویٰ کی زد سے بچ سکتا ہے؟ اور ملاحظہ کیجئے کہ کس سینہ زوری سے انہوں نے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے ایک جائز فتویٰ کو غلط عقائد، شرکیہ خیالات اور بدعیہ حرکات وسکنات میں جا داخل کیا ہے۔

(۹) مؤلف مذکور عنوان یوں قائم کرتے ہیں: ''باب پنجم: ملحدین ومبتدعین سماعِ موتی'' (شفاء الصدور ص ۱۰۷)

اس عنوان کے تحت انہوں نے بزعم خویش بعض فرقوں کی کچھ عبارات بھی نقل کی ہیں لیکن ان عبارات کا سماعِ موتی کے اس پہلو سے ہرگز کوئی تعلق نہیں جو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے درمیان نزاعی ہے، یہ سب کچھ مؤلف مذکور کے اپنے سوء فہم کا نتیجہ اور ان کی اپنی ذاتی کشید ہے مگر ان کا مقصد ان تمام غیر متعلق عبارات سے صرف یہ ہے کہ سماعِ موتی کا قائل ملحد اور مبتدع ہے جیسا کہ ان کے عنوان سے ظاہر ہے۔ مؤلف مذکور کے اس باطل نظریہ کے تحت آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کون کون حضرات ملحد اور مبتدع قرار پاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

فضول بھرتی اور اس کا رَد

مؤلف ندائے حق نے اپنی کتاب میں ص ۱۴۵ سے ص ۱۵۰ تک لفظ جمہور کا عنوان قائم کر کے خاصی بحث کی ہے جس میں انہوں نے ایک بات تو یہ کہی ہے کہ اولۃ الشرع تو چار ہیں مگر صاحب ''تسکین الصدور'' پانچویں بھی مانتے ہیں جو جمہور ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ کثرت کا کچھ اعتبار نہیں۔ اعتبار قوۃ کا ہے۔ ہمارے اُستاد مولانا خدا

بخش صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے، سوسنار کی ایک لوہار کی اُصولی قاعدہ مسلمہ ہے۔ ''العبرۃ للقوۃ لا للکثرۃ'' اور اللہ کا فرمان ہے: ''فمنہم مہتد و کثیر منہم فاسقون لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث وقال ولٰکن اکثر الناس لا یشکرون وقلیل من عبادی الشکور''

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الحق حق و ان قلّ ناصروہ والباطل باطل و ان کثر فقلوہ (تحفہ اثنائے عشریہ ص ۵۴) وقال ابراھیم الخواص یس العلم بکثرۃ الروایۃ و انما العالم من اتبع العلم و استعملہ واقتدٰی بالسنن و ان کان قلیل العلم (الاعتصام ج۱ ص ۹۷)

ان العلماء (اھل العلم والاجتھاد) ھم السواد الاعظم و ان قلوا والعوام المفارقون للجماعۃ ان خالفوا فان وافقوا فھو الواجب علیھم (ج ۲ ص ۲۶۶) کان سفیان الثوری یقول المراد بالسواد الاعظم ھم من کان من اھل السنۃ والجماعۃ ولو واحدًا کذا فی المیزان الشعرانی رحمہ اللہ (میانۃ ص ۳۰۸) قال الملّا سعد الرومی فی مجالس الابرار فلا بدّ ان تکون شدید التوقی من محدثات الامور و ان اتفق علیھا الجمھور فلا یغرنَّک اتفاقھم علٰی ما احدث بعد الصحابۃ بل ینبغی ان تکون حریصا علٰی التفتیش عن احوالھم واعمالھم فان اعلم الناس واقربھم الٰی اللہ اشبھھم بھم واعرفھم بطریقھم اذ منھم اُخذ الدین وھم اُصول فی نقل الشریعۃ عن صاحب الشرع وقد جاء فی الحدیث اذا اختلف الناس فعلیکم بالسواد الاعظم والمراد بہ لزوم الحقّ واتباعہٗ و ان کان المتمسک بہ قلیلاً و المخالف کثیرًا (میانۃ ص ۳۰۸) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ رفعہ یس الجماعۃ بکثرۃ الناس من کان معہ الحق فھو الجماعۃ و ان کان واحدًا (میانۃ ص ۳۱۰) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ و واثلۃ رضی اللہ عنہ بن الاسقع وانس رضی اللہ عنہ بن مالک قالوا یا رسول اللہ ما السواد الاعظم قال من کان علٰی ما انا علیہ و اصحابی (ص ۳۱۱) قال نعیم بن حماد اذا افسدت الجماعۃ فعلیک ما کانت علیہ الجماعۃ قبل ان تفسدوا ان کنت واحدک فانک انت الجماعۃ حینئذٍ (ص ۳۱۰) قال فضیل بن عیاض الزمُ طوق الھُدٰی ولا یضرّک قلۃ السالکین ایاک و طرق الضلالۃ ولا تغتر بکثرۃ الھالکین قال بعض السلف اذا وافقتَ الشریعۃ ولا خطت الحقیقۃ فلا تبال وان خالف رأیک جمیع الخلیفۃ قال الکرمانی مقتضی الامر بلزوم الجماعۃ انہ یلزم المکلف متابعۃ ما اجمع علیہ المجتھدون وھم المراد بقولہ وھم اھل العلم (ص ۳۳۵) قال القسطلانی فی کتاب الفتن والجماعۃ التی امر الشارع بلزومھا جماعۃ ائمۃ العلماء لان اللہ تعالٰی جعلھم حجۃ علٰی خلقہ۔۔۔ وقال آخرون ھم جماعۃ الصحابۃ۔۔۔ وقال آخرون ھم جماعۃ اھل الاسلام ما کانوا امجتمعین علٰی امرٍ واجب علٰی اھل الملۃ فاذا کان فیھم مخالف منھم فلیسوا امجتمعین

(میانۃ ص ۳۳۵)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرضیت جمعہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''اس سے اسی قدر مفہوم ہوتا ہے کہ اکثر علماء فرضیت فی المدینہ کے قائل ہیں اور بعض فرضیت فی المکہ کو تسلیم کرتے ہیں مگر یہ قاعدہ کسی کے ہاں مسلّم نہیں کہ درصورتِ اختلاف جس جانب اکثر ہوں، اس کو ہمیشہ دُوسری جانب سے قوی اور راجح مانا جائے گا۔ آپ تھوڑا سا تأمل کریں گے تو بہت سے نظائر ہر ایک مذہب میں آپ کو ملیں گے کہ علماء قولِ اکثر کو مرجوح اور دوسری

جانب کو راجح فرماتے ہیں...... تو کیا آپ بوجہ غربت اور مخالفت جمہور اس قسم کے مسائل کی تغلیط و تضعیف فرمائیں گے؟ یا بوجہ قوت دلیل اور صحت ماخذ ایک جانب کو دُوسری جانب پر ترجیح دینا حق فرمائیں گے، خواہ قول جمہور ہو یا قولِ غریب فماھو جوابکم فھوا جوابنا' (احسن القرای ص ۳۸)

''ناظرین سمجھ چکے ہوں گے کہ علماء حق کے ہاں جمہور کی کیا حیثیت ہے؟ جس کا نام لے لے کر عوام کو اہلِ حق کے خلاف ناجائز طریق سے اُکسایا جا رہا ہے، بھڑکایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ جمہور کی نہیں مانتے۔ اکابر کی نہیں مانتے یا سلف جمہور اور اکابر کے گستاخ ہیں۔ یہ حربہ بعینہٖ وہی ہے جسے بریلویہ اور شیعہ اہلِ حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔'' الیٰ ان قال ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

''پھر کمال تعجب یہ ہے کہ ناقلین کی نقل، نقل در نقل، در نقل در نقل پر جمہور کا نام دھر دیتے ہیں۔ یوں تو ہر دُوسرے سال جمہور کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ صاحب تسکین اور ان کے ہم خیال ہم نوالہ ہم پیالہ پندرہویں صدی میں سلف۔ اکابر جم غفیر اور جمہور اور سوادِ اعظم کہلائیں گے۔'' الیٰ قولہ: ''ہمارے اور آپ کے پیر و مُرشد حضرت مولانا حسین علی بھی کئی مسائل میں جمہور کے خلاف تھے۔ سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کئی مسائل میں جمہور کے خلاف تھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی کئی مسائل میں مخالفِ جمہور تھی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو خود صاحب تسکین مان چکے ہیں کہ جمہور کے خلاف ہے متقدمین و متاخرین علماء میں سے اکثر کے تفردات کتب میں درج ہیں۔ اگر جمہور بھی حجج شرعیہ میں سے کوئی حجت ہوتی تو یہ اکابر اپنا متفرد قول بیان نہ فرماتے اور اس کو اپنا مسلک نہ بناتے۔ اگر یہ جمہور کا قول شرعی حجت ہوتا تو اس کے مخالفین سب مورِدِ طعن بنتے۔ جس طرح اجماع و قیاس کے مخالفین مورِدِ طعن ہیں۔''

پھر آگے لکھا ہے کہ: ''اور اکثر ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ دوسرے عالم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تحقیق کو اپنی کتاب میں درج فرما دیتے تھے۔ اب اگر اتفاقاً پہلے عالم سے خطاء ہو چکی تھی تو وہی غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آئی اور اسی حُسنِ ظن پر آنے والے علماء اپنی اپنی کتب میں درج کرتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ وہی غلط قول مشہور ہو گیا۔ جیسے غلط العوام۔ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کثیرًا ما یقلد الساھون الساھین'' (فتح القدیر ص ۲۷۰) ابن نجیم فرماتے ہیں: ''وقد یقع کثیرًا اَنّ مؤلِّفًا یذکر شیئًا خطأً فی کتابہ فیاتی من بعد من المشائخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون لھا واصلھا ناقل مخطی'' (بحر الرائق ج ۶ ص ۱۸۵)

اب ناظرین سوچیں کہ جس جمہور پر اِترایا جا رہا ہے اس کی کیا حیثیت رہ گئی؟ بڑی محنت سے کھودا پہاڑ نکلا چوہا، پھر وہ بھی مرا ہوا۔ اب بھی جمہور کا نام لو گے؟'' (ندائے حق ملخصاً ص ۱۴۵ تا ۱۵۰)

الجواب: مؤلف ندائے حق نے مجذوبانہ انداز میں یہ جتنے حوالے پیش کیے ہیں، انہیں ایک بھی مفید نہیں بلکہ بعض ان کے سراسر خلاف ہیں اور ہمیں ایک بھی مضر نہیں ہے۔ یہ مؤلف مذکور کی کم فہمی اور قلت تدبر کا واضح نتیجہ ہے کہ خود دھوکے میں مبتلا ہوئے ہیں اور عوام الناس کو کمر باندھ کر دھوکا دینے کے در پے ہیں۔ ان کا ان عبارات سے اپنے مطلوب پر استدلال بالکل باطل ہے۔

اَوّلاً! اس لئے کہ ہم نے نہ تو یہ کہا ہے اور نہ ہمارا یہ مؤقف ہے کہ جمہور شرع کی پانچویں دلیل ہے۔ ادلۃ الشرع صرف چار ہیں لیکن ان ادلہ اربعہ میں سے جس دلیل کو جمہور بیان کرتے اور اس پر عمل کرتے چلے آئے ہوں اس کو کوئی بھی دیانت دار اور منصف مزاج عالم کبھی بھی جمہور زنبور کہہ کر ٹرخا تا بھی نہیں رہا اور نہ حضرات جمہور کے خلاف ایسے گندے الفاظ کسی نے زبان وقلم سے نکالے ہیں۔ یہی ہوا ہے کہ جمہور کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھ کر علمی طور پر دوسرے پہلو کو ترجیح دی ہے۔

ثانیاً: اس لئے کہ اگر ایک طرف محض کثرت ہو اور دُوسری طرف قوی دلیل ہو تو سر اور آنکھوں پر ہم اس اُصولی مسئلہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ: ''العبرۃ للقوۃ لاللکثرۃ'' اور یہی مقام ہے سونار کی اور ایک لوہار کی۔ مگر یقین جانئے کہ مسئلۂ سماعِ موتیٰ عند القبور اس مد میں ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ سماعِ موتیٰ کا اثبات صحیح اور صریح روایات سے ثابت ہے جس پر جمہور (اور بقول آپ کے زنبور۔ معاذ اللہ تعالیٰ) کا عمل ہے اور نفیٔ سماعِ موتیٰ کی ایک بھی آیت کریمہ یا صحیح وصریح حدیث موجود نہیں ہے۔ جس کی مفصل بحث اپنے مقام میں مذکور ہے لہٰذا قوتِ دلیل کا فیصلہ بھی جمہور کے حق میں ہے اور جمہور کی اکثریت اور تعامل اس پر مستزاد ہے۔

وثالثاً: اس لئے کہ قرآنِ کریم کی جتنی آیات اس مقام پر مؤلف مذکور نے اپنے استدلال میں بیان اور ذکر کی ہیں وہ بالکل غیر متعلق ہیں کیونکہ پہلی آیت میں ہدایت کے مقابلہ میں جس فسق کا ذکر ہے وہ کُفر ہے۔ اسلام اور کُفر، توحید اور شرک وغیرہ بنیادی مسائل ہیں حق متعیّن منصوص اور محکم ہے لہٰذا حق کے مقابلہ میں باطل پرستوں کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور مسئلۂ سماعِ موتیٰ کی ہرگز یہ پوزیشن نہیں ہے۔ اس میں قائلین اور مانعین دونوں طبقے مسلمان اور اہل السنت والجماعت سے وابستہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک طرف اکثریت اور جمہور ہیں اور دوسری طرف اقلیّت اور اُمّت میں گنے چنے چند افراد ہیں اور دُوسری آیت اس لئے کہ خبیث وطیّب میں حرام وحلال کا تقابل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مسلم قوم کی بدقسمتی سے کہیں حرام کی کثرت ہو جائے تو وہ حلال کی قِلّت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ حرام حرام ہے اور حلال حلال ہے اور سماعِ موتیٰ کا مسئلہ نفیاً واثباتاً اس طرز کا نہیں ہے، وہ ایک اختلافی مسئلہ ہے نہ کہ حرام وحلال کی کوئی حِسّی چیز۔ پھر مؤلف ہی ازرُوئے انصاف اور دیانت یہ فرمائیں (بشرطیکہ یہ دولت ان کے پاس ہو) کہ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کا کون سا پہلو خبیث اور کون سا طیّب ہے؟ اور ان میں سے کون سا گروہ خُبثاء کا اور کون سا طیّبین کا ہے؟ جرأت رندانہ اور جسارتِ مجذوبانہ تو ان کو حاصل ہے ہی جس طرح جمہور کو زنبور کہنے سے وہ نہیں چوکے یہاں بھی تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر بے لاگ اور بے لوث طریقہ سے ضرور خُبثاء اور طیّبین کے گروہ کی تعیین کرتے جائیں؟ کیونکہ ؎

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے — حُور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

اور تیسری اور چوتھی اس لئے کہ اختلاف اس میں یہ ہے کہ جہاں کسی مسئلہ کے دو پہلو ہوں اور دونوں پر مسلمانوں کے بڑے بڑے علماء عامل ہوں تو اکثریت اور جمہور کے پہلو کو دُوسرے پر ترجیح ہوگی۔ مؤلف مذکور ہی بتائیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم اور ایک گونہ عبادت ہے۔ کیا اس کی ناشکری کا پہلو بھی جائز اور مستحسن ہے تاکہ اس کا تقابل شکر گزاری سے کر کے ووٹوں کی گنتی کر کے اکثریت اور اقلیت کو متعین کیا جائے؟

اختلاف بڑی کثرت اور محض قلت میں نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں ہے جہاں جانبین مسلمان علماء اور خدا پرست ہوں۔ ایک طرف اکثریت ہو اور دوسری طرف اقلیت تو کس کا ساتھ دینا زیادہ مناسب ہے؟ اور یَدُ اللہ علی الجماعۃ کا مفہوم کس پر زیادہ صادق آتا اور کس پر چسپاں ہے؟

سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

ورابعاً: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت میں حق و باطل کے الفاظ صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ! اگر سماع موتیٰ کا مسئلہ سرے سے باطل ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ثبوت کیوں فراہم فرمایا؟ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اِس وقت تک اُمت کی اکثریت اس باطل پر کیسے جمی رہی؟ لہٰذا یہ حوالہ بھی مؤلف کو مفید نہیں ہے۔

وخامساً: حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ کا حوالہ بھی ان کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے اس لئے کہ یہاں افراد کی قلت اور کثرت کا تقابل نہیں بلکہ ایک ہی شخص میں کثرت روایت اور قلت علم کی صفت کا بیان ہے۔ یعنی اگر ایک شخص کے پاس کثرت سے روایتیں تو نہیں بلکہ وہ قلیل العلم ہے مگر اپنے علم کے بموجب عمل کرتا اور سُنن کی اقتداء اور پیروی کرتا ہے تو وہی صحیح معنیٰ میں عالم ہے، نہ وہ کہ اُس نے کتابوں کے انبار تو جمع کر دیئے ہوں مگر عمل کا صفر ہو، جو کمثل الحمار یحمل اسفارًا کا مصداق ہے اور اس میں اقتدیٰ بالسنن کا جملہ صاف طور پر اس کا مقتضی ہے کہ مثلاً وہ سماع موتیٰ کی حدیثوں کا قائل ہے اور اُن کی پیروی کرتا ہے اپنی ناقص رائے اور نارسا عقل کی کسوٹی پر ان کو نہ پرکھے اور نہ ان کی غلط اُور دُور از کار تاویلات کرے جیسا کہ نیلوی صاحب کا یہ محبوب مشغلہ ہے۔

وسادساً: اس لئے کہ سواد اعظم کی تعریف میں علماء اور اہل السنت والجماعۃ کا تذکرہ ہے اور ان کا تقابل عوام سے ہے جو جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے الگ اور اہل سنّت کے راستہ کے خلاف ہو، ہمارا بھی اس پر صاد ہے لیکن مسئلۂ زیر بحث میں اہل السنت اور اہلِ بدعت کا اور علماء اور عوام کا تقابل نہیں ہے بلکہ علماء کا علماء سے اور اہل السنت کا آپس میں اختلاف ہے۔ اس لئے یہ حوالہ بھی اُن کو سُود مند نہیں ہے۔

وسابعاً: مجالس الابرار کا حوالہ بھی غیر متعلق ہے کیونکہ اس میں ان بدعات اور محدثات الامور کا ذکر ہے۔ جن پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جہالت اور نفس پروری کی وجہ سے اکثریت کا تعامل ہو۔ ایسے مواقع پر سواد اعظم اور التزام حق کی پیروی کا سبق دیا گیا ہے اور یہ بات بالکل حق ہے۔ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کی پیداوار نہیں بلکہ اُسی دَور کا ہے اور صحیح صریح اور مرفوع احادیث سے ثابت ہے اور بجز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے (اگر معقول طریقہ سے اُن کا قول ثابت ہو جائے تب) جو فہم صحابی حجّت نہیں، کے تحت داخل ہو کر قابلِ عمل نہیں اور خود مؤلف ''ندائے حق'' نے (ص ۱۴۴، ۱۴۵) میں فہم صحابی کا عنوان قائم کر کے اس پر بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ: ''راوی صحابی کا فہم معتبر نہیں'' اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ یہ مسئلہ محدثات الامور کی مد میں ہے۔

وثامناً: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت بھی مؤلف مذکور کو سود مند نہیں کیونکہ اس میں حق کا لفظ ہے جو باطل کے مقابل اطلاق ہوتا ہے اور مسئلۂ زیر بحث میں حق و باطل کا نزاع نہیں بلکہ صواب وخطاء کا اختلاف ہے کیونکہ مختلف فیہا اور اجتہادی اور فروعی مسائل کا اہلِ حق کے ہاں یہی مقام ہوتا ہے، قطعی حق اور قطعی باطل کا معاملہ

یہاں نہیں ہوتا۔ اسی طرح سوادِ اعظم کی تفسیر میں ما انا علیہ و اصحابی کا ارشاد بھی بجا ہے اور ہمارے حق میں ہے کیونکہ سماعِ موتی کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور آپ کے حضرات صحابہ کرام ﷡ سے ثابت ہے۔ بجز حضرت عائشہ ﷝ کے کہ وہ اس میں متفرد ہیں اور فہم صحابی حجت نہیں ہے، اس لئے یہ حدیث بھی جمہور کی تائید میں ہے نہ کہ تردید میں۔ نعیم بن حماد ﷫ کے قول کہ جب جماعت ساری بگڑ جائے تو اکیلا جماعت ہے، کا یہ مطلب ہے کہ اگر بالفرض ساری جماعت بھی حق چھوڑ دے تو پھر تو اکیلا جماعت ہے۔ یہاں نہ کسی نے حق چھوڑا ہے نہ جماعت بگڑی ہے بلکہ حق پر قائم ہے، اسی طرح حضرت فضیل بن عیاض ﷫ کا قول بھی ہمیں مضر نہیں۔ کیوں اس میں ہدایت اور ضلالت کا تقابل ہے اور بصورت گمراہی ہلاک ہونے والوں کا ذکر ہے اور اس کا بھی تذکرہ ہے کہ جب تیری رائے شریعت اور حقیقت کے موافق ہو تو پھر ساری مخلوق کی مخالفت کی بھی پرواہ نہ کر اور یہ مسئلہ اس رنگ کا نہیں ہے۔ یہ شریعت و حقیقت کے بھی موافق ہے اور اس میں اکثر مخلوق کی موافقت بھی ہے نہ کہ مخالفت اور علامہ کرمانی ﷫ کا ارشاد بھی درست ہے کہ لزومِ جماعت کے امر کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مکلف مجتہدین کے اجماعی مسائل کا پابند ہو اور وہی اہلِ علم ہیں۔ آگے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب ﷫ کے حوالہ سے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کہ سماعِ موتی کے مسئلہ میں اماموں میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں جنہوں نے اس کے خلاف کہا ہے، ان کی بات غلط ہے۔ لہٰذا سماعِ موتی کا قائل مجتہدین حضرات کا پیرو ہے۔ اسی طرح علامہ قسطلانی ﷫ کے ارشاد میں جماعت کے مفہوم سے ائمۃ العلماء، جماعت الصحابہ ﷡ اور جماعت اہل الاسلام مراد لی گئی ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں تمام اہل اسلام کا اجماع و اتفاق تو نہیں مسئلہ اختلافی ہے لیکن ائمۃ العلماء، جماعت الصحابہ ﷡ اور جماعت اہل الاسلام کی اکثریت کا یہی مسلک ہے۔

وتاسعاً (۹): حضرت شیخ الہند ﷫ کا ارشاد بھی صحیح ہے وہ جمہور اور اکثریت کے قول کو تسلیم کر کے راجح و مرجوح کا فرق اور لفظ ہمیشہ تحریر فرما کر اسے بیان فرماتے ہیں جو ایک خالص علمی اور تحقیقی بات ہے۔ حضرت شیخ الہند ﷫ مؤلف مذکور تو اس مسئلہ میں سرے سے اختلاف ہی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ: ''اور عدم سماعِ موتی پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔''

''پس مطلب حل ہو گیا کہ سب صحابہ کا عدمِ سماعِ موتی پر اجماع ہے۔'' (ص ۱۵۱) لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

اور پھر یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ جب اکثریت اور جمہور کا قول جو محض قیاسی اور اجتہادی ہی نہ ہو بلکہ اس کا مبنیٰ اور بنیاد صحیح صریح اور مرفوع احادیث پر قائم ہو تو اس کو کیسے مرجوح قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب کہ بعض حضرات فقہاء کرام ﷭ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جب مسئلہ اور حادثہ میں حضرات ائمہ ﷭ سے کچھ منقول نہ ہو اور حضرات متاخرین ﷭ میں اختلاف ہو تو اکثر کے قول پر عمل ہو گا۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ﷫ ''الحاوی'' للقاضی جمال الدین احمد بن نوح القابسی الغزنوی ﷫ (المتوفی فی حدود ۶۰۰ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ''و ذکر فی الحاوی ایضاً اذا لم یوجد فی الحادثۃ عن واحد من ائمتنا جواب ظاھر و تکلم فیہ المشائخ المتأخرون قولاً واحداً یوخذ بہ فان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین ممن اعتمد علیہ کابی حفصٍ و ابی جعفر و ابی اللیث و غیرھم ممن یعتمد علیہ'' (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص ۱۳)

ترجمہ: ''حاوی'' میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب کسی حادثہ میں ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ سے کوئی جواب ظاہر نہ ہو اور اس میں مشائخ متاخرین رحمہم اللہ نے کلام کیا ہو اور ان کا صرف ایک ہی قول ہو تو اس کو لیا جائے گا اور اگر انہوں نے اختلاف کیا ہو تو پھر اکثر حضرات کا، جن پر اعتماد کیا گیا ہو قول لیا جائے گا۔ مثلاً امام ابوحفص رحمہ اللہ امام ابوجعفر رحمہ اللہ اور امام ابواللیث رحمہ اللہ وغیرہم جو قابلِ اعتماد حضرات ہیں۔

اور شارح مواقف ایک آیت کی دو تفسیریں نقل کرتے ہیں اور پھر آخر میں فرماتے ہیں: ''والمعتمد هو قول الاکثرین'' (شرح مواقف ص ۱۶۷، طبع نولکشور لکھنؤ)

الغرض اختلافی مسائل میں اکثریت اور جمہور کے قول کو اگر معمول بہ ضروری بنایا جائے اور کسی معقول اور قوی وجہ سے اس کے مدمقابل قول کو لیا جائے، تب بھی جمہور کو زنبور کہہ کر ان کو ہدفِ ملامت بنانا بھی تو کسی عالم کا کام نہیں ہے۔

وعاشراً (۱۰): مؤلف ندائے حق کا یہ کہنا کہ: ''ناظرین کرام سمجھ چکے ہوں گے کہ علماء حق کے ہاں جمہور کی کیا حیثیت ہے۔'' سو گزارش ہے کہ ناظرین کرام بحمد اللہ تعالیٰ بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ جمہور کی حیثیت اختلافی مسائل میں بڑی مستحکم ہے اور ان کی خدمات اور حق پسندی قابل صد تحسین ہے۔ جمہور کو اہلِ حق کے مقابلہ میں لا کھڑا کرنا اور ان کو اہلِ حق سے نکال دینا اور پھر جمہور کے طریق کو ناجائز سے تعبیر کرنا اور سلف و جمہور اور اکابر کا مذاق اُڑانا اور پھر جمہور کو بریلویہ اور شیعہ سے تشبیہ دے کر دِل ماؤف کی بھڑاس نکالنا اور اس پر موج میں آ کر ''نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن''...... چسپاں کر کے جمہور کے منصور مسلک کو ایک گونہ کفر سے تعبیر کرنا پرلے درجہ کی شقاوت قلبی اور خود رائی ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من سوء الفهم!

(۱۱) مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ: ''ناقلین کی نقل نقل در نقل در نقل در نقل پر جمہور کا نام دھر دیتے ہیں۔ یوں تو ہر دوسرے سال جمہور کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔'' ان کے باطن اور ذہن کی غمازی کرتا ہے کہ جمہور کی کثرت اور تعداد میں اضافہ ہی سے مؤلف مذکور نالاں اور بے بس ہو کر جمہور کو جلی کٹی سنا رہے ہیں۔ مشہور کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ محترم! اگر گزشتہ چودہ صدیوں میں جمہور اور اکثریت کی معیت بحمد اللہ تعالیٰ صاحب تسکین کو حاصل ہے۔ پندرھویں صدی کے لوگوں کو بھی سلف، اکابر، جمِ غفیر، جمہور اور سوادِ اعظم پیروی نصیب ہو جائے تو یہ ان کی سعادت اور نیک بختی ہوگی اور جلنے والوں کی حرماں نصیبی ہوگی۔ مگر کوئی کیا کر سکتا ہے۔ جب کہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

بلا شبہ ہمارے پیر و مرشد قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اور شیخ الہند رحمہ اللہ اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے اپنے علم اور تحقیق کی بناء پر اپنے تفردات کو بھی لیا ہے مگر یقین جانئے کہ نہ تو انہوں نے جمہور کو زنبور کہا ہے اور نہ اُن کا مذاق اُڑایا ہے اور نہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ علماء حق کے ہاں جمہور کی حیثیت کیا ہے؟ محترم! جس ڈگر پر آپ اور آپ کے بعض ضدی حواری چل رہے ہیں، یہی کُتب اسلامیہ پر سے کلیۃً اعتماد اُٹھانے اور جمہور کو نا معتبر سمجھنے کا وہ راستہ ہے جسے اسلام کے کھلے مخالف بھی شاید سرانجام نہ دے سکیں جمہور حجج شرعیہ تو نہیں مگر حجج شرعیہ پر گامزن ضرور ہیں۔ کسی مسئلہ میں ان کے خلاف قول اختیار کرنے والے حضرات اگر علمی اور تحقیقی طور پر فروعی مسائل میں بزعم خود کسی قوی دلیل کے پیشِ نظر اپنے قول اور رائے پر عامل ہیں تو معذور ہو سکتے

ہیں لیکن اگر وہ مخلص ہوائے نفسانی اور تحزب وتعصب کا شکار ہو کر ایسا کرتے ہیں تو یقیناً وہ موردِ طعن ہیں۔

(۱۲) مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ: ''اکثر ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دوسرے عالم کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تحقیق کو اپنی کتاب میں درج فرما دیتے تھے۔ اب اگر اتفاقاً پہلے عالم سے خطا ہو چکی تھی تو وہی غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آئی۔'' سوعرض یہ ہے کہ سماع موتی عندالقبور کا مسئلہ نہ کسی پہلے عالم کی خطا اور غلطی ہے اور نہ پچھلوں کی نقل در نقل میں غلطی اور خطاء واقع ہوئی ہے۔ یہ مسئلہ اس نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے جن کی بات میں سرے سے غلطی اور خطاء کا احتمال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (کیونکہ جہاں اجتہادی مسائل میں خطا اور ذِلت صادر ہوتی رہی وہاں منجاب اللہ تنبیہ نازل ہوتی رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاء پر باقی نہیں رکھا گیا مگر اس مسئلہ کی یہ حیثیت نہیں ہے) حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے درست اور صحیح ہیں مگر اس مسئلہ سے غیر متعلق ہیں جیسا کہ بالکل واضح ہے۔ مؤلف مذکور بزعم خود دُشوار گزار مورچہ سر کر کے یوں گوہر افشانی کرتے ہیں کہ: ''اب ناظرین سوچیں کہ جس جمہور پر اِترایا جارہا ہے، اُس کی کیا حیثیت رہ گئی۔ بڑی محنت سے کھودا پہاڑ نکلا چوہا، پھر وہ بھی مرا ہوا۔ اب بھی جمہور کا نام لو گے؟'' بلفظہٖ!

ناظرین کرام! خود انصاف فرمائیں کہ حضرات جمہور کے ساتھ اس سے بڑھ کر بھی کیا کوئی تمسخر ہو سکتا ہے؟ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہئے کہ جمہور پر اعتماد کرنا اور ان کی بلند اور مضبوط حیثیت کو تسلیم کرنا اور ان کی علمی اور تحقیقی کارروائیوں پر دل سے یقین کرنا اور اُن کا ساتھ دینا سونے پر سہاگہ ہے اور آپ کی غیر متعلق باتوں کو نقل کرنے سے اُن کی حیثیت میں رَتی بھر فرق نہیں آیا اور کوئی بھی خدا ترس اور منصف مزاج عالم جمہور کا دامن نہیں چھوڑ سکتا اور بھلا جمہور کو چھوڑ کر جا بھی کہاں سکتا ہے؟ کیونکہ جمہور زندہ باد۔ جمہور زندہ باد۔

فائدہ: (مؤلف مذکور نے بزعم خویش ''الاعتصام'' سے مفید مطلب حوالہ تو نقل کر دیا ہے، اگر وہ ذیل کا حوالہ بھی نقل کر دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا اور خواص وعوام سب کو اس سے فائدہ ہوتا۔

چنانچہ اس میں لکھا ہے: ''اذا ثبت ان الحق هو المعتبر دون الرجال فالحق ايضاً لا يعرف دون وسائطهم بل بهم يتوصل اليه وهم الادلاء على طريقه''

(الاعتصام ج ۲ ص ۳۱۶، للامام ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی الغرناطی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۹۰ھ)

ترجمہ: ''جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اعتبار حق کا ہے رجال کا نہیں، تو یہ بات بھی ہے کہ حق ان رجال کے واسطہ کے بغیر پہچانا نہیں جاسکتا بلکہ انہی کی بدولت حق تک رسائی ہوتی ہے اور وہی حق کے راستہ کے راہ نما ہیں۔''

یعنی جو شخص رجال علم کے واسطہ کے بغیر حق تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس غلطی پر ہے، کیونکہ ایسے ہی رجال علم حق تک رسائی کا ذریعہ اور واسطہ ہیں اور ان کے بغیر حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس کہ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے ظاہر کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

(۱۳) مؤلف مذکور بزعم خویش حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو منکرِ سماع موتی تصور کر کے بڑی موج میں آکر لکھتے ہیں کہ: ''دراصل امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی فطرت سلیمہ اور تحقیق جانتی تھی کہ شرک میں داخل کرنے والا سب سے بڑا گیٹ مسئلہ سماع موتی کا ہے۔ اگر پکارنے والے اور نذر ونیاز دینے والے کو یقین ہو جائے کہ یہ میری پکار کو نہیں سُن سکتا تو پکارے کیوں؟'' (شفاء الصدور ص ۱۷)

اور کتاب ''شفاء الصدور'' کا تعارف کرانے والے بزرگ حقیقت بالکل مسخ کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ: ''مثلاً عدم سماع موتی کی بحث میں اس جسم کے سماع کا قول عنا کر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت کرنا یا اختلاف مابین الائمہ رحمہم اللہ اس جسم کے بارے کہنا دین پر کتنا ظلم ہے۔ حالانکہ اس جسم کے سماع کا کوئی امام بھی قائل نہیں اور نہ اختلاف کی یہ حقیقت ہے۔'' (بلفظہٖ شفاء الصدور ص ۱)

آپ اس کتاب میں اِن شاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ کریں گے کہ سماع موتی کے سلسلہ میں جسمِ عنصری کا باقاعدہ تعلق ہے اور کوئی امام بھی سماعِ موتی کا منکر نہیں۔ خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اُمتِ مسلمہ کی اکثریت سماعِ موتی کی قائل ہے اور اس گیٹ سے بھی گزرے ہیں مگر یقین جانئے کہ ان میں کوئی بھی مُشرک نہ تھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ سب کے سب مؤحد اور متبع سنت تھے اور یہ اس اَمر کی واضح دلیل ہے کہ محض سماعِ موتی کا مسئلہ شرک کا براہِ راست ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اس شرط کے ساتھ شرک کا ذریعہ بنتا ہے کہ جب اس کے ساتھ شرک و جہالت کی آمیزش ہو جو ایک خارجی اَمر ہے اور ایک خارجی اَمر کو ساتھ ملا کر اس کو شرک بنانے کے بجائے یہ بہت زیادہ قرینِ انصاف ہے کہ حضرات سلف وخلف رحمہم اللہ کو شرک کی زد سے بچایا جائے اور ان کی خیر خواہی اور ان سے حُسنِ ظن بھی ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۱۴) سماعِ موتی کے بارے میں چونکہ نصوص قطعیہ تو ہاتھ پلّے میں نہیں تھیں۔ کیونکہ قرآنِ مجید نے تو جہاں بھی تذکرہ کیا تو یوں فرمایا کہ مُردے نہیں سنتے۔ (نہ معلوم یہ کس قرآن مجید میں ہے کہ مُردے نہیں سنتے؟ معاف رکھنا قرآنِ کریم میں تو زندہ کافروں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ صُمٌّ م بُکمٌ ہیں اور نیز آیا ہے کہ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ مُردوں کے بارے میں تو کہیں نہیں آیا کہ وہ نہیں سنتے۔

مؤلف مذکور کی یہ کتنی کھلی جسارت ہے کہ وہ قرآنِ کریم میں بھی تحریف کرنے سے باز نہیں آئے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ فوا اسفا۔ صفدرؔ) تُو نہیں عنا سکتا۔ تمہاری پکاروں کو نہیں سنتے۔ پھر احادیث کی طرف دوڑے تو وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ (آپ اسی کتاب میں ملاحظہ کر لینا کہ احادیث میں کچھ ملا ہے یا نہیں۔ صفدرؔ) بغیر معجزات اور خوارق عادات کے تو پھر ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے جواب آیا (اس سے ثابت ہوا کہ مُردے سنتے بھی ہیں اور اندر سے جواب بھی دیتے ہیں۔ صفدرؔ) کہ لعنت ہو اُس پر جو یہ عقیدہ رکھے کہ مُردے سنتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ''مُردے نہیں سنتے'' ''تُو نہیں عنا سکتا۔'' بلفظہٖ (شفاء الصدور ص ۱۰۶)

آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ مؤلف مذکور نے کس طرح حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر صریح بہتان باندھا ہے اور معاذ اللہ تعالیٰ ان کے ذمہ قرآنِ کریم کی تحریف لگا دی ہے کہ قرآن میں ہے کہ: ''مُردے نہیں سنتے'' اسی کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ سماعِ موتی کے بارے میں صریح اور صحیح روایات اور احادیث موجود ہیں اور خود حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ اور اسلامی دُنیا کی کیسی بڑی بڑی شخصیتیں سماعِ موتی کی قائل ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ مؤلف مذکور کے اس شاہی فتویٰ کے رُو سے یہ لعنت کن کن ائمہ کرام اور اسلام کی کن کن عظیم شخصیتوں پر پڑتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۱۵) ''لیکن موٹی بات۔۔۔ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ مثلاً پاکستان کے مُردے شادی بیاہ کرتے ہیں اور گورستان میں رات کو نکل کر (اپنی قبروں سے) جو قریب ہوٹل ہوتے ہیں ان میں آ کر چائے پیتے ہیں۔ حوضوں

اور تالابوں میں نہاتے ہیں یا کوئی کہہ دے کہ میں نے کئی مُردوں کو دیکھا ہے کہ موٹر سائیکل چلاتے ہیں۔ کیا ایک مولوی مدرّس دیوبندی عاقل بالغ باہوش وحواس یہ بات مان لے گا؟ جس طرح یہ چیزیں محال ہیں، مُردوں کا سماع بھی اسی طرح محال ہے۔ صحیح ثابت نہیں ہے پھر دوبارہ کہہ دیتا ہوں کہ معجزہ خرقِ عادت کرامت کو بحث میں نہ لانا۔''

(شفاء الصدور ص ۱۰۵)

مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ محال کسی تقدیر اور کسی صورت میں ثابت نہیں ہوتا، لیکن حیرت ہے مؤلف مذکور پر کہ ایک طرف تو وہ بار بار لفظ محال بولتے ہیں اور دوسری طرف اہلِ حق کی گرفت کے ڈر سے بچنے کے لئے معجزہ، خرقِ عادت اور کرامت کو مستثنیٰ بھی کر جاتے ہیں۔ جب ایک چیز فی نفسہٖ محال ہے تو ان اُمور کو الگ کرنے کا کیا معنیٰ؟ لیکن مؤلف مذکور بے چارے مجذوب بھی ہیں۔ جب وہ ایک چیز کی طرف اپنے ذہن کو مرتکز کرتے ہیں تو باقی چیزیں ان کے ذہن سے بالکل نکل جاتی ہیں۔ کہنے والوں نے کب یہ کہا ہے کہ عادۃً قبروں سے مُردے نکل کر یہ کارروائیاں کیا کرتے ہیں۔ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ کرامت اور خرقِ عادت کے طور پر کہیں ایسا ہوا اور اس کا واضح اور ٹھوس ثبوت ہو تو اس کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ علاوہ ازیں مؤلف مذکور کا عدم سماعِ موتیٰ کو اس پر قیاس کرنا ایک تو نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جو مردُود ہے۔ (آگے اِن شاء اللہ تعالیٰ صحیح حدیثیں آ رہی ہیں کہ مُردے سلام وغیرہ سنتے ہیں) اور دُوسرا یہ قیاس مع الفارق بھی ہے۔ اس لئے کہ قبور سے نکل کر ہوٹلوں میں چائے پینا یا حوضوں اور تالابوں میں چھلانگیں لگا کر نہانا اور بیاہ شادی وغیرہ کرنا خاصی نقل وحرکت کو چاہتا ہے اور عند القبر سماع میں ان کو ایک چھلانگ بھی قبر سے باہر نہیں لگانی پڑتی وہ لیٹے لیٹے ہی سُن سکتے اور سُن لیتے ہیں۔ لہٰذا ایسے عقلی ڈھکوسلوں سے ثابت شدہ مسائل کا انکار کرنا علم وانصاف سے کوسوں دُور ہے اور دہریوں اور نیز بد مذہبوں کے لئے دینی مسائل میں لب کشائی کے غلط مواقع پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔

(۱۶) ''ان حوالہ جات میں دیوبندی حضرات کے حوالہ جات بھی درج کر دیئے ہیں محض اس لئے کہ بعض حضرات ایسے شریف الطبع ثابت ہوئے ہیں کہ محض عناداً کہہ دیتے ہیں کہ اہل دیوبند کا عقیدہ عدم سماعِ موتیٰ کا نہیں ہے۔ بھلا حنفی مسلک بھی ہو اور سماعِ موتیٰ کا قائل ہو ؎

ایں خیال است ومحال است وجنوں'' (بلفظہٖ ص ۱۷)

آپ اس کتاب میں ملاحظہ کریں گے کہ حضرات احناف رحمہم اللہ میں کتنے جلیل القدر بزرگ فقیہ اور علماء دیوبند میں کتنے اکابر مسئلہ سماعِ موتیٰ کے واشگاف الفاظ میں قائل ہیں۔ حنفی دیوبندی بھی ہیں اور مسئلہ سماعِ موتیٰ کے بھی قائل ہیں۔ خدا معلوم مؤلف ''شفاء الصدور'' علم وتحقیق کی کس دُنیا میں بستے ہیں؟ مؤلف مذکور نے اپنی کتاب میں غیر متعلق اور اُدھورے حوالے نقل کر کے اس اَمر پر سارا زور صرف کیا ہے کہ مُردے نہیں سنتے اور بعض حوالوں میں صراحۃً قطع وبرید بھی کی ہے اور اپنے مدعٰی کو ثابت کرنے کے لئے بزعم خویش پہلے سترہ (۱۷) قاعدے بیان کئے ہیں تا کہ ان کی روشنی میں ان کی ہم نوائی کا کام آسان ہو۔ چونکہ براہِ راست کسی صریح دلیل سے مطابقی طور پر عدم سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ثابت کرنا بڑا مشکل تھا، اس لئے ان کو اس کے منوانے کے لئے پہلے سترہ (۱۷) قواعد وضع کرنے پڑے اور سترہ (۱۷) سیڑھیاں لگا کر مدعٰی ثابت کرنے کی ہمت کی۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں:

فائدہ: ''ہم نے یہ قواعد اپنے اہل علم حضرات کی خدمت میں اس لئے پیش کئے ہیں کہ ان کو پڑھ کر مسئلہ عدم سماع موتی کو ان مذکورہ ضوابط وقواعد کے ماتحت سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ شتر بے مہار کی طرح نہ خود چلیں اور نہ کسی کو چلائیں۔ اکابرین کے نام پر دین فروشی شیوۂ اہل حق نہیں ہے۔'' (بلفظہٖ ص۹)

اس سے معلوم ہوا کہ عدم سماع موتی کا شتر بے چارہ بغیرہ ستر ہ (۱۷) لگامیں دیئے چلنے ہی سے رہا۔ ہم مؤلف مذکور سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس مفید نصیحت پر ضرور غور اور عمل کریں کہ اکابرین کے نام پر دین فروشی شیوۂ اہل حق نہیں ہے۔ سچ ہے ؎

جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے

اس کے بعد مؤلف مذکور نے باب اوّل میں اپنے زعم کے موافق بارہ آیتیں پیش کی ہیں جن سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مُردے نہیں سنتے۔ لیکن یقین جانئے کہ ان میں سے ایک بھی ان کے دعویٰ کی دلیل نہیں ہے۔ اصل بات جو قرآنِ کریم میں ہے اور جس کا مؤلف مذکور کے دعویٰ سے کچھ تعلق ہے۔ وہ یہ ہے: ''اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی'' یعنی بلاشبہ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ سماع اور شے ہے جس کے در پے مؤلف مذکور ہے اور اسماع اور ہے، اس کی بقدرِ ضرورت بحث اسی کتاب میں اپنے مقام پر اِن شاء اللہ تعالیٰ آرہی ہے۔ پھر اس کے بعد مؤلف مذکور نے باب دوم میں عدم سماع موتی کے اثبات پر چودہ حدیثیں پیش کی ہیں اور یہ بہ جبر اور بزوران سے سیڑھیاں لگا لگا کر اپنا مطلب ثابت کیا ہے لیکن اس کشید سے نہ تو ان کا یہ مدعٰی ثابت ہوتا ہے اور نہ ان احادیث میں سے ایک حدیث بھی ان کی صراحت سے دلیل ہے اور خود مؤلف مذکور کو اس کا گہرا احساس ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''باقی رہا ایک خدشہ کہ ان میں کوئی صریح روایت نہیں جس میں لکھا ہو کہ مُردے نہیں سنتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایک اَمر بدیہی کے لئے اگر کوئی دلیل بیان نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔'' (شفاء الصدور ص ۳۵ طبع اوّل)

سوال یہ ہے کہ جب عدم سماع موتی اَمرِ بدیہی ہے تو مؤلف مذکور کو اس پر دلائل جمع اور پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر اکابر علماء کا اس میں اختلاف کیوں ہے؟ کیا ایک بدیہی بات میں بھی اتنا اور اس قدر اختلاف ہوتا ہے؟ اور پھر کیا وجہ ہے کہ تقریباً چودہ سو سال سے یہ بدیہی مسئلہ حل نہیں ہو سکا؟ اور پھر ایک بدیہی مسئلہ میں عامۃ المسلمین کے ذہن کو آپ نے کیوں پریشان کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مؤلف مذکور نرے مجذوب ہیں۔ ناتمام حوالے جمع کرنے اور بزوران سے مطلب کشید کرنے اور غلط بات پر اصرار کرنے کے سوا ان کا کوئی کمال ہی نہیں ہے۔

مؤلف مذکور اپنی دوسری کتاب (ندائے حق ص ۱۵۱) میں لکھتے ہیں: ''اور اگر حق سمجھا (دلیل عائشہ رضی اللہ عنہا کو) تو یہ صحابہ کا سکوت بطور ندامت کے تھا کہ کیسے صاف صاف قرآنِ پاک میں سماع موتی کی نفی وارد ہے (کسی ایک آیت کریمہ میں سماع موتی کی نفی وارد نہیں، چہ جائیکہ صاف صاف ہو۔ اسماع کی نفی الگ حقیقت ہے، بحث اِن شاء اللہ تعالیٰ آرہی ہے۔ صفدرؔ) مگر ہمارے ذہن میں ڈھول ہوگیا۔ مارے شرمندگی کے خاموش ہوگئے اور اس مسئلہ میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوگئے'' ''اور عدم سماع موتی پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا۔'' (بلفظہٖ)

مؤلف مذکور نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسئلہ عدم سماع موتی پر اجماع کا جو دعویٰ کیا ہے، یہ سراسر جھوٹ اور خالص افتراء اور نرا بہتان ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تا ہنوز اس مسئلہ میں اختلاف چلا

آرہا ہے۔ لیکن مؤلف مذکور کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ وہ اپنے باطل دعویٰ کے لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت کو کس طرح ذھول کا طعنہ دے کر اور ان پر شرمندگی کا داغ لگا کر مطلب براری کر رہے ہیں۔ واضح دلائل کے ساتھ یہ ثابت ثابت ہے کہ جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سماع موتی کے قائل تھے، وہ آخر دم تک قائل رہے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی رجوع نہیں کیا۔ اس کے برعکس فتح الباری کے حوالہ سے یہ روایت آگے بیان ہوگی۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع موتی کی قائل ہوگئی تھیں اور اس مسئلہ میں وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت سے مل گئی تھیں۔

کیا سماعِ موتی معتزلہ کا مذہب ہے؟

مؤلف ندائے حق اپنی فہرست مضامین میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ ''سماع موتی دراصل معتزلہ میں سے ایک گروہ صالحیہ کا مذہب ہے'' اور اس عنوان پر وہ اپنی کتاب کے (ص ۱۲۷) میں یوں گوہرافشانی کرتے ہیں:

''معتزلہ میں سے صالحیہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ میّت (مُردہ) جانتا بھی ہے اسے قدرت بھی ہے۔ اس کا اِرادہ بھی ہوتا ہے۔ سُنتا دیکھتا بھی ہے۔ (شرح المواقف) تو اَب اس اعتبار سے سماع الموتی کی اضافت بھی درست ہوگئی اور مُردوں کا سننا بھی درست ہوگیا۔ بس تھوڑی سی کل مروڑنے کی کسر ہے۔ مذہب اہل السنت والجماعت سے ہٹ کر مذہب صالحیہ اختیار کرلیا۔ عقیدہ پختہ ہوگیا عقدہ حل ہوگیا۔ اللہ اللہ خیر سلاّ۔'' (بلفظہٖ)

الجواب: اس کو کہتے ہیں۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ مؤلف مذکور کو ماشاء اللہ تعالیٰ سمجھ سے تو کوئی سروکار ہی نہیں۔ بس مجذوبوں کی طرح کچھ کہنے کے عادی ہیں۔ دعویٰ و دلیل میں مطابقت اور بات کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہم عرض کئے دیتے ہیں کہ معتزلہ کے فرقہ صالحیہ نے کیا کہا؟ اور ان کا ہم نوا کون ہے؟ آیا اہل السنت والجماعت یا مؤلف مذکور، اور ان کے حقیقت نا آشنا گرضدی اور ہٹ دھرم حواری!

مواقف اور اس کی شرح میں ہے: ''الصالحیۃ اصحاب الصالحی و من مذھبم انھم جوّزوا قیام العلم والقدرۃ والارادۃ والسمع والبصر بالمیّت ویلزمھم جواز ان یکون الناس مع اتصافھم بھذہ الصفات امواتا وان لا یکون الباری تعالٰی حیّاو جوّزوا خلو الجوھر عن الاعراض کلھا'' بلفظہ

(شرح المواقف ص ۷۵۰، طبع نولکشور لکھنؤ)

''صالحیہ فرقہ صالحی کے پیروکار ہیں اور ان کا مذہب یہ ہے کہ انہوں نے علم وقدرت اور اِرادہ اور سمع اور بصر کا قیام میّت سے جائز رکھا ہے اور ان پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ یہ جائز سمجھیں کہ لوگ ان صفات کے ساتھ موصوف ہوکر بھی مُردے ہوں اور یہ کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) باری تعالیٰ زندہ نہ ہو اور انہوں نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ جوہر تمام اعراض سے خالی ہو۔''

معتزلہ کے صالحیہ فرقہ کا یہ غیر معقول مسلک ہے کہ قبر میں اعادۂ روح اور زندہ کئے جانے کے بغیر ہی محض بے جان دھڑ اور جسد کو عذاب ہوتا ہے اور منکر ونکیر کے سوال کو وہ سنتا اور جواب دینے کا اِرادہ کرتا اور پھر جواب دینے پر قدرت رکھتا اور فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ قاضی عضد الدین ایجی رحمہ اللہ اور علامہ سید سند رحمہ اللہ ان کے ساتھ علمی مناقشہ کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اگر بغیر احیاء (زندہ کرنے) اور بغیر اعادۂ رُوح کے مُردے ان صفات سے متصف ہو

سکتے ہیں تو اس کا دُوسرا پہلو اور تصویر کا دُوسرا رُخ یہ نکلتا ہے کہ زندہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں، مُردے کہلائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جو ان صفات کے ساتھ ہمیشہ سے متصف ہے، وہ بھی زندہ اور حی نہ ہو۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

چنانچہ خود مواقف اور اس کی شرح میں سوال وجواب ونعیم فی القبر کی بحث میں تصریح ہے کہ: ''واما ماذھب الیہ الصالحی من المعتزلۃ و ابن جریر الطبری و طائفہ من الکرامیۃ من تجویز ذٰلک التعذیب علی الموتٰی من غیر احیاء فخروج عن للعقول لان الجماد لا حِسّ لہ فکیف یتصور تعذیبہ'' (مواقف مع الشرح ص۷۱۶)

ترجمہ: ''جس مسلک کو معتزلہ کے صالحی اور ابن جریر طبری اور کرّامیہ کے ایک گروہ نے اختیار کیا ہے کہ وہ مُردوں کو بغیر زندہ کرنے کے عذاب جائز قرار دیتے ہیں تو یہ غیر معقول ہے کیونکہ (بغیر رُوح کے) نرے دھڑ میں حِس نہیں۔ سو اس کو سزا اور عذاب دینے کا تصور کیسے؟

معتزلہ کا صالحیہ فرقہ یہ کہتا ہے کہ قبر میں مُردہ کو زندہ نہیں کیا جاتا اور نہ اس کی طرف اعادۂ رُوح ہوتا ہے (اور یہی مسلک مؤلف ندائے حق اور ان کے حواریوں کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صالحیہ فرقہ نرے بے رُوح جسم کے عذاب کا قائل ہے اور بغیر احیاء اَور اعادۂ رُوح کے وہ اس کے لئے علم۔ سمع اور قدرت وغیرہ ثابت کرتا ہے اور مؤلف مذکور رُوح اور جسد مثالی سے اس کارروائی کو وابستہ کہتے ہیں) مگر مؤلف مذکور اپنی کم فہمی کی وجہ سے عوام کو یہ غلط تاثر دے رہے ہیں کہ سماع موتیٰ کا مسئلہ صالحیہ کا ہے اور پھر اہل السنّت والجماعت سے جن الفاظ سے وہ تمسخر کر رہے ہیں وہ بھی بالکل عیاں ہے۔ اس کو کہتے ہیں کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا اور وہ بھی مرا ہوا۔ سبحان من بیدہ ملکوت کل شیئ!

مسئلۂ سماعِ موتیٰ اختلافی ہے

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دَور اور خیر القرون کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک یہ مسئلہ اختلافی چلا آرہا ہے کہ قبروں کے پاس اگر کوئی شخص اہل قبور کو سلام وغیرہ عرض کرے تو مُردے سُنتے ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ سماع موتیٰ کا قائل ہے جس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرات مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ رحمہم اللہ کا جمِ غفیر اور حضرات احناف رحمہم اللہ کا معتد بہ طبقہ اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی اکثریت شامل ہے۔ (غیر مقلدین حضرات کا اس مسئلہ میں آپس میں خاصا اختلاف ہے۔ قاضی شوکانی، امیر یمانی، نواب صدیق حسن خان اور مولانا وحید الزمان خاں صاحب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات شدّ ومد کے ساتھ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ جب کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے بیشتر تلامذہ اس کے منکر ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ نذیریہ و ثنائیہ) جن کے کچھ ضروری حوالے اسی کتاب میں اپنے مقام میں ذکر ہوں گے اور ان میں سے ہر فریق کے ضروری دلائل بھی اس کتاب میں بیان کر دیئے جائیں گے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا انکار یا تو نرے جاہل اور ضدی سے سرزد ہوگا اور یا کسی مجذوب سے، ورنہ کوئی بھی حقیقت شناس دیانت دار عالم اور خدا خوف مسلمان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ہم اس مقام پر مسئلہ کی وضاحت کے لئے فقیہ دوران قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور بعض دیگر اکابر کی چند عبارات اور حوالے عرض کرتے ہیں تاکہ اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا پہلو بالکل نمایاں اور روشن ہو جائے اور مؤلف ندائے حق کا یہ بالکل باطل نظریہ کہ: ''یہ وہم ہے، سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا، قطعاً نہ تھا۔'' (ص ۱۵۳) کلیۃً مردُود ہو جائے۔

(۱) حضرات مولانا گنگوہی رحمہ اللہ مسئلہ سماع موتیٰ کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:
الجواب: مسئلہ سماع موتیٰ کا قرنِ اوّل میں مختلف ہوا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد کی کوئی ترجیح کی جانب اگر کوئی میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔ سو مسلک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مثل طریقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر حمل کر کے کہ اصل موضوع لہٗ ہے۔ حدیث میں جو شرح قرآن ہے مناسب تاویل مناسب ہے جب تک قطع معنی حدیث پر حاصل نہ ہو جائے۔ چنانچہ اُصول میں مبرہن ہے۔ پس آیت: ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' قطعی خاص اور احادیث سماع ظنی اخبار احاد سے تخصیص کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات وصم سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنی وجہ شبہ کے حقیقۃً ہوتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ میّت اور اصم میں صلاح سماعت نہیں لہٰذا معنی عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا؟ (دوسرے حضرات کے نزدیک اس تشبیہ کی مُراد حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کی عبارت میں اُور اسی طرح دیگر اکابر کی عبارات میں دوسرے طریق سے ہے، وہاں ملاحظہ کرلیں۔ صفدرؔ) البتہ مشبہ میں یہ ہی مُراد ہے لہٰذا حسب قاعدہ مرجح جانب عدم سماع ہے اُور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ فخرِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے مَاآنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ سنا تھا تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی۔ سو جو کچھ معنی انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر (آیت مذکورہ کی۔ صفدرؔ) تخصیص کریں ہو سکتا ہے ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تو خود حدیث میں تاویل کی اور آیت کو بحال خود رکھا اور جمع کر دیا۔ الحاصل راجح مذہب عدمِ سماع کا ہے۔ حسب قواعد پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے اور زیادہ بسط کی گنجائش نہیں۔ اگر بغور مطالعہ فرماؤ گے، تو توقع ہے کہ اصل مُراد کو آپ تصدیق فرمادیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم! (لطائف رشیدیہ ص ۸،۹)

(۲) ترمذی شریف پڑھاتے وقت حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے جو کچھ اِرشاد فرمایا اس کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۳۴ھ) نے کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے جس کا نام ''الکوکب الدری'' ہے، اس میں حدیث: ''السَّلام عَلَیْکُمْ یا اھل القبور'' کی تفسیر میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث کے ظاہر سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا استدلال اور روایات سے بھی ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ میّت کے پاس جب دو فرشتے منکر ونکیر حاضر ہوتے ہیں تو اس وقت وہ قبر سے واپس آنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتی ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ میّت کے دفن ہونے کے بعد فرشتوں کے جلدی آنے سے کنایہ ہے، حقیقت مراد نہیں ہے اور جو حضرات سماع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں وہ اس خطاب کے صحیح قرار دینے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ یہ سلام فرشتوں کے واسطہ سے میّت کو پہنچتا ہے اور جو حضرات سماع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں: ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' کیونکہ جب کفار کو عدم سماع میں مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ مُردے نہیں سنتے وَرنہ یہ تشبیہ درست نہیں ہوتی اور جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ ''وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی'' کے قبیل سے ہے تو یہ تام

نہیں۔ کیونکہ اس بناء پر بعد کا یہ ارشاد: ''اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا'' صحیح نہیں ہوتا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت واقتدار پہلی جزو میں ہے، اسی طرح دوسری میں بھی ہے۔ پس کیسے صحیح ہوگا کہ ایک نوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کی جائے اور دوسری کی نفی ہو۔ باقی سماع موتی کے ثابت کرنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوکر مقتولین بدر کو خطاب کیا تھا اور یہ صاف طور پر سماع موتی پر دال ہے تو اس کا جواب منکرین نے یہ دیا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مقتولوں کی رُوحیں ان کے جسموں میں لوٹا دیں تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سن لیں اور یہ ان کی زجر وتوبیخ اور ان کے عذاب کے اضافہ کے لئے تھا اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ نے اس لئے خطاب کیا تاکہ زندہ مشرکین قریش کا غصہ اس سے اور بڑھے اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو یہ فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے تو اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان سے زیادہ نہیں جانتے۔ یہ تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی ہے سو یہ بھی سماع کی دلیل نہیں ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ سماع کا انکار کیا جائے اور ہمارے نزدیک یہی بات زیادہ صحیح ہے اور بحث اس مسئلہ میں طویل ہے۔ یہ اس کا موقع نہیں ہے۔'' (الکوکب الدری ج ۱ ص ۳۱۹، مترجماً)

(۳) قبور سے اس طور پر دُعا کرنا کہ اے صاحب قبر اس طرح میرا کام کردے تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے۔ (یعنی اس کو پکارے اور اس سے مُراد مانگے۔ ہمارے پیر ومُرشد رئیس المؤحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) تفسیر بے نظیر (ص ۴۸) میں بحوالہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارتے ہیں، وہ مشرک ہیں۔'' اس سے بھی یہی صورت مراد ہے) اور یہ بات کہ تم میرے واسطے دُعا کرو تو اس باب میں اختلاف ہے۔ منکرین سماع موتی اس کو لغو ناجائز کہتے ہیں اور مجوزین سماع جائز جانتے ہیں اور یہی بندہ نے پہلے بعض سائلین کے جواب میں لکھا ہے۔ بندہ مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں کرتا لیکن احوط کو اختیار کرتا ہوں۔'' فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ!

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۳، طبع جید برقی پریس دہلی)

(۴) استعانت کے تین معنی ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دُعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کردے یہ باتفاق جائز ہے۔ خواہ عند القبر ہو خواہ دُوسری جگہ۔ اس میں کسی کو کلام نہیں۔ دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کردو۔ یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دُور کہے۔ (حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں: ''دُعا از آنہا خواستن حرام است۔'' (مالابدمنہ ص ۸۱) یعنی مُردوں سے مُراد مانگنا حرام ہے) اور بعض روایات میں جو آیا ہے ''اعینونی عباد اللہ'' تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں، ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اس کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اس باب سے نہیں ہے۔ اس سے حجت جواز لانا جہل ہے۔ معنی حدیث سے (یہ حدیث حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ (ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲ اور ابن سنی ص ۱۶۲ اور حصن حصین ص ۱۶۳) میں بھی یہ روایت موجود ہے) تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جاکر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دُعا کرو

کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیوے۔اس میں اختلاف علماء کا ہے۔مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔سواس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت و مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے اور جس کو قاضی (ثناء اللہ) صاحب رحمہ اللہ نے منع لکھا ہے وہ دوسری نوع کی استعانت ہے۔حق یہ ہے کہ یہ مسئلہ مخلوط ہورہا ہے (کہ میت سے مراد مانگنا اور اس سے دُعا کی التجاء کرنا ایک سمجھ لیا گیا ہے جیسا کہ مؤلف ندائے حق وغیرہ نے یہی سمجھ رکھا ہے) اور سماع موتی کا مسئلہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت سے مختلف فیہ ہے۔سلام کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا۔بہر حال یہ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں بحث مناسب نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم! رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹، ۱۰۰)

اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عندالقبر سماع کا اتفاقی اور اجماعی ہونا صراحت سے مذکور ہے اور عندالقبر استشفاع کے جواز کی بھی بحوالۂ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تصریح موجود ہے۔نیز مُردوں سے جائز و ناجائز استعانت کا فرق اور حکم بھی بیان کردیا گیا ہے۔

(۵) اور تفصیل یہ ہے کہ استمداد تین قسم ہے۔ایک یہ کہ اہل قبور سے مدد چاہئے۔اس کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے۔دوسرے یہ کہے، اے فلاں خدا سے دُعا کرو کہ فلاں کام میرا پورا ہو جائے۔یہ مبنی اُوپر مسئلہ سماع کے ہے۔جو سماع موتی کے قائل ہیں اُن کے نزدیک درست، دوسروں کے نزدیک ناجائز۔اسی کو شیخ (عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ بزبان عربی یعنی اللمعات) نے لکھا ہے:''الاستمداد باھل القبور فی غیر النبی والانبیاء علیہم السلام فقد انکرہ کثیر من الفقھاء'' انبیاء کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔تیسرے یہ کہ دُعا مانگے الٰہی بحرمت فلاں میرا کام پورا کردے۔یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجروں میں موجود ہے۔اسی وجہ سے اقوال علماء میں اختلاف ہے کہ استمداد لفظ مشترک ہے۔کسی نے کسی کو لیا کسی نے کسی کو، قول ہر ایک کا اپنے معنیٰ و مُراد پر صحیح ہے۔فقط محمد حسن عفی عنہ۔مدرّس مدرسہ گلاوٹی مدرّس اوّل۔الجواب بہذا التفصیل صحیح رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۸)

اِس عبارت میں بحرمت فلاں کے الفاظ سے توسّل اور دُعا کو بالاتفاق جائز بتایا ہے اور لفظ استمداد کے اشتراک کا تذکرہ اور اس کا الگ الگ شرعی اور فقہی حکم بھی صاف طور پر بیان کردیا ہے۔

(۶) سوال: میّت قبر میں سنتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اموات کے سننے میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک سُنتی ہے، بعض کے نزدیک نہیں سنتی۔فقط (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۳)

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے ان صریح ارشادات سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عندالقبور سماع کا مسئلہ اتفاقی اور عام اموات کے سماع کا مسئلہ اختلافی ہے اور یہ اختلاف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت سے لے کر تا ہنوز بدستور چلا آرہا ہے۔اگر عدم سماع موتی پر حضرات صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا تھا جیسا کہ مؤلف ''شفاء الصدور'' اور ''ندائے حق'' کا یہ بے بنیاد اور سراسر باطل دعویٰ ہے تو پھر علماءِ ملّت کا

اس مسئلہ میں اختلاف کیوں ہوا؟ اور کیوں ہے؟ کیا تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے بعد بھی حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کو اختلاف کی کوئی گنجائش ہے؟ الغرض مسئلہ سماع موتیٰ کے اختلافی ہونے کا انکار کرنا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے، علمی طور پر انتہائی بد دیانتی ہے۔

مفتی اوّل دار العلوم دیو بند

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیو بندی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۴۷ھ) نے سماع موتیٰ کے بارے میں مختلف فتوے دیئے ہیں جن میں سے بعض فتوؤں کا تعلق عدم سماع موتیٰ سے ہے اور ان کا یہ فتویٰ بھی ہے:

سوال نمبر ۳۱۸۹: بروئے مذہب احناف بزرگان دین کے مزارات پر جا کر یہ عرض کرنا کہ آپ مقبولِ خدا وندی ہیں، آپ ہمارے لئے دُعا کر دیجئے کہ ہماری فلاں مُراد پوری ہو جائے۔ یہ جائز ہے یا نہ؟

سوال نمبر ۳۱۹۰: امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بزرگانِ دین بعد وفات زائرین کی باتیں سنتے ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر ۳۱۹۱: کیا یہ صحیح ہے کہ امام صاحب موصوف رحمہ اللہ نے کسی شخص کو کسی قبر پر اہل قبر سے کچھ عرض و معروض کرتے دیکھا اور فرمایا کہ تُو ایسے سے التجاء کرتا ہے جو سُن بھی نہیں سکتا۔

سوال نمبر ۳۱۹۲: اگر کوئی آیت یا حدیث امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کی تائید میں ہو تو وہ بھی تحریر فرمایئے۔

الجواب: (۱ تا ۴) سماع موتیٰ میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے۔ بہت سے ائمہ سماع موتیٰ کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے موجود ہیں (یعنی مسئلہ یمین۔ صفدر) جن سے عدم سماع موتیٰ معلوم ہوتا ہے مگر امام صاحب رحمہ اللہ سے کوئی تصریح اس بارہ میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت: ''اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' وغیرہ سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث: ''ما انتم باسمع منھم'' اور حدیث سماع قرع نعال سے ہے اور آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دُشوار ہے۔ پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے۔ جب کہ علماء کو بھی اس میں تردّد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں اور جب کہ سماعِ موتیٰ میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی ہوا کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر اس طرح دُعا کرنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرما دے۔ یہ بھی مختلف فیہ ہوگا۔ البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح دُعا کرے...... کہ یا اللہ! اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دُعا قبول فرما اُور میری حاجت پوری فرما۔'' بلفظہٖ (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ج پنجم ص ۴۶۱ طبع دیو بند)

اس فتویٰ سے یہ اُمور بصراحت معلوم ہوتے ہیں:

(۱) یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تا ہنوز اختلافی چلا آ رہا ہے۔ (۲) اور فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں۔ (۳) فقہ حنفی کی کتب میں بعض مسائل سے عدم سماع موتیٰ معلوم ہوتا ہے۔ (۴) لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارہ میں کچھ منقول نہیں۔ (یعنی فتویٰ غرائب کا جو حوالہ منکرین سماع موتیٰ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ بے اصل ہے) (۵) بزرگوں کے طفیل اور وسیلہ سے دُعا مانگنا درست اور صحیح ہے۔ وغیرہ وغیرہ!

مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں کہ (جواہر القرآن ص ۹۰۲ تا ۹۰۵ تفسیر سورۂ رُوم) وہاں ہم نے لکھا تھا کہ:

''سماعِ موتی کا مسئلہ زمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے یہ مسئلہ اعتقاداتِ ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کُفر و اِسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی و تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے۔ اُمتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ کچھ علماء کرام کی یہ رائے رہی ہے کہ مُردے سنتے ہیں۔ جب کہ دُوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بناء پر سماعِ موتی کی نفی کی ہے۔ علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں جن پر انہوں نے اپنی اپنی رائے اور تحقیق کی بنیادیں اُستوار کی ہیں جو سماعِ موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے۔ جب کہ قائلین سماعِ موتی بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔'' (ص ۶۷)

نیز لکھتے ہیں کہ: ''جواہر القرآن'' میں ہم نے اپنا جو مؤقف تفصیل سے بیان کیا ہے اِس کا حاصل یہ ہے کہ سماعِ موتی کا تعلق احوالِ برزخ سے ہے اور احوالِ برزخ کا علم وحی سے سوا ممکن نہیں۔ اس لئے ضابطہ تو یہی ہے کہ مُردے نہیں سنتے لیکن جن احوال میں مُردوں کے سننے کی بعض احادیث میں صراحت ہے۔ وہ اپنے احوال و موارد کے ساتھ مخصوص ہوں گی اور اس سے عموم احوال میں سماعِ موتی پر استدلال صحیح نہیں ہوگا۔'' (جواہر القرآن ص ۹۰۴)

''ہمارے مؤقف کی اس توضیح سے یہ بات روشن ہے کہ ہم نے سماعِ موتی کی مطلقاً نفی نہیں کی۔''

(اقامۃ البرہان ص ۶۸)

یعنی جو چیز مؤلف ''شفاء الصدور'' اور ''ندائے حق'' کے نزدیک شرک کی جڑ ہے اور بقول ان کے سماعِ موتی کے قائلین پر جو لعنت ہوتی ہے اس میں مؤلف جواہر القرآن اور اقامۃ البرہان بھی سواتی برادران کے ہم نوا ہیں اور کیوں نہ ہوں ؎

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا ۔۔۔ آخر کو ہم دونوں دَرِ جاناں پہ جا ملے!

ہزار اَفسوس

اگر بات یہیں تک محدود رہتی کہ سماعِ موتی کا مسئلہ اختلافی ہے اور ہر فریق کو اپنی علمی اور تحقیقی صوابدید کے مطابق دلائل و براہین کے رُو سے جو پہلو راجح اور صحیح نظر آتا ہے اسے قبول اور اختیار کر لینے کا حق ہے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اور ہمیں بھی اس مسئلہ میں کاوش کرنے کی قطعاً ضرورت پیش نہ آتی۔ مگر جب دُوسری طرف سے یہ غلو اختیار کیا گیا کہ یہ مسئلہ سلف میں اختلافی ہے ہی نہیں۔ جیسا کہ مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا، قطعاً نہ تھا۔'' (ص ۱۵۳) اور یہی غالی مجذوب حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر خالص بہتان تراشتے ہوئے ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ: ''لعنت ہو اس پر جو یہ عقیدہ رکھے کہ مُردے سنتے ہیں۔'' (شفاء الصدور ص ۱۰۶) تو ہمیں بھی اس سلسلہ میں کچھ لکھنا پڑا اور درحقیقت ''شفاء الصدور'' کے اسی لعنتی حوالے نے ہمیں کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہے جس کا وعدہ ہم نے ''تسکین الصدور'' میں کیا تھا اور اب تو اس مسئلہ میں اس حد تک غلو اختیار کرلیا گیا ہے کہ الامان والحفیظ!

''انجمن اشاعت التوحید والسنۃ کے سرگرم اور نوجوان رُکن مولوی سعید احمد صاحب چتوڑ گڑھی (جن کی اس جماعت کے بقیہ حضرات صرف معلماً تردید کرتے ہیں لیکن اس جماعت کے امیر جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری دھڑلے کے ساتھ ان کی پوری پشت پناہی کر رہے ہیں) نے صاف اعلانیہ کہا اور ڈنکے کی چوٹ یہ فتویٰ دیا کہ جو شخص سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر النبی الکریم کا قائل ہے وہ بلا شک قطعی کافر ہے۔ میرے پاس قرآن مجید کی ساٹھ (۶۰) آیتیں اور پانچ سو حدیث کا ثبوت ہے۔''

(بحوالہ دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف ص ۴، مولانا عبدالعزیز شجاع آباد)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ کس قدر ناجائز غلو ہے اور قرآن مجید اور احادیث پر کیسا صریح اور صاف بہتان ہے اور بلا استثناء ۱۳۴۷ھ سے قبل کی ساری اُمت کی تکفیر ہے۔ ہاں! اگر اس خانہ ساز کُفر سے کوئی بچ سکتا ہے تو سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری، جو چودھویں صدی میں اس بدعت ضلالہ کے موجد ہیں اور ان کے چند حواری۔ باقی ساری اُمت معاذ اللہ تعالیٰ کافر ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ ثم العیاذ باللہ تعالیٰ ولا حول ولا قوۃ اِلاّ باللہ) اور خود اِسی جماعت کے بعض منصف مزاج بزرگوں کو ان کا رَد لکھنا پڑا۔ (حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مؤلف دعوت الانصاف شجاع آباد انجمن اشاعت التوحید والسنۃ کے امیر ہیں) اور مولوی احمد سعید صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ نبی ﷺ اپنی قبر مبارک کے نزدیک پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے، نہ تحت الاسباب نہ فوق الاسباب۔ جو شخص سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر کا قائل ہے، وہ بلا تاویل کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ سمجھے وہ بھی ویسا ہی کافر ہے۔ نیز جو شخص اس مسئلہ کو فروعی کہتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ اگر سماع عند القبر کا قائل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہوں تو وہ بھی کافر ہیں۔ بلفظہٖ (دعوت الانصاف ص ۲۳، ۲۴)

قارئین کرام! ان الفاظ کو بغور بار بار پڑھیں اور پھر اَز روئے انصاف یہ فرمائیں کہ اس شاہی فتویٰ کی زد سے اس اُمتِ مرحومہ کا کوئی بھی مسلمان کُفر کی زد سے بچ سکتا ہے؟ اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کُفر کے اس ایٹم بم سے نہیں بچ سکتے تو اور کون بچ سکتا ہے؟ ہزار افسوس اور صد ہزار حیرت اور تأسف ہے، انجمن اشاعۃ التوحید والسنۃ کے ذمہ بزرگوں پر کہ وہ اندرونِ خانہ خُفیہ میٹنگیں کر کے مولوی احمد سعید صاحب کی وارفتہ زبان پر پابندی تو لگانے کی فکر کرتے ہیں اور انہیں نرمی کا سبق تو سکھاتے ہیں اور انہیں معتدل رویہ اختیار کرنے کی تلقین تو کرتے ہیں لیکن یہ سارا کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی ان کو اعلانیہ اپنی جماعت سے نہیں نکالتے اور بعض ان کو اپنے جلسوں میں بلاتے اور ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ معاف رکھنا کیا سمجھ دار عوام یہ سمجھنے میں حق بجانب نہیں کہ یہ کارروائی ہاتھی کے دانت ہیں، کھانے کے اور اور دِکھانے کے اور۔

سدّاللذریعہ سماعِ موتی کا اِنکار

یہاں یہ بات بھی بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ جو حضرات سماعِ موتی کے منکر ہیں وہ علاوہ اُن دلائل کے جن کو وہ اپنے خیال کے مطابق اپنے دعویٰ پر پیش کرتے ہیں۔ (جن کا تذکرہ حسب ضرورت اِن شاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں ہوگا) ان کے نزدیک یہ مصلحت (یا خطرہ) بھی پیشِ نظر ہے کہ اگر سماعِ موتی کا مسئلہ ثابت اور رائج ہو گیا تو یہ جہالت اَور دِین سے دُوری کا دَور ہے، شرک و بدعت کے سیاہ اور گھنگھور بادل اطرافِ عالم پر چھائے

ہوئے ہیں اور مختلف علاقوں پر کم یا زیادہ برستے بھی ہیں۔علماءِ سوء اور پیرانِ بد کردار کی بد دیانتی اور نفس پروری اظہر من الشمس ہے اور رقمیں بٹورنے کے لئے حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ کی قبور پر عرسوں اور قوالیوں کی بھرمار ہے جن کی شب و روز خوب اشاعت ہوتی رہتی ہے اور جاہل قبر پرستوں کی بھی کوئی کمی نہیں اور خود غرض مجاور اور دین و شریعت سے بے نیاز فقیر و ملنگ ہمہ وقت قبور کے چمکانے کی لگن اور دُھن میں سرمست رہتے ہیں۔اندریں حالات اگر سماعِ موتی محقق اور ثابت ہو جائے تو بدفطرت اور مشرک و مبتدع لوگ اس کو اور زیادہ ہوا دیں گے اور عوام الناس میں مزید گمراہی پھیلائیں گے۔اس لئے سماعِ موتی کے مسئلے کا سرے ہی سے انکار کر دیا جائے کہ نہ یہ ثابت ہو اور نہ اس پر شرکت و بدعت کے غلط ثمرات اور اثرات مرتب ہوں۔نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔چنانچہ مؤلف ''اقامۃ البرہان'' لکھتے ہیں کہ ''سماعِ موتی'' کا عقیدہ اگرچہ بذاتِ خود شرک نہیں لیکن شرک کا ذریعہ بن سکتا ہے۔اس لئے بھی عوام اہلِ اسلام کی خیر خواہی اور بہتری اسی میں ہے کہ ''سدًا للذریعہ وصونا للعقیدہ سماعِ موتی'' کا انکار کیا جائے۔'' (ص ۸۱)

یہ خدشہ صرف انہی حضرات کو لاحق نہیں جو سماعِ موتی کے منکر ہیں بلکہ اُن کے پیشِ نظر بھی ہے جو شد و مد کے ساتھ سماعِ موتی کے قائل ہیں۔چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) جن کی سماعِ موتی کے بارے میں عبارت آگے آرہی ہے۔اِن شاء اللہ تعالیٰ، تحریر فرماتے ہیں: ''مگر چونکہ محتاج اور مستغنی محتاج الیہ کا پکارنا جُدا جُدا ہوتا ہے اور عوام اپنے خیالِ خام میں اولیاء کو قادر اور متصرف یعنی غنی محتاج الیہ سمجھتے ہیں تو اگر اس زمانہ میں اس امکانِ استماع کا بھی چرچا کیا جائے تو اس عُل سے نفع دینی میں تو کچھ متصور نہیں۔البتہ قوتِ مضامین شرکیہ کا گمان غالب ہے۔اس لئے یوں مناسب ہے کہ عوام کو فقط طریقۂ مسنونہ زیارت قبور تعلیم کیا جائے اور اس سے زیادہ کی اطلاع نہ ہونے دی جائے۔ورنہ اس علم امکان سے ترقی مدارج تو معلوم کیونکہ ضروریاتِ دینی میں سے نہیں، البتہ مواخذۂ نقصان مذکورہ کا احتمال ہے۔'' (جمال قاسمی ص ۱۰، طبع قاسمی دیوبند)

اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) جن کا سماعِ موتی کے بارے میں حوالہ آگے آرہا ہے۔اِن شاء اللہ تعالیٰ! ارشاد فرماتے ہیں: ''غرض اِس طرح جانبین میں کلام طویل ہے اور دونوں شقّوں میں وسعت ہے۔البتہ عوام کا سا اعتقادِ اثبات کہ اس کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں، یہ صریح ضلالت ہے۔اگر اس کی اصلاح بدون انکارِ سماع کے نہ ہو سکے تو انکارِ سماع واجب ہے۔'' (التکشف ص ۴۲۷)

عبارت صاف ہے کہ اگر عوام کو غلط عقیدہ سے بچانے کا کوئی اور حل نہ ہو تو پھر انکارِ سماع واجب ہے۔یہ وجوب ایک خارجی دلیل سے ہے اور مجبوری کی وجہ سے ہے جیسا کہ قرآنِ کریم کا جہراً و سراً پڑھنا موجبِ اُجر اور باعثِ ثواب ہے لیکن اگر اس سے نمازیوں کی نماز میں فرق آتا ہو تو بلند آواز سے پڑھنا جائز نہیں۔(تفسیر مظہری ج ۳ ص ۵۱۲) اور اگر لوگوں کے دُنیوی اُمور میں خلل پڑتا ہو اور وہ قرآن کریم کی طرف توجہ نہ کر سکتے ہوں تو بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔ (مجموعہ فتاوی عبدالحی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۷۳)

اگر اس بالا مصلحت (یا خطرہ) کا یہ پہلو دیکھا جائے جو اُوپر عرض ہوا تو منکرین سماعِ موتی کے خدشات اور خطرات بے جا نہیں ہیں۔کیونکہ جہالت کی وجہ سے شرک و بدعت عام ہے اور علماء سوء اور پیران بد اطوار گلے پھاڑ پھاڑ کر عوام الناس کو ورغلانے میں شب و روز کوشاں ہیں اور جہلاء کا طبقہ بزرگانِ دین اور شہداء کرام کے

مزاروں پر حاضر ہو کر ان سے مُرادیں مانگنا اور نذرانے پیش کر کے یوں سودا بازی کرتا ہے کہ لنگوٹے اُور چَڑ دے اور یہ گمراہ ٹولہ توحید خالص کے انمول موتی اور قیمتی جواہر پارے ہر قبر بلکہ ہر تودۂ خاک پر نچھاور کرتا رہتا ہے۔ایسے ہی لوگوں کی اس مذموم اور مشرکانہ کارروائی کا رونا مولانا حالی مرحوم نے یوں رویا ہے ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پر جا جا کے نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں[1]
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

الغرض! اس خدشہ اور خطرہ کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے لیکن اس پہلو کے ساتھ ساتھ ذیل کے اُمور بھی کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں اور ان سے بھی پہلو تہی کرنا مناسب اور رَوا نہیں ہے۔

(الف) سماع موتی کا مسلک اختیار کرنا نہ شرک ہے اور نہ براہ راست شرک کا ذریعہ ہے۔شرک کا ذریعہ یہ تب بنتا ہے جب بدعقیدتی اور رُوحِ شریعت سے ناواقفی ساتھ شامل ہو۔سب سے پہلے عوام کے عقیدہ کی دُرستی کی فکر کرنی چاہئے اور ان کو قرآن کریم، حدیث شریف اور رُوحِ شریعت سے واقف کرنا چاہئے اور اسلامی تعلیم کو خوب واضح کرنا چاہئے اور اس کی احسن طریقہ سے نشر و اشاعت کرنی چاہئے۔مسئلہ سماعِ موتی سے انکار کر کے اس موہوم ذریعہ شرک پر بزعمِ خود کاری ضرب لگانا بالکل آخری مرحلہ کی بات ہے۔جب کہ اور کوئی صورت ممکن ہی نہ ہو۔

(ب) بزرگانِ دین اور شہدائے کرام رحمہم اللہ جب دُنیا میں زندہ تھے اور مصیبت زدہ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تکالیف اور پریشانیوں کا تذکرہ بھی ان سے کیا کرتے تھے اور وہ بزرگ اور شہید اس دُنیا کی تکلیفی زندگی میں خود اپنے کانوں سے ان کی باتیں سُنتے بھی تھے۔آخر غور فرمایئے کہ انہوں نے ان پریشان حال لوگوں کی باتیں سننے کے بعد بھی کیا کر دیا؟ اور وہ کر بھی کیا سکتے تھے؟ کیا نفع و ضرر اُن کے قبضے میں تھا؟ یا معاذ اللہ تعالیٰ ان کو خدائی اختیارات حاصل تھے؟ یا اولاد اور رِزق تقسیم کرنے کا محکمہ ان کے سپرد تھا؟ یا کسی بھی رنج و غم سے نجات دینا ان کے بس میں تھا؟ جب حاجت مندوں اور تکلیف زدہ لوگوں کی فریاد سُن چکنے کے بعد بھی وہ اپنی دُنیوی زندگی میں کچھ نہ کر سکے تو اَب قبر سے باہر کی آواز سُن کر آناً فاناً وہ کس کو بادشاہی مرحمت کر دیں گے؟ یا کم از کم قعرِ مذلت سے نکال کر بامِ عروج اور عزت کی گھاٹیوں پر پہنچا دیں گے؟ یا رِزق و اَولاد کے دروازے لوگوں پر کھول دیں گے؟ یا صحت و تندرستی کی دولت سے اُنہیں مالا مال کر دیں گے؟ یا آپس کی ناچاقی اور دُشمنی کو دوستی میں بدل دیں گے؟ یہ بات کسی بھی صاحب فہم سے مخفی نہیں کہ سُن لینے اور مُراد پوری کر دینے میں کوئی تلازم نہیں کہ جب بھی کوئی بات سُن لے تو سُنانے والے کی قلبی تمنا اور مُراد پوری ہو جایا کرے۔ان دونوں چیزوں میں نہ تو شرعی تلازم ہے اور نہ منطقی اور عُرفی۔

[1] یعنی ان سے مُرادیں مانگیں اور اس کا شرک اور ناجائز ہونا پہلے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے۔

(ج) دوسروں کا تو قصہ ہی چھوڑ یئے۔ جب خود ان بزرگوں پر دُنیا میں بے پناہ مصائب و آلام آئے اور وہ خود تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا ہوئے تو کیا انہوں نے خود اپنی مصیبتیں اور صعوبتیں دُور کر دیں؟ اور کیا وہ اپنے لئے خوشی اور راحت کے دروازے کھول گئے؟ جب وہ اپنے لئے کچھ نہ کر سکے تو بھلا وہ دوسروں کے لئے کیا کر سکتے تھے؟ یہاں تو افضل البشر سید ولد آدم خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو بھی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ: ''قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا'' (سورۃ الجن:۲)

ترجمہ: ''تو کہہ میرے اختیار میں نہیں تمہارا بُرا اور نہ راہ پر لانا۔''

اور نیز متصرف فی الامور اور خالق کائنات نے آپ سے یہ اعلان بھی کروایا کہ: ''قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ'' (سورۃ الاعراف:۱۸۸)

ترجمہ: ''تو کہہ دے میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ بُرے کا مگر جو اللہ چاہے۔''

جب فخر عالم سردار دو جہاں خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ حال ہے تو دُوسروں کا کیا پوچھنا؟ ؎

قیاس کُن زگلستانِ من بہار مرا

ان بزرگانِ دین کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ اہل مصائب کی تکالیف کو سُن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے دامن سوال پھیلاتے اور دستِ عجز اُٹھاتے اور بڑھاتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہوتا تو ان کی دُعا قبول فرما لیتا اور حاجت مندوں کا کام پورا کر دیتا اور اُن کو اُن کی مُراد دے دیتا۔ اس کی مرضی نہ ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام جیسی بزرگ ترین ہستی سے بھی فرما دیتا: ''فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ'' (ہود:۴۶)

ترجمہ: ''سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں۔''

پھر اس قادرِ مطلق حیی و قیوم اور فعال للما یرید ہستی کا کسی نے کیا بگاڑا؟ اور کیا کسی کو یہ پوچھنے کی ہمت بھی ہوئی کہ اے پروردگار یہ کام کیوں نہ ہوا؟

''لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ ھُمْ یُسْئَلُوْنَ'' (انبیاء:۲۳)

ترجمہ: ''یعنی اُس سے نہیں پوچھا جا سکتا جو کچھ وہ کرتا ہے اور مخلوق سے پوچھا جا سکتا ہے۔''

جب بزرگانِ دین اِس دُنیا کی زندگی میں زندہ رہ کر اور اپنے کانوں سے لوگوں کی تکالیف کو سُن کر کسی کی تکلیف دُور نہ کر سکے اور نہ کسی کو راحت اور شادمانی عطا کر سکے تو پھر کیا یہ دعویٰ درست اور یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اِس دُنیا میں بھی کسی کی بات کو نہیں سُنا کرتے تھے؟ اور اگر سنا کرتے تو ضرور وہ مصائب و آلام سے لوگوں کو نجات دے دیتے؟ یقیناً یہ کہنا غلط ہوگا اصل بیماری کا یہ علاج اور مداوا ہرگز نہیں، جو سمجھ لیا گیا ہے بلکہ اصل بیماری عوام الناس کی قرآن و سُنّت سے جہالت اور رُوحِ شریعت سے بے خبری اور بے پرواہی ہے اور گندم نما جَو فروش مولویوں اور زر پرست پیروں کی بددیانتی اور خود غرضی ہے کہ وہ لوگوں کو شرک و بدعت کے جام بھر بھر کر پلاتے ہیں اور بدعقیدہ لوگ فرطِ محبت کے ساتھ ذوق و شوق سے پیتے ہیں۔ ورنہ در حقیقت شرک و بدعت کا مسئلہ سماع موتٰی سے براہِ راست ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ یہ اس کی پیداوار اور اس کا ثمرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ جو سماعِ موتٰی کے قائل تھے، پکے موحد اور صحیح معنی میں متبع سُنّت تھے۔ ان حضرات کے بارے میں اس

کا ادنیٰ ترین وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) وہ شرک و بدعت کے مرتکب یا اس کے مروّج یا مداہن فی الدین تھے۔ اس لئے جہاں آج کل کے لوگوں کے ایمان اور عقیدہ کو بچانا ان کی خیر خواہی اور بہتری ہے وہاں سماع موتٰی کے قائلین حضرات کو جُہلاء کے اس وہم اور فتویٰ سے بچانا بھی نہایت ہی ضروری ہے کہ سماع موتٰی کا مسلک اختیار کرنا شرک نہیں ہے تا کہ کوئی کوڑھ مغز یہ نہ سمجھنے لگے کہ وہ حضرات مشرک تھے یا کم از کم شرک کی ترویج کا وہ سبب بنے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) وہ حضرات اسلام کا اصل سرمایہ ہیں جن پر اہل اسلام کو ہمیشہ کے لئے فخر ہے اور وہ آنے والی نسلوں کے لئے دینی اور مذہبی لحاظ سے بہترین نمونہ ہیں۔ وہ حضرات نہ صرف یہ کہ خود خالص توحید اور اصل سُنت پر کار بند تھے بلکہ داعیٔ توحید و سنت اور ماحیٔ شرک و بدعت بھی تھے۔ جن کی مبارک سعی سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اِنسانوں کو اسلام و ایمان جیسی عظیم دولت نصیب ہوئی اور وہ خود بھی ایمان کی عظیم تر دولت سے مالا مال تھے اور حقیقت میں ایمان کا تقاضا ہی یہی ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرے اور اُس کے قہر وغضب سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہے اور راحت و تکلیف دینے والا صرف اُسی کو سمجھے۔ کیونکہ نفع وضرر سب پروردگار کے ہاتھ اور قبضہ میں ہے۔ اس کے بغیر کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ ہستی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ نفع وضرر پہنچانے پر ہرگز قادر نہیں ہے ؂

ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہو

(د) لفظ استمداد، دُعا خواستن، دُعا مانگنا اور پکارنا وغیرہ الفاظ تفصیل طلب ہیں۔ اگر ان الفاظ سے قائل کی یہ مراد ہو کہ صاحبِ قبر اور مُردہ کام کرتا اور مُراد پوری کرتا ہے تو یہ خالص شرک ہے اور اگر مُراد یہ ہے کہ قائل اس کو سفارشی بناتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ تُو اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دُعا کر۔ یہ بات مسئلہ سماع موتٰی پر متفرع ہے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے اس کے متعلق ضروری بحث گزر چکی ہے۔ ان دونوں کو گڈمڈ کر دینا اور ایک بنا دینا علم و تحقیق سے کوسوں دُور ہے اور اتنی واضح بات کو ملحوظ نہ رکھنا اور نظر انداز کر دینا علماء کو زیب نہیں دیتا۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مُراد مانگنا اور اس کو حاجت روا سمجھ کر پکارنا شرک ہے۔ اگر کوئی شخص زندہ بزرگ سے بھی اولاد مانگے یا صحت وتندرستی مانگے یا ایسی چیز طلب کرے جو عالم اسباب میں اس کے بس و اختیار میں نہیں ہے تو یہ بھی شرک ہے اور اِسی طرح دفن ہونے سے پہلے مُردہ کی چارپائی کے پاس حاضر ہو کر اُس سے مُراد مانگے تب بھی شرک ہے۔

چنانچہ علّامہ محمد بن احمد بن عبدالہادی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۷۴۴ھ) لکھتے ہیں: ”ولو جاء انسان الی سریر المیت یدعوہ من دون اللہ ویستغیث بہ کان ھذا اشرکاًمحرماً باجماع المسلمین“ (الصارم المنکی ص ۲۸۰)

”یعنی اگر کوئی شخص میت کی چارپائی کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کے ورے اس کو پکارے اور اُس سے مدد مانگے تو مسلمانوں کے اجماع اور اتفاق سے یہ شرک اور حرام ہوگا۔“

غرض یہ کہ جو چیز شرک ہے وہ زندگی میں بھی شرک ہے اور مرنے کے بعد دفن سے پہلے بھی شرک ہے۔ جب کہ میت کی چارپائی سامنے ہے اور مُردہ نظر بھی آتا ہے اور دفن کے بعد بھی شرک ہے اور وہ اسی صورت میں ہے کہ اس سے اپنی حاجت اور مُراد طلب کرے اور مانگے۔ رہی استمداد کی وہ صورت جو توسّل اور شفاعت کی مد میں ہے وہ نہ تو زندگی میں شرک ہے نہ دفن سے قبل اور نہ دفن کے بعد۔ اس صورت میں مُراد اور حاجت صرف پروردگار سے طلب کی جاتی ہے۔ ہاں درمیان میں اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول اور برگزیدہ بندے کا واسطہ اور سفارش ہوتی ہے

اور سفارش کرانے والا یہ سمجھتا ہے کہ مشکل کشا، حاجت رَوا اور قاضی الحاجات صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندہ کے بس میں یہ اُمور نہیں ہیں۔ وہ تو صرف دُعا کرتا اور سفارش کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) قبر کے پاس توسّل اور استمداد کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود را از جناب عزت الٰہی بتوسّل روحانیت بندہ کہ مقرب ومکرم درگاہ والا است وگوید خداوندا بہ برکت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردۂ ورا برآوردہ گرداں حاجت مرا یاندا کند آں بندہ مقرب ومکرم را کہ اے بندۂ خدا وولی وے شفاعت کن مرا وبخواہ از خدائے تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیان مگر وسیلہ وقادر ومعطی ومسئول پروردگار است تعالیٰ شانہٗ ودروے ہیچ شائبہ شرک نیست چناں کہ منکر وہم کردہ وآں چناں است کہ توسّل وطلب دُعا از صالحان ودوستانِ خدا درحالتِ حیات کنند وآں جائز است باتفاق۔ پس آں چرا جائز نباشد وفرقے نیست درارواح کاملان درحین حیات وبعد از ممات مگر درترقّی کمال۔'' (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۰۸)

(حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ نے یہ پوری عبارت مائۃ مسائل ص ۳۶، ۳۷ میں نقل کی ہے)

ترجمہ: ''اور اس استعانت کی صورت اس کے سواء اور کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے مقرب اور مکرم بندہ کی روحانیت کے توسّل سے اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے کہ اسے پروردگار اس بندہ کی برکت سے کہ تو نے اس پر اپنی رحمت کر کے اس کو نوازا ہے۔ میری حاجت کو پورا کردے یا یوں صدا بلند کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے ولی، میرے حق میں آپ سفارش کریں اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کے پورا کرنے کی التجاء کریں تاکہ وہ میری حاجت کو پورا کردے۔ سو اس صورت میں بندہ درمیان میں صرف واسطہ ہے۔ قادر دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جس طرح منکر کا وہم ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک بندوں سے ان کی زندگی میں کوئی توسّل کرے اور دُعا کی درخواست کرے اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ پس ایسا توسّل بعد از وفات کیوں جائز نہ ہوگا؟ اور کامل لوگوں کی ارواح کا زندگی اور موت کے بعد کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ مرنے کے بعد کمال میں مزید ترقی ہو جاتی ہے۔

ایک طرف ان حضرات کی تحقیق ملاحظہ کریں اور دُوسری طرف مؤلف ندائے حق کی سنیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''آدم ہر سرِ مطلب توسّل بذات المیت یا بدُعاء المیت یا بذات النبی ﷺ بعد الوفات کو یا حرام کہنا پڑے گا یا سکوت اختیار کرنا پڑے گا۔ بلا کھٹک کھلے طور پر کسی شرعی قاعدہ کی رُو سے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔'' (ص ۱۰۸)

مطلب بالکل واضح ہے کہ اکابر کی ایک نہیں سنی، اپنی مرضی کرنی ہے۔

(ز) جو حضرات سماعِ موتی کے قائل ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ مُردے دُور دراز سے بھی سنتے ہیں۔ وہ صرف اس کے قائل ہیں کہ قبر کے پاس اگر سلام وکلام کیا جائے تو وہ سنتے ہیں۔ دور دراز سے عدم سماع پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ دُور سے سننے کا مسئلہ غیر اللہ کے بارے میں عقیدہ علم غیب اور حاضر وناظر پر متفرع ہے اور ان کا کفر ہونا واضح دلائل سے اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ! ہم نے ''ازالۃ الریب'' اور ''تبرید النواظر'' وغیرہ میں ان پر

مبسوط بحث کردی ہے اور دُور دراز سے بزرگوں کی رُوحوں کو حاضر سمجھنا اور اُن کے لئے لوگوں کے حالات کا علم ثابت کرنا حضرات فقہاء کرام اور خصوصاً حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ کے ہاں صریح کفر ہے۔

چنانچہ علامہ زین العابدین الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ: ''قال علماءنا من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر'' (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴، طبع مصر)

''ہمارے علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کے ارواح حاضر ہیں اور وہ جانتے ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔''

اور اسی کے قریب الفاظ ہیں: امام حافظ الدین محمد بن محمد الخوارزمی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۲۷ھ) کے (ملاحظہ ہو فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ طبع مصر ج ۶ ص ۳۰۶) اور نیز حضرت مولانا محمد عبدالحیٔ الکھنوی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) کے (ملاحظہ ہو مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ ج ۱ ص ۳۵ و ج ۳ ص ۵) اس سے معلوم ہوا کہ دُور دراز مقامات سے حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ اور مشائخ کو پکارنا اور عقیدہ یہ رکھنا کہ وہ ہمارے مصائب وحالات سے واقف ہیں اور ہمارے پاس حاضر وناظر ہیں، کفر ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قریب وبعید اور دُور ونزدیک کے اس بنیادی اور واضح فرق کو نظر انداز کر دینا (جیسا کہ مؤلف شفاء الصدور اور ندائے حق نے کیا ہے۔ مؤلف مذکور صفحہ ۱۰۶ کا بقیہ صفحہ میں لکھتے ہیں: ''پھر مُردے کا سماع ثابت کرنا یہ ندا للغیب نہیں تو کیا ہے؟'' بلفظہٖ) اور غلط مبحث کرنا اہلِ علم کی شان کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اختلافی مسائل میں محلِ نزاع سمجھنے کی توفیق بخشے۔

غائبانہ پکار

اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی بھی ہستی کے بارے یہ عقیدہ رکھ کر اس کو پکارنا کہ دُور دَراز سے وہ ہماری پکار سنتی اور ہماری حاجت روائی کرتی ہے، ممنوع اور شرک ہے اور اگر کوئی شخص یا رسول اللہ کے الفاظ مدد طلب کرنے کے لئے بولتا ہے تب بھی شرک ہے۔ ہاں! اگر یہ الفاظ محبت اور عقیدت کے طور پر اس طور پر پیش کرتا ہے کہ یہ بھی فی الجملہ دُرود شریف کے الفاظ ہیں اور فرشتے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کردیں گے تو درست اور صحیح ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) لکھتے ہیں کہ: ''سوال بست وچہارم اگر اہل مشرق بگویند یا رسول اللہ یا اولیاء اللہ واگر اہل مغرب بگویند یا رسول اللہ بر اینہا شرع چہ حکم فرماید مشرک یا کافر، یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ، یا مکروہ یا حرام؟''

جواب: ''در ندا کردن غائب میان نبی غیر نبی فرق است۔ اگر نبی را ندا خواہد نمود برائے ایصال صلوٰۃ یا سلام ظاہراً جواز است بدو جہت یکے آنکہ در حدیث شریف وارد است کہ ملائکہ از طرف حق تعالیٰ مقرر اند ہر کہ بر نبی ﷺ صلوٰۃ یا سلام می فرستد ملائکہ نزد پیغمبر ﷺ می رسانند۔ دوم آنکہ در التحیات خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ پس بنا بریں اگر کسے یا رسول اللہ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است ودر حق دیگر اشخاص سوائے نبی ایں قسم وارد نشدہ پس ندا در حق غیر نبی ممنوع است ومحظور خواہد بود بدلیل عموم آیات نصوص قرآنی کہ تلاوت نمودہ خواہد شد واگر غیر خدا را بایں اعتقاد میگوید کہ ہر وقت کہ من ندا می کنم اُو می شنود ویا قدرت در انجاح حاجات می دارد یا در عالم متصرف است یا شرکت تدبیر در کارخانجات الٰہی میدارد پس درایں صورت شریک گردانیدن است بخدا،

برائے دفع ایں امر پیغمبر خدا ﷺ مبعوث شدہ ہیچ کس را در علم غیب و قدرت مطلقہ و تصرف در امور عالم شریک با خدائے تعالیٰ نباید ساخت پس ایں قسم ندا کردن غیر خدا را موجب شرک و کفر است، چنانچہ آیات قرآنی واحادیث رسول اللہ ﷺ وروایات فقیہہ بر ایںہا دال اند۔" (مائۃ مسائل ص ۳۸، ۳۹)

ترجمہ: "چوبیسواں سوال: اگر اہلِ مشرق کہیں یا رسول اللہ یا اولیاء اللہ اور اسی طرح اہلِ مغرب یا رسول اللہ کہیں۔ شریعت ان پر کیا حکم لگاتی ہے؟ وہ لوگ مشرک ہیں یا کافر ہیں یا یہ گناہ صغیرہ یا کبیرہ ہے؟ یا مکروہ یا حرام ہے؟

جواب: غائب کے ندا کرنے میں نبی اور غیر نبی کا فرق ہے۔ اگر کوئی نبی کو ندا کرتا ہے صلوٰۃ وسلام کے پہنچانے کے طور پر تو ظاہراً یہ جائز ہے دو وجہ سے۔ اوّل یہ کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو شخص آنحضرت ﷺ کی ذات کے لئے صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے فرشتے اس کو آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ التحیات میں سلام پہنچانے کے لئے (اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ کے ساتھ) خطاب وارد ہوا ہے۔ پس اس بناء پر اگر کوئی شخص درود وسلام پہنچانے کی غرض سے یا رسول اللہ کہتا ہے تو یہ جائز ہے اور نبی کے علاوہ اور لوگوں کے بارے اس طرح وارد نہیں ہوا اس لئے ایسی ندا غیر نبی کے لئے ممنوع ہے اور اس سے روکنا چاہئے، اس لئے کہ قرآنِ کریم کی عمومی آیات اور نصوص جن کی تلاوت کی جائے گی وہ اس نہی کی دلیل ہیں اور اگر کوئی شخص غیر خدا کو اس اعتقاد سے پکارتا ہے کہ جب بھی مَیں ندا کروں گا وہ سنتے ہیں یا حاجات پورا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں یا جہان میں متصرف ہیں یا کارخانۂ خداوندی میں تدبر کی شرکت رکھتے ہیں سو ایسی صورت میں غیر خدا کو خدا تعالیٰ کا شریک بنانا ہے اور اسی چیز کے مٹانے کے لئے پیغمبر ﷺ مبعوث ہوئے تھے کہ کسی کو بھی علم غیب اور قدرت مطلقہ اور جہان کے کاموں کے تصرف میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنایا جائے سو غیر خدا کو اس طرح ندا کرنا موجب شرک وکُفر ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم کی آیات اور آنحضرت ﷺ کی احادیث اور فقہی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے اس مضمون کی آیات، احادیث اور فقہی عبارات نقل کی ہیں:

(۳) اختلافی مسائل میں ائمہ دین رحمہم اللہ اور علماء اسلام کا یہ طریق چلا آ رہا ہے کہ وہ اس پہلو کو جو اُن کے نزدیک راجح ہوتا ہے دلائل و براہین سے مبرہن کر دیتے ہیں اور علمی اور تحقیقی طور پر دُوسرے فریق کو متانت سے جوابات دیتے ہیں لیکن نہ تو ان کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ نفس مسئلہ کے نزاع واختلاف کا انکار کرتے ہیں لیکن مسلم قوم کی بدبختی اور قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی اعجاب کل ذی رأی برأیه بھی ہے اور اسی کے مطابق مؤلف "ندائے حق" وغیرہ کا انداز ہی سب سے نرالا ہے۔ پہلے تو انہوں نے مسئلہ سماع موتی کے اختلافی ہونے کا سرے سے انکار کیا اور پھر جو حضرات ان کے ساتھ شریک نہیں باجبر اور سینہ زوری سے اُن کو اپنی کاغذی کشتی پر سوار کر کے اپنا ہمنوا کر دکھایا جو ہرگز ان کے ساتھ نہیں (جیسا کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے) اور عدم سماع موتی کا تو قصہ ہی چھوڑ یئے اُنہوں نے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے قریب سے طلب شفاعت کو بھی بیک جنبش قلم شرک قرار دے دیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

اختلافی مسائل میں یہ طریقہ علم وانصاف سے کوسوں دُور ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی بعض عبارتیں بطور نمونہ عرض کر دیں تاکہ قارئین کرام اُن کی علمی تحقیق اور دیانت اور فقاہت فی الدین کا بخوبی اندازہ لگا سکیں۔

(ا) الاستفتاء اب کیا فرماتے ہیں سواتی برادران (یعنی ابوالزاہد محمد سرفراز، وصوفی عبدالحمید۔ صفدرؔ) اس بارے میں کہ جو شخص انبیاء کو خصوصاً نبی اکرم ﷺ کو قبر کے پاس جا کر پکارے اور کہتا ہے: ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ادع اللہ لی یارسول اللہ اسئلک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلمًا علٰی ملتک وسنتک السلام علیک یارسول اللہ من فلاں بن فلاں''

(بین السطور لکھتے چلو علم غیب بھی ثابت ہو گیا۔ معلوم نہیں کہ کسی کے پیغام پہنچانے سے علم غیب کیسے ثابت ہو گیا؟ صفدرؔ) یشفع بک الی ربک وغیر ذٰلک! وہ آیا مشرک ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے وہ مشرک ہیں۔ (بلفظہٖ ندائے حق ص ۲۹۷، ۲۹۸)

الجواب: یہ جتنے الفاظ ہیں یہ سب حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ وغیرہم کے ہیں جو مختلف عبارات سے درج ذیل کتابوں میں ہیں:

فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۸، فتاویٰ عالمگیری طبع مصر ج ا ص ۲۸۲، نور الایضاح ص ۱۹۱، طحطاوی ص ۴۰۶، کتاب الاذکار ص ۱۸۴، شرح شفاء لعلی القاری رحمہ اللہ ج ۳ ص ۵۲۰، زُبدۃ المناسک ص ۶۰، مولانا گنگوہی رحمہ اللہ اور فتاویٰ رشیدیہ (جس کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں) وغیرہ جن کے باقاعدہ حوالے ''تسکین الصدور'' میں درج ہیں۔ یہ سواتی برادران کی ایجاد نہیں بلکہ یہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے فرمودات ہیں اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے جس پکارنے کو شرک لکھا ہے وہ بالکل بجا اور درست ہے کہ صاحبِ قبر سے اپنی حاجت اور مُراد طلب کرے صاحبِ قبر سے مُراد مانگنے کا اور اس کی دُعا اور توسّل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مُراد مانگنے کا اُصولی طور پر فرق ہے، جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں اور متوسّلین نے بالآخر اس مسئلہ میں شدت اور غلو سے بھی کام لیا ہے اور دوسرے حضرات ان کی رائے کے پابند نہیں ہیں۔

بے مثل جواب

مؤلف ندائے حق نے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی واضح عبارات کا جو جواب دیا ہے وہ قابل دید ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضور ﷺ سے دُعاء استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس۔'' (ندائے حق ص ۳۱۱)

حضرات علماءِ کرام اور طلبۂ عظام نے روایتی اور درایتی، عقلی اور نقلی بے شمار جوابات ملاحظہ فرمائے ہوں گے لیکن مؤلف ندائے حق کا یہ انوکھا اور نرالا اور مجذوبانہ جواب ان کے معلومات میں اضافہ کرے گا۔ جو اس قابل ہے کہ اس کو سنہری حروف میں لکھ کر چڑیا گھر کے بڑے گیٹ پر آویزاں کیا جائے کہ انسانوں کے علاوہ بلبلیں اور طوطے وغیرہ جانور بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

قارئین کرام! اندازہ فرمائیں کہ جب ایسی معتبر کتابوں میں باغی گھس گئے (جو ممکن ہے کوریا یا ویت نام سے آئے ہوں یا ماؤ سے تعلق رکھتے ہوں) تو پھر ان دَرسی، مشہور اور متداول ومعتبر کتابوں کا خدا ہی حافظ ہے۔ نہ

معلوم ان میں باغیوں نے کیا کیا شگوفے کھلائے ہوں گے۔ ہاں! اگر یہ حوالے فتاویٰ غرائب (الغرائب فی تحقیق المذاہب) کے ہوتے تو پھر کیا مجال ہے کہ باغیوں کو اس میں گھسنے کا موقع مل سکتا؟ مگر شومئ قسمت کہ یہ تو فتح القدیر، عالمگیری، نور الایضاح وغیرہ معتبر کتابوں کے حوالے ہیں۔ پھر یہ کتابیں باغیوں کی دست برد سے کیسے اور کیونکر بچ سکتی ہیں۔ شائد مؤلف مذکور دل ہی دل میں سُر تال سے یہ پڑھتے ہوں ؎

تیرا جواب تو مَیں تھا میرا جواب نہ تھا

سبحان اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

(۲) ''نیز جو شخص بہاول حق یا معین الدین اجمیری یا داتا گنج بخش یا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کو دُور ونزدیک سے پکارے وہ مشرک ہے یا نہیں؟ اگر مشرک ہے تو اس میں کیا فرق ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو پکارے تو مؤحد، اگر ان تین کے علاوہ اوروں کو پکارے تو مشرک؟ یا نزدیک ودُور کا فرق کرتے ہو تو پھر فرمایئے کہ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مزار پر کھڑے ہو کر پکارے یا لات بزرگ کی قبر پر کھڑے ہو کر پکارے اور دُعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو کہ میرا فلاں کام ہو جائے، یہ شرک تھا یا نہ۔'' (ص ۲۹۸)

پہلے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ: ''حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع عند القبر میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیگر بزرگوں کے ساتھ اس سوال میں شریک کر کے اس کا فرق پوچھنا نری جہالت ہے۔ صرف پکارنے کا یہ معنیٰ کرنا کہ دُعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو۔'' سماع موتیٰ کے قائلین کے ہاں درست اور صحیح ہے اور منکرین کے ہاں لغو ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے اور اس طرح سے دُعا کرانا شرک نہیں ہے جیسا کہ فتاویٰ عزیزی کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے۔ باقی دُور ونزدیک کا فرق اس مسئلہ میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کمامرّ! اس سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر دینا کسی بھی ذی عقل وشعور کو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ ہاں! مجذوبوں کا معاملہ ہی جدا ہے۔

(۳) ''اب اگر قبر کے پاس جا کر صلحاء شہداء صدیقین اور انبیاء کو پکارنا اور ان کا شفعائنا عند اللہ ہونا محقق اور ثابت ہوتا ہے اور یہ اعتقاد شرک نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ استثناء فرما دیتے لیکن اس اہم استثناء سے خدا کے سکوت کی کیا وجہ؟ پھر اس قسم کی احادیث متواتر یا مشہور کیوں نہیں؟ پھر صحاح ستہ والوں نے کیوں نہیں لیا۔'' (ص ۲۹۹)

اس استدلال میں مؤلف مذکور نے جس سطحی ذہن سے کام لیا ہے اس کا علم وتحقیق سے کوئی واسطہ ہی نہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا بلا وجہ حجم بڑھانے اور وقت پاس کرنے کے لئے یہ دلیل پرویزؔ صاحب یا اُن کے کسی خوشہ چین سے مستعار لی ہے۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے رائے لینے کا محتاج نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بیان اور ارشاد فرمایا ہے وہ بالکل بجا ہے۔ معاملہ صرف سمجھنے کا ہے۔ غائبانہ طور پر کسی کو سفارشی بنانا تو اس شفعائنا عند اللہ کی مد میں آتا ہے لیکن زندگی میں کسی کو دُعا کے لئے سفارشی بنانا یا بعد از وفات قبر کے پاس سے کسی سے دُعا کی درخواست کرنا اور علی الخصوص حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے طلب شفاعت کرنا اس مد میں نہیں آتا۔ اگر یہ اس آیت کا مصداق ہوتا تو یہ آیت کریمہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے سامنے بھی تھی جنھوں نے ایمان وتقویٰ کی دولت

کے ساتھ دین کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کی ہے وہ ہرگز عند القبر شفاعت اور توسّل کی اجازت نہ دیتے اور بڑے بڑے ائمہ کرام رحمہم اللہ اور علماء ملّت جو سماع موتی کے قائل ہیں، بزرگانِ دین کی قبور پر دُعا کی اجازت نہ دیتے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نزدیک سے طلب سفارش اور دُعا کرانا اس آیت کے مفہوم میں ہرگز شامل نہیں ہے اور نہ شرک ہے۔ شرک اسی صورت میں ہے کہ دُور سے یہ کارروائی کی جائے جس سے علم غیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے جو شرک کی جڑ اور بنیاد ہے۔ پھر مؤلف مذکور کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بے شمار حلال و حرام اور عبادات و احکام وغیرہ کے مسائل ایسے ہیں جو قرآن کریم اور احادیث متواترۃ اور مشہورہ سے ثابت نہیں ہیں اور نہ صحاح ستہ والوں نے ایسی احادیث کی تخریج کی ہے لیکن حضرات فقہاء کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ ان پر بھی کاربند ہیں اور صحاح ستہ سے خارج اور صحیح حدیثوں کو بھی وہ لیتے ہیں جو اُصول اور قواعد کے مطابق صحیح ہیں اور ان کو وہ مسترد نہیں کر دیتے۔ الحمدللہ تعالیٰ کہ یہ مسئلہ سواتی برادران کی ایجاد و اختراع نہیں ہے بلکہ سواتی برادران دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ اور اپنے اکابر کے دامن سے وابستہ اور ان کے خوشہ چین ہیں ؎

اولٰئک آبائی فَجِئْنِیْ بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اِس فتویٰ کی اصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب دُعا اور استشفاع نہ فرض ہے اور نہ واجب اور نہ سُنّتِ مؤکدہ بلکہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کے فتویٰ کے رُو سے صرف جائز ہے۔ اس میں بھی بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور اس مسئلہ میں ان کے پیروکار اور بعض دیگر حضرات جواز کے بھی قائل نہیں ہیں۔ باقی حنفی، مالکی اور شافعی وغیرہ مسلک والے حضرات اکثر اس کے جواز کے قائل ہیں اور ظاہر بات ہے کہ ایسے فروعی مسئلہ کے لئے کسی قطعی دلیل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بلکہ فی الجملہ اس کا جواز مطلوب ہوتا ہے اور اس کا اصل جواز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے جس پر خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مہر تصدیق ثبت ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا اور اس کی وجہ سے بے حد تکلیف پیش آئی۔ گاؤں کا رہنے والا ایک شخص (اعرابی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ حضرت آپ کی اُمت نہایت تکلیف میں ہے اور اس کی ہلاکت و بربادی کا خطرہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائے۔

آپ کی قبر مبارک کے پاس دُعا کر کے یہ شخص چلا گیا۔ رات کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے ملے اور یہ فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور اُس سے میرا اسلام کہو اور یہ خبر دے دو کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ بارش ہو گی اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہہ دو کہ وہ عقلمندی کو لازم پکڑے۔

صبح ہوئی تو وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب کا یہ سارا ماجرا اُن کو سُنا دیا۔ یہ خبر سُن کر (مارے خوشی کے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا کہ: "میرے رب جو چیز میرے بس میں ہے اس کے بارے میں تو کبھی میں نے کوتاہی نہیں کی۔" (طبری ج ۴ ص ۹۸، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۷، شفاء السقام ص ۱۳۰ اور وفاء الوفاج ۲ ص ۴۲۱)

اور یہ روایت ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (تحریرات حدیث ص ۲۵۵) میں بھی نقل کی ہے۔ (طبری ج ۴ ص ۹۹) اور البدایہ والنہایہ وغیرہ کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ خواب دیکھنے والے یہ اعرابی بزرگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بن الحارث المزنی (المتوفی ۶۰ھ) جلیل القدر اور مشہور صحابی تھے۔ انہوں نے جس وقت یہ خواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں تمہاری طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر اور قاصد ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا؟ فرمایا (البارحۃ) کہ گزشتہ رات، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع کے سامنے پیش کیا۔

- فقالوا اصدق بلال رضی اللہ عنہ (طبریٰ والبدایہ والنہایۃ وغیرہ) تو اُنہوں نے کہا کہ بلال رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں۔

یہ واقعہ ۱۷ھ کے آخر یا ۱۸ھ کی ابتداء کا ہے (طبری والبدایہ) اور مؤرخ عبدالرحمن بن خلدون رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۸ھ) اس کو حتمی طور پر ۱۸ھ کا بتاتے ہیں۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶۹) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور علامہ سمہودی رحمہ اللہ تینوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲، فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۱) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی پوری سند بھی نقل کی ہے۔ اس صحیح روایت سے مؤلف ندائے حق کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا کہ آپ اپنے مطالعہ کے زور سے ذخیرۂ احادیث میں سے ایک حدیث ایسی دکھادیں جس میں یہ ہو کہ صحابہ کرام بعد وفات النبی آپ سے استشفاع واستغفار کراتے تھے۔ (ندائے حق ص ۱۳۶)

الغرض یہ واقعہ صحیح سند کے ساتھ تاریخ اسلام کی معتبر کتابوں میں بالسند مذکور ہے جن میں احادیث کا خاصا ذخیرہ ہے۔

اس واقعہ اور صحیح روایت سے ذیل کے فوائد صراحت کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں:

(۱) یہ واقعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے تقریباً آٹھ سال بعد کا ہے جس میں بکثرت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

(۲) خواب دیکھنے والا کوئی مجہول اور محض اعرابی اور جنگلی شخص نہ تھا جیسا کہ (شفاء الصدور ص ۱۰۲، اقامۃ البرہان ص ۲۹۵) میں ان کو صرف اعرابی کہہ کر گلو خاصی چاہی ہے اور (ندائے حق ص ۳۰۳) میں تو یہ لکھ کر حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی پھبتی اُڑائی ہے کہ: ''یہ جمہور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو۔'' بلکہ یہ واقعہ جلیل القدر اور مشہور صحابی حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

(۳) قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر اس طرح طلب دُعا اور استشفاع شرک اور بدعت نہیں ورنہ ایک جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

(۴) یہ واقعہ نرے خواب ہی کا نہیں تاکہ یہ کہہ کر اس کو ٹال دیا جائے جیسا کہ ہمارے کرم فرماؤں نے یہ کیا ہے) کہ خواب پر مدارِ دین نہیں بلکہ اس خواب کو بیداری میں خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید اور تصویب حاصل ہے۔ اگر سُنّۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ عنہم کی مد میں ہو کر اس کارروائی کو سُنّت کا درجہ حاصل نہ ہو تو استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہو سکتا ہے؟ اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بھی تو جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے گو بعض حضرات نے منکرین کے رَدِّ عمل کے طور پر اس کی تاکید بھی کردی ہے مگر فرض اور واجب تو نہیں کہا۔

(۵) اس واقعہ کی تائید و تصویب میں تنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی متفرد نہیں بلکہ دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بلا نکیر اس کی تائید فرمائی ہے۔ فَقَالُوْا اَصَدَقَ بِلَالٌ رضی اللہ عنہ

(۶) یہ واقعہ کسی نص اور شرعی قاعدہ سے متصادم نہیں ہے۔ اگر اس سے کسی نص یا کسی شرعی اصل پر زد پڑتی تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علی الخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو رَد کر دیتے اور یہ فرما دیتے کہ یہ واقعہ قرآن کریم کی فلاں اور فلاں آیت یا آیات کے خلاف ہے اس لئے یہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح قرآنِ کریم کی سمجھ اُن حضرات کو حاصل تھی وہ بعد میں آنے والوں کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو قرآن کریم کی کسی نص کے خلاف نہیں سمجھا تو سمجھ لیجئے کہ اب اگر کوئی شخص اس واقعہ کو قرآن کریم کی کسی نص کے خلاف سمجھتا یا بتاتا ہے تو یقیناً وہ غلطی پر ہے اور اس کا نظریہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

(۷) اور اس واقعہ کی صحت کے لئے اُمت کی اکثریت کا تعامل بھی ایک واضح قرینہ ہے جس پر ہر مسلک اور ہر طبقہ سے متعلق کروڑوں حضرات اب تک اس پر عمل پیرا ہیں اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کا فتوائے جواز بھی ساتھ شامل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ؎

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

اعتراض: مؤلف ''ندائے حق'' راقم کی تالیف ''راہِ سنّت کی متعدد عبارات سے بزور اپنا مطلب کشید کرتے ہوئے اور اپنے حواریوں کو خوش کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ''حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ متبادر از لفظ سیرت کہ مضاف بقومے باشد ہمیں است کہ آں سیرت در ایشاں مُروّج باشد نہ آں کہ کسے از ایشاں طریق ندرت برآں سیرت باشد۔ (آگے چل کر فرماتے ہیں) نیز بفتوائے رأس العلماء (راقم کے پاس جو نسخہ ہے اس میں رئیس العلماء کے الفاظ درج ہیں۔ صفدرؔ) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرّہ کہ استمداد را بمعنی طلب دُعا از اموات از جنس بدعات شمردہ اند باوجود آنکہ صاحب استیعاب روایت کردہ کہ در زمانِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اعرابی طلب دُعاء و استسقاء از مزار مبارک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نمودہ پس باوجود تحقیق ایں اُمر مذکور در آں قرن بنابر آنکہ مُروّج دراں قرن نہ گردیدہ از بدعات شمردہ اند۔''

(ایضاح الحق الصریح فی احوال المیت والضریح ص ۷، ۸ (مع ترجمہ اُردو ص ۱۳) ندائے حق ص ۱۱۹)

الجواب: اس واقعہ کو بدعت کہہ کر اس سے رُستگاری حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

اوّلاً: اس لئے کہ یہ واقعہ نرے اعرابی کا نہیں ہے بلکہ اس کو بلانکیر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید حاصل ہے۔ کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ واقعہ سُن کر اس کی تصدیق و تائید کرنا اور خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تصویب بدعت ہوگی؟

ثانیاً: جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان مبارک میں مسجد نبوی کے اندر الگ الگ جماعتوں میں نماز تراویح پڑھنے والوں کو ایک ہی قاری اور امام پر جمع کر دیا تھا اور پھر یہ ارشاد فرمایا تھا: نعمت البدعۃ ہٰذہ۔ یعنی یہ بدعت اور ایجاد کیا ہی اچھی ہے۔ ظاہر اُمر ہے کہ اس مقام پر لفظ بدعت صرف لغوی طور پر بولا گیا ہے۔ اسی طرح عبارت میں بھی بدعت سے نو ایجاد مراد ہے نہ کہ وہ شرعی بدعت جس کی تردید احادیث صحیحہ اور شرعی دلائل سے ثابت ہے۔ کیونکہ اگر یہ شرعی بدعت ہوتی تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ اس کی ہرگز تائید و تصویب نہ فرماتے۔ اُن کی تائید ہی اس اُمر کی دلیل ہے کہ یہ بدعت لغوی ہے نہ کہ شرعی۔

وثالثاً: ایسا لگتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمہ اللہ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی اصل عبارت (یہ بات تحریر فرماتے وقت) ملاحظہ نہیں کی بلکہ اپنے حافظہ پر بھروسہ کرکے ان کا حوالہ دے دیا ہے۔ہم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی اصل عبارت مع ترجمہ عرض کرتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

سوال: از انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام وشہداء عظام وصلحاء رحمہم اللہ عالی مقام بعد موت شان استمداد بایں طور کہ یا فلاں ازحق تبارک وتعالیٰ حاجت مرا بخواہ وشفیع من شو دُعا برائے من بخواہ درست است یا نے؟

سوال: حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام وشہداء عظام وصلحاء عالی مقام سے بعد وفات کے اس طور سے استمداد درست ہے یا نہیں کہ اے فلاں بزرگ اللہ تعالیٰ سے میری حاجت روائی کے لئے آپ عرض کریں اور میری سفارش کریں اور میرے لئے دُعا کریں۔

جواب: استمداد از اموات خواہ نزدیک قبور باشد یا غائبانہ بے شبہ بدعت است۔در زمان صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نبود لیکن اختلاف است درآں کہ بدعت سیۂ است یا حسنہ؟ ونیز حکم مختلف می شود باختلاف طرق استمداد اگر استمداد بایں طریق است کہ در سوال مذکور است۔پس ظاہراً جواز است زیرا کہ دریں صورت شرک نمی آید مانند استمداد از صلحاء بدعا والتجاء درحال حیات واگر بنوع دیگر است۔پس حکم آں موافق آن خواہد بود ودر حدیث برائے روان شدن حاجت ایں قدر آمدہ است عن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ قال ان رجلاً ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع الله ان یعافینی فقال ان شئت صبرت فھو خیر لک قال فادعہٗ قال فامرہ ان یتوضأ فیحسن الوضوء ویدعو بھذا الدعاء اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی اتوجہ بک الٰی ربی لیقضی لی حاجتی ھذہ اللھم فشفعہ فِیَّ رواہ الترمذی وکذافی المشکوٰۃ۔ (فتاویٰ عزیزی فارسی ج ۱ ص ۸۸، ۸۹)

جواب: استمداد اموات سے بلاشبہ بدعت ہے خواہ قبر کے پاس استمداد کی جاوے یا غائبانہ ہووے۔صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں یہ اَمر نہ تھا لیکن اس میں اختلاف ہے کہ استمداد کرنا بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیئہ ہے اور طریقۂ استمداد کے مختلف ہونے سے استمداد کے بارے میں حکم بھی مختلف ہوتا ہے تو اگر استمداد اس طریقے سے کیا جاوے جو سوال میں مذکور ہے تو ظاہراً جائز ہے۔اس واسطے کہ اس صورت میں شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بزرگوں سے بحالتِ حیات استمداد کرنا اس طور سے جائز ہے کہ ان سے عرض کیا جاوے کہ درگاہِ الٰہی میں میری حاجت روائی کے لئے آپ دُعا والتجا کریں اور اگر اموات سے استمداد کسی دوسرے طریقے سے ہو تو اس طریقے کے موافق حکم ہوگا اور حدیث شریف میں حاجت روائی ہونے کے لئے اس قدر آیا ہے یعنی روایت ہے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے کہ ایک شخص نابینا خدمت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ دُعا کریں اللہ تعالیٰ سے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو شفاء بخشے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو دُعا کروں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے تو اُنہوں نے عرض کیا کہ آپ دُعا کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ وضو کرو اور احتیاط سے وضو کرو اور یہ دُعا کرو: اَللّٰھُمَّ آخر حدیث تک یعنی اے پروردگار سوال کرتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری جانب بذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث رحمت کے لئے ہوئے ہیں مَیں متوجہ ہوا آپ کے ذریعے سے اپنے پروردگار کی طرف تا کہ پروردگار میری یہ حاجت پوری فرما دیوے۔اے

پروردگار آنحضرت ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ایسا ہی مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ (ترجمہ: اُردو فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۸۷، ۱۸۸)

اس تفصیلی عبارت سے معلوم ہوا کہ استمداد کا جو طریقہ سوال میں مذکور ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ﷫ اس کو جائز کہتے ہیں۔ جب یہ صورت ان کے نزدیک جائز ہے تو پھر یہ بدعت سیئہ کیسے ہوگی؟ واضح بات ہے کہ ان کے نزدیک یہ صورت بدعت حسنہ کی ہے اور ہم نے راہِ سنت میں بقدر ضرورت اس پر بحث کی ہے کہ جو حضرات بدعت حسنہ کا اطلاق کسی جائز اَمر پر کرتے ہیں تو وہ چیز اصل میں جائز اور ثابت ہوتی ہے۔ صرف تعبیر کا فرق ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال بن الحارث ﷛ کا یہ واقعہ حضرت شاہ صاحب ﷫ کے پیشِ نظر نہیں ہے۔ ورنہ وہ بدعت کا لفظ بھی گو حسنہ ہی سہی، ہرگز نہ بولتے۔ حضرت عثمان بن حنیف ﷛ کی مذکور حدیث کا ماخذ اور اس کی دیگر روایتی اور درایتی بحث ہم نے تسکین الصدور میں کر دی ہے۔

مسئلہ استشفاع

آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلبِ مغفرت کی سفارش کرانے کا ثبوت بہت سے حضرات فقہاء کرام ﷭ سے ثابت ہے۔ (جیسا کہ مولانا گنگوہی ﷫ نے اجمالاً ان کے حوالہ سے اس کا جواز نقل فرمایا ہے) اور ذیل کی کتابوں میں (جن کی بقدر حاجت عبارتیں ہم نے تسکین الصدور میں عرض کر دی ہیں) ان کی عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ فتح القدیر، فتاویٰ عالمگیری، رسائل الارکان لبحر العلوم، وفاء الوفاء، نور الایضاح طحطاوی، لباب المناسک المسلک المتقسط، کتاب الاذکار للنووی ﷫، الایضاح فی مناسک الحج لہٗ اور شرح شفاء ملّا علی القاری ﷫ وغیرہ!

علّامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفی ﷫ لکھتے ہیں کہ: ’’وقد اطبق الائمة الحنفية علٰى سنية زيارة النبى ﷺ و زيارة صاحبيه ﷠ والسلام عليهم و طلب الشفاعة منهم‘‘ (المنحۃ الوھبیۃ ص ۱۲، طبع استنبول)

بلاشبہ حضرات ائمہ حنفیہ ﷭ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے دو ساتھیوں (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ﷠) کی زیارت کرنا اور ان کو سلام کہنا اور ان سے طلبِ شفاعت کرنا مسنون ہے۔

اس طلبِ شفاعت کا نہایت اخلاص و عقیدت کے ساتھ ذکر حضرت مولانا گنگوہی ﷫ نے اپنی کتاب (زبدۃ المناسک ص ۱۴۱) میں بھی کیا ہے۔ فقہی طور پر ایسے فروعی مسئلہ کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ثبوت درکار ہے؟

گلوخلاصی

ہمارے کرم فرماؤں نے حضرات فقہاء کرام ﷭ کی ان صریح عبارات سے رُستگاری اور گلوخلاصی کے لئے ایک طریق تو یہ اختیار کیا ہے کہ ان کو قرآنِ کریم کی ان آیات سے جا ٹکرایا ہے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) جن میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے مگر اہل علم جانتے ہیں کہ عند القبر طلب دُعا اور استشفاع کے وہ آیات ہرگز منافی نہیں ہیں۔ اگر استشفاع کی اس صورت میں کسی بھی قرآنی آیت سے تعارض پیدا ہوتا تو حضرات فقہاء کرام ﷭ کا دینی طور پر نہایت ہی محتاط طبقہ ہرگز اس کی اجازت نہ دیتا۔ یہ طریق محض عوام کو کچھ دِکھانے یا اُلجھانے کے لئے ان حضرات نے اختیار کر رکھا ہے اور مسئلہ زیر بحث سے ان آیات کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا مختصر طریق جو انہوں نے اختیار کیا ہے، علم دوست احباب کے سامنے اس کو نہ پیش کرنا بھی ایک گونہ ظلم اور بُخل ہوگا۔ مؤلف ندائے حق کا یہ حوالہ بمع جواب کے پہلے گزر چکا ہے۔ ''بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس۔'' بلفظہٖ اور مؤلف ''اقامۃ البرہان'' کا جواب بھی اس سے کم درجہ کا نہیں ہے۔ وہ ''فتاویٰ رشیدیہ'' کی عبارت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''فتاویٰ رشیدیہ کے مرتب سے یہاں سہو نہیں ہوا اور یہ الفاظ واقعی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ہی کے ہیں تو اس کے بارے میں بادب گزارش ہے کہ اُصولی طور پر اس دلیل سے اتفاق مشکل ہے۔'' (اقامۃ البرہان ص ۲۹۴) عرض ہے کہ یہ عبارت واقعی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی ہے۔ اس لئے کہ حضرت نے ''زبدۃ المناسک'' میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور وہ حضرت کے اپنے ہاتھ مبارک کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ اس میں کسی مرتب کا کوئی دخل نہیں ہے۔'' یہ جواب تو ''فتاویٰ رشیدیہ'' کی عبارت کا انہوں نے دیا۔ اب ان کا وہ جواب بھی ملاحظہ کریں جو بقیہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کو دیا ہے۔ ''باقی رہا فقہاء کا لکھ دینا تو یہ جواز کے لئے کافی نہیں کیونکہ یہ قول متاخرین کا ہے اور ان کو مذہب میں ایک نیا قول ایجاد کرنے کی اجازت نہیں۔ قبر مبارک تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین کے زمانے میں بھی موجود تھی مگر انہوں نے قبر مبارک پر شفاعت مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی اس لئے ان متاخرین کا قول حجت نہیں۔'' (اقامۃ البرہان ص ۲۹۵)

محترم! حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے صدق بلال رضی اللہ عنہ کہہ کر اس واقعہ کی تصدیق کی۔ یہ تو متاخرین میں سے نہیں ہیں اور کیا یہ ان حضرات کا قول بھی جواز کے لئے کافی نہیں ہے؟ اور پھر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کا مسلک آپ زیادہ جانتے ہیں یا حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ، حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ مرتبین فتاویٰ عالمگیری اور علامہ بحر العلوم وغیرہ حضرات؟ اور پھر یہ بھی بتایا جائے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ سے بصراحت کس کتاب کے حوالہ سے یہ ثابت ہے کہ اُنہوں نے قبر مبارک پر شفاعت مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی؟ بات تو صرف اتنی ہے کہ ان حضرات نے ایک رائے قائم کر رکھی ہے اور یہ اس کو کسی قیمت پر چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں خواہ اس میں ان کی جمہور سے ٹکر ہو یا متاخرین سے متقدمین سے معرکہ ہو جائے یا دیگر طبقہ کے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ سے۔ خود حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ سے اختلاف ہو یا اپنے ہی دیوبندی اکابر سے۔ بہرکیف بقول ان حضرات کے ان کا ان سے اتفاق مشکل ہے۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اعجاب کل ذی رأی برأیہ بھی ہے اور اس پُرفتن دَور میں ہم نے بہت سے لوگوں کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ ان لوگوں کا علمی اور تحقیقی طور پر فرض ہے کہ وہ اپنے قائم کردہ اُصول کے مطابق متقدمین سے بصراحت یہ ثابت کر دیں کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صاحبین رضی اللہ عنہما سے استشفاع درست نہیں۔ باقی رہے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ، علامہ ابن الہادی رحمہ اللہ اور امام ابن رجب رحمہ اللہ وغیرہ حضرات، تو ایک تو یہ متاخرین میں شامل ہیں۔ ان کا قول بلا دلیل حجت نہیں۔ پھر اس مسئلہ میں یہ فریق ہیں۔ لہٰذا مجوزین کے نزدیک ان کی بات حجت نہیں ہے۔ جب کہ وہ جمہور ہیں اور قرآن وحدیث ان کا مستدل ہے۔

توسّل اور عند القبور طلب دُعا کا منظم طور پر انکار

خیر القرون سے دُور ہونے کے بعد عموماً مسلم قوم قرآن وسنت سے غفلت کی وجہ سے بہت کچھ برائیوں میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس میں توحید وسنت کی جگہ شرک و بدعت سرایت کر گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبر پرستی کا عام رواج ہو گیا اور جہالت کی وجہ سے کچھ لوگ حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ کو حاجت رَوا اور مشکل کشا سمجھنے لگے اور ان کی قبروں پر حاضر ہو کر ان سے مُرادیں مانگنے لگے۔ اپنے دَور میں قوم کی اصلاح کی خاطر منظم طریقہ پر توسّل، استشفاع عند القبور اور زیارۃ القبور کا رَد اور انکار حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ اور متوسّلین نے شروع کیا۔ ابتداء میں ان حضرات کے فتوے نہایت نرم اور لہجہ بڑا معقول وموزوں تھا اور وہ قبور کے پاس حاضر ہو کر مُردوں سے طلب دُعا کے بارے میں محض اتنا ہی کہتے رہے کہ یہ طریقہ قرآن وسنت اور ائمہ اربعہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے ثابت نہیں ہے اور یہ کارروائی ان میں سے کسی نے نہیں کی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس سے آگے بڑھے اور اس طریقہ کو صرف ذریعۂ شرک قرار دیا۔

چنانچہ خود امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی تحریر فرماتے ہیں: ”فنھی اللہ سبحانہ عن دعاء الملائکۃ والانبیاء مع اخبارہ لنا ان الملائکۃ یدعون لنا و یستغفرون ومع ھذا فلیس لنا ان نطلب ذٰلک منھم وکذلک الانبیاء والصالحون وان کانوا احیاء فی قبورھم وان قدر انھم یدعون للاحیاء وان وردت بہ آثار فلیس لاحد ان یطلب منھم ذٰلک و لم یفعل ذلک احد من السلف لان ذٰلک ذریعۃ الی الشرک بھم و عبادتھم من دون اللہ تعالٰی بخلاف الطلب من احدھم فی حیاتہ فانہ لا یفضی الی الشرک“

(القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسّل والوسیلۃ ص ۱۳۹، ۱۴۰)

ترجمہ: ”پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرات ملائکہ اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو پکارنے سے منع فرمایا ہے۔ باوجود اس خبر دینے کے کہ حضرات ملائکہ علیہم السلام ہمارے لئے دُعا اور مغفرت چاہتے ہیں۔ تاہم ہمیں ان سے طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حضرات انبیاء کرام اور صالحین علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہونے کے باوجود اور یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ زندوں کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کے متعلق حدیثیں بھی آئی ہیں، کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ ان سے کچھ طلب کرے۔ حضرات سلف رحمہم اللہ میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا ہے کیونکہ ”ایسا کرنے سے ان کے ساتھ شرک کا ذریعہ بن جاتا ہے“ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے پوجا ہونے لگتی ہے بخلاف زندگی میں کسی سے حاجت طلب کرنے میں کیونکہ یہ فعل شرک کی طرف نہیں لے جاتا۔“

صرف نظر اس سے کہ جو حضرات عند القبور طلب دُعا کے قائل ہیں وہ بھی دُور دَراز مقامات پر غیر اللہ تعالیٰ کو پکارنے کو شرک کہتے ہیں اور اس پکارنے کی نہی کو وہ دُور سے مقید کرتے ہیں تاہم اس عبارت میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایسی کارروائی کو اپنے خیال میں صرف شرک کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور اس پر عین شرک کا فتویٰ صادر نہیں کرتے اور دلائل وبراہین پر نگاہ رکھتے ہوئے اس سے زیادہ فتویٰ اس پر لگ بھی نہیں سکتا۔ اِلّا یہ کہ کوئی جاہل توحید کے زرّیں اُصول کو چھوڑ کر دامِ شرک میں مبتلا ہو کر خالص شرکیہ کارروائی شروع کر دے تو معاملہ جُدا ہے لیکن جب ان حضرات کے اس مسلک کو بعض علاقوں میں کچھ پذیرائی ہوئی تو عام مسلمانوں کی طرف سے اس کا شدید ردِعمل بھی

ہوا۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اور ان کے خیالات و نظریات کے پُرجوش حامی (جو پہلے ان کے شدید مخالف تھے) شیخ شہاب احمد بن محمد مری الحنبلی رحمہ اللہ نے قاہرہ میں ۷۲۵ھ میں توسّل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسئلہ زیارت کے متعلق اپنے اُستادِ محترم حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی حمایت کی تو فقہاء وقت نے اُن کی سخت مخالفت کی، ابن مری رحمہ اللہ کو پیٹا گیا اور قاضی القضاۃ تقی الدین احنائی المالکی رحمہ اللہ نے ان کو اس بدعقیدگی کے جرم میں قید کی سزا دی۔ کچھ دن قید رہے پھر جلا وطن کر دیئے گئے۔ (ذیل العبر للذھبی رحمہ اللہ حالات ۷۲۵ھ کو بحوالہ اصلاح الاخوان مؤلفہ سید شیخ داؤد آفندی رحمہ اللہ ص ۹۸ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۶۵۷،۵۵۲)

اسی طرح جب ۷۲۶ھ میں زیارت قبور اور توسّل، وسیلہ اور استغاثہ کے مسئلہ کی وجہ سے ہنگامہ ہوا تو حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنے اُستاد کے خیالات ہی کی پُرزور حمایت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق کی حکومت نے انہیں بھی گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ استاد کی وفات کے بعد ۲۰/ذوالحجہ ۷۲۸ھ کو اُن کو قید سے رہائی ملی۔

(امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۶۴۹، ۶۵۰، از افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری)

جب ان پر یہ تشدد ہوا تو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طبیعت میں شدت اور حدت تو تھی ہی ان کے فتوے میں بھی شدت آ گئی اور جس چیز کو پہلے وہ یوں تعبیر کرتے تھے کہ یہ حضرات سلف رحمہم اللہ سے ثابت نہیں یا یہ ذریعۂ شرک ہے۔ اس کارروائی کو وہ آخر میں صریح شرک سے تعبیر کرنے لگے۔ جس کا اثر قدرتی طور پر ان کے تلامذہ اور متوسّلین پر بھی ہوا اور یہ حضرات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلبِ دُعا اور طلبِ شفاعت کرنے کو صریح الفاظ میں شرک سے تعبیر کرنے لگے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم، علامہ ابن الہادی، حافظ ابن رجب اور امام بدرالدین بعلی رحمہم اللہ وغیرہ اسی نظریہ کے قائل ہیں اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا بھی اس مسئلہ کے بارے میں وہی نظریہ ہے جو ان حضرات کا ہے۔ گویا اس مقام پر آ کر رائے وتحقیق کے سلسلہ میں دو راستے ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ ہے جس پر جمہور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ (عام اس سے کہ وہ مالکی ہوں یا حنفی، شافعی ہوں یا حنبلی) مگر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بعد اکثر حنبلی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نظریہ کے حامل ہیں) گامزن ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے اور سب ہی طبقوں کے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مناسک اور فقہ کی کتابوں میں قبر مبارک کے پاس استشفاع کو جائز کہا ہے اور پھر اس کا طریقہ بتایا ہے کچھ تفصیل تسکین الصدور میں ملاحظہ فرمائیں اور اس مسئلہ میں صحیح رائے حضرات جمہور ہی کی ہے کیونکہ ید اللہ علی الجماعۃ۔ یہ الگ بات ہے کہ مؤلف ندائے حق وغیرہ انہیں جمہور زنبور کہہ کر ان سے اپنی خواہش کے مطابق چھٹکارا حاصل کر لیں۔

تفردات

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کئی علمی اختیارات وتفردات ہیں، جو ان کے فتاویٰ کی چوتھی جلد کے ساتھ کتابی شکل میں منسلک ہیں اور فتاویٰ میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً یہ کہ سجدۂ تلاوت کے لئے وضو ضروری نہیں۔ (فتاویٰ ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی تین طلاقیں صرف ایک ہی ہوتی ہے اور یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی اور یہ کہ ہر بڑے چھوٹے سفر میں قصر اور دوگانہ ضروری ہے۔ (فتاویٰ ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ اگر کوئی شخص عمداً نماز

چھوڑ دے تو اس کی قضاء نہیں اور یہ کہ توسّل درست نہیں اور اسی طرح استشفاع عند القبر جائز نہیں۔ وغیرہ وغیرہ! اور اسی قسم کے اختلافی مسائل کی وجہ سے ان کو حکومتِ وقت اور عوام اور علماء کی طرف سے خاصی دِقت پیش آئی اور کئی مرتبہ قید و بند سے دو چار ہوئے اور صعوبتیں اُٹھائیں مگر اپنے نظریات سے اُنہوں نے رجوع نہیں کیا اور تا دمِ مرگ ان پر سختی سے کاربند اور مُصر رہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کئی فتوؤں میں متفرد ہیں جن کی وجہ سے اُن کی عزت خطرے میں پڑ گئی اور یہ فتوے ان کے علم کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے دَرگزر کرے اور ان سے راضی ہو۔ مَیں نے ان جیسی شخصیت نہیں دیکھی اور جب کہ (بجز جناب رسول اللہ ﷺ کے) ہر ایک کی بات کو لیا بھی جا سکتا ہے اور ترک بھی کیا جا سکتا ہے تو پھر ان کی لغزشوں سے کیا ہوا؟

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۷۹)

راقم الحروف ان کی بہت سی کتابوں سے مستفید ہوا ہے اور ان کا بڑا مداح اور ان کے بے شمار علمی اور مجاہدانہ کارناموں کا قائل ہے لیکن ان کے تفردات میں ان کا حامی نہیں ہے اور اس میں مسلکِ اعتدال راجح اور قوی نظریہ جمہور ہی کا ہے اور راقم بھی جمہور کے ساتھ ہے۔

طبیعت میں شدّت و حِدّت

اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو اپنے دَور میں علم و اصلاح اور جہاد وغیرہ بہت سی نعمتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا اور وہ اپنے زمانہ میں اپنا نظیر اور اپنی مثال خود تھے مگر فطری طور پر ان کی طبیعت میں بے حد حدت اور شدّت تھی۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ’’طبیعت میں حدت اور شدّت تھی اس کے باوجود ان کے اندر حلم اور بُردباری بھی تھی۔‘‘ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۱، و امام ابن تیمیہ ص ۵۸۱)

اور نیز لکھا ہے کہ: ’’ان کی بحث و تکرار میں بہ تقاضائے بشریت غیظ و غضب میں حِدّت اور تیزی پیدا ہو جاتی تھی۔‘‘ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۱ و البدر الطالع ج ۱ ص ۶۵ و امام ابن تیمیہ ص ۶۰۳)

افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں کہ: ’’امام موصوف کی طبیعت میں تیزی اور حدت و شدّت زیادہ تھی۔ جب کوئی کام خلافِ شریعت ہوتا ہوا نظر آتا تو بگڑ جاتے تھے۔‘‘ (امام ابن تیمیہ ص ۵۸۶)

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک مقام میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: ’’اما الحافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فانه و ان نسب الزیادة و النقصان الی امامنا رحمہ اللہ لکن فی طبعه سورة و احدة فاذا اعطف الی جانب عطف و لا یبالی و اذا تصدی الی احد تصدی و لا یحاشی و لا یؤمن مثله من الافراط و التفریط فالتردّد فی نقله لهذا‘‘ (فیض الباری ج ۱ ص ۵۹)

ترجمہ: ’’بہر حال حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اگرچہ ایمان کی زیادت اور نقصان کی نسبت ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کی ہے لیکن اُن کی طبیعت میں تیزی اور حدت ہے۔ وہ جب کسی کی طرف جھکتے ہیں تو اسی طرف کے ہو رہتے ہیں اور پرواہ نہیں کرتے اور جب کسی کے درپے ہوتے ہیں تو درپے ہی رہتے ہیں اور پرہیز نہیں کرتے۔ سو ایسی شخصیت سے افراط و تفریط غیر متوقع نہیں ہوتی، اس لئے ان کی نقل میں تردّد ہے۔

اور دُوسرے مقام پر اُن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: "واذا تاول ابن تیمیة رحمہ اللہ فی مثل هذه الالفاظ فما ذا یصنع فی قوله حُسبت علیّ بتطلیقة فانه صریح فی عبرتها إلّا انه من طریقته انه اذا مَرَّ بلفظ لایسوغ فیه تأویلہ یغمض عنه" (فیض الباری ج ۴ ص ۳۱۰)

ترجمہ: "مان لیا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان جیسے الفاظ کی تاویل کرتے اور کر سکتے ہیں لیکن یہ تو بتائیں کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کیا کریں گے کہ بحالتِ حیض میری دی ہوئی طلاق کا اعتبار کیا گیا۔ یہ قول تو صراحت سے دلالت کرتا ہے کہ بحالتِ حیض دی ہوئی طلاق کا اعتبار کیا گیا مگر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ جب کسی ایسے لفظ پر آتے ہیں جس میں اُن کی تاویل نہیں چلتی تو وہ اس سے آنکھیں ہی بند کر لیتے ہیں۔

یہ روایت (بخاری ج ۲ ص ۷۹۰ اور مسلم ج ۱ ص ۴۷۶) میں ہے جس میں تصریح موجود ہے کہ بحالتِ حیض طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ صراحت حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے اور مسلک کے خلاف ہے، اس لئے وہ اس میں تاویلات سے کام لیتے ہیں، مگر حُسِبَتْ علیّ بتطلیقة کے صریح ارشاد سے گلو خلاصی نہیں کرا سکے۔ غالباً علامہ ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو ایسے ہی موقع پر ایک طویل خط میں تنبیہ فرمائی کہ اے کاش! صحیحین کی حدیثیں تم سے بچی رہتیں۔ تم تو ہر وقت تضعیف واہدار یا تاویل وانکار سے ان پر حملہ کرتے رہتے ہو۔ (زغل العلم ص ۱۷، ۱۸، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۶۱۱) بلکہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے (زغل العلم ص ۳۲) اور اپنے رسالہ النصیحۃ الذہبیۃ لابن تیمیۃ رحمہ اللہ میں ان کو خاصا کوسا ہے اور یہاں تک لکھا ہے کہ عقلمندوں کی جماعت ان کو محقق فاضل اور متبدع قرار دیتی ہے۔ (امام ابن تیمیہ ص ۶۰۸)

امام ابن حجر المکی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۷۴ھ) نے الجواہر المنظم میں اور علامہ تقی الدین الحصنی رحمہ اللہ نے دفع الشبہ میں ان کو گمراہ تک کہا ہے۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۳۳۱) حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۴۷) میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی تعبیر اختیار کی جس سے جسمیت کا شبہ ہوتا ہے۔ امام سبکی رحمہ اللہ اس سے برہم ہو کر اپنے طویل قصیدہ نونیہ میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو صریح گالی دینے سے بھی باز نہیں آئے۔

ایک شعر یہ ہے ؎

كذب ابن فاعلة يقول بجهله   الله جسم ليس كالجسمان

(طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۲)

یہ بڑوں کی آپس میں معاصرانہ یا ناقدانہ باتیں ہیں۔ ہمارے لئے سبھی حضرات قابل قدر ہیں اور معاذ اللہ تعالیٰ ہمارا مقصد ان حوالوں سے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی توہین وتنقیص نہیں ہے۔ بتانا صرف یہ ہے کہ کئی مسائل میں وہ منفرد ہیں اور ان مسائل میں ان کے شاگردوں اور مخصوص متوسّلین کے بغیر اور کسی نے ان کی ہم نوائی نہیں کی اور طبیعت کی شدت اور حِدّت کی وجہ سے وہ ان پر مصر بھی رہے۔ لہٰذا جمہور کا ساتھ چھوڑ کر ایسے نظریات میں ان کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا حق جمہور کے ساتھ ہی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس کی نیت سے سفر

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے جمہور کے ساتھ اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بقول ان کے دور دراز سے آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری کی نیت سے سفر نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں! مسجد نبوی کا قصد کیا جاسکتا ہے اور وہاں پہنچ کر پھر روضۂ اقدس کی زیارت بھی کی جاسکتی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کو اختیار کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر درست نہیں ہے۔ ہاں! جو قبریں آبادی سے ملحق ہوں ان کی زیارت کرنا وہ مستحب سمجھتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ''جنت البقیع'' وغیرہ کی قبروں کے قریب ہونے کی بناء پر زیارت کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مذہب کی نقل کرنے میں لوگوں نے خطاء کی ہے۔ (بایں طور کہ ان کا مذہب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ وہ مطلقاً زیارت قبور ہی کے منکر ہیں دُور ہوں یا نزدیک، حالانکہ وہ قریب سے زیارت کے قائل ہیں)

علامہ ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے دُور سے کوچ اور سفر کرنے اور رخت سفر باندھنے سے منع کرتے ہیں اور قریب سے زیارت قبور کو جائز قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں حضرات متقدمین رحمہم اللہ میں سے صرف چار بزرگ موافق ہیں۔ ان میں سے ایک الجوینی رحمہ اللہ (امام ابو محمد عبداللہ بن یوسف الشافعی رحمہ اللہ المتوفی ۴۳۸ھ) والد امام الحرمین رحمہ اللہ (ابوالمعالی عبدالملک الشافعی رحمہ اللہ المتوفی ۴۷۸ھ) بھی ہیں اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جب یہ مسئلہ اختیار کیا تو وہ مصائب اور تکالیف میں مبتلاء ہوگئے اور امام تقی الدین السبکی رحمہ اللہ نے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے رَد میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام'' ہے اور میں نے اس میں کوئی جدید اور تازہ کوئی شئے نہیں دیکھی۔ وہ ضعیف روایات کی تقویت کے درپے رہے ہیں۔ پھر امام ابن الہادی رحمہ اللہ نے علامہ سبکی رحمہ اللہ کے رد میں کتاب لکھی جس کا نام ''الصارم المنکی علی نحر السبکی'' رکھا اور اس نے اپنی تصنیف میں عمدگی کا ثبوت دیا ہے۔ پھر ان کے رَد میں علامہ ابن علان (احمد بن ابراہیم المکی الشافعی النقشبندی رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۳۳ھ) نے کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے ''المبرد المبکی علی الصارم المنکی'' رکھا۔ (نہایت افسوس ہے کہ سعودی حکومت نے، جس پر نجدی علماء کے خیالات کا غلبہ ہے، جو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مسلک کے پیرو ہیں، اس کتاب کا داخلہ ہی حجاز میں ممنوع قرار دے دیا ہے جیسا کہ ''شامی'' جیسی مفید کتاب ممنوع الدخول ہے اور ''الصارم المنکی'' اور اسنی المطالب وغیرہ کتابوں کی بکثرت اشاعت کرتے ہیں اور یہ ہر کتب خانہ سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ صفدرؔ) اور طرفین سے سلسلہ تالیف وتصنیف جاری رہا اور جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی زیارت جائز ہے اور اعلیٰ درجہ کی نیکیوں میں شمار ہے اور نہی شد رحال کی حدیث کے مختلف جوابات جمہور کی طرف سے دیئے گئے ہیں ان میں سے بہتر وہ جواب ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری ج ۳ ص ۵۳ میں) اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے (عمدۃ القاری ج ۳ صفحہ ۳۸۲ میں) دیا ہے اور دونوں کا مستدل وہ روایت ہے جو (مسند احمد ج ۳ ص ۶۴) میں ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے کہ اس میں نماز پڑھی جائے۔ (یعنی مستثنیٰ منہ عام نہیں بلکہ صرف مسجد ہے۔ صفدرؔ) رہی اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل تو وہ یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ حضرات السلف

الصالحین رحمہم اللہ سے آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس کی طرف ان سے سفر ثابت ہے اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار اس سے کوئی تسلی بخش اور شافی جواب نہیں دے سکے۔ باقی ان کا یہ جواب کہ حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ مسجد نبوی کی طرف سفر کیا کرتے تھے اور روضۂ مطہرہ کی طرف ان کا سفر نہ ہوتا تھا، ایک بناوٹی بات ہے۔ (فقول مصنوع) اس لئے کہ حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ کے سفر کی غرض صرف مسجد نبوی ہی ہوتی تو وہ حضرات مسجد نبوی کی طرح مسجد اقصیٰ کا سفر بھی اسی اہتمام سے کرتے۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان حضرات سے اس کا کوئی شافی جواب نہیں بن سکا۔

مسئلہ: حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ کی قبور کی زیارت کے لئے دُور دراز سے سفر کرنے کے لئے، جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں معمول بن چکا ہے، صاحب شریعت (آنحضرت ﷺ) یا صاحب مذہب (یعنی مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) یا مشائخ سے نقل اور حوالہ کی ضرورت ہے اور دُور دراز قبروں کی زیارت کا گاؤں اور شہر کے قریب قبروں کی زیارت پر قیاس کرنا جائز اور درست نہیں ہے کیونکہ قریب کی قبور کے لئے کوئی سفر ہی نہیں ہوتا۔ (العرف الشذی ص ۱۶۳) میں ہے۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۳۳۵) میں بھی ہے۔

دیو بندی مسلک کے حضرات، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ حضرت نے کیا فرمایا ہے؟ اور خصوصیت سے مؤلف ندائے حق وغیرہ جنھوں نے الصارم المنکی کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ''قد اجاد'' کا جملہ ہی پلّے باندھ لیا ہے اور آگے سب عبارت ہڑپ کر لی ہے اُن کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے صرف ان کی عالمانہ تحریر کی داد دی ہے نہ کہ ان کے دلائل کی۔ اسی لئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بار بار فرماتے ہیں کہ جمہور کی دلیل کا شافی اور تسلی بخش جواب نہ تو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ دے سکے ہیں اور نہ اُن کے پیروکار۔

محقق العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا السید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُستاد محترم نے فرمایا کہ جو مسلک حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اس کی طرف ان سے قبل چار عالم گئے ہیں۔ ایک ان میں ابو محمد الجوینی رحمہ اللہ والد امام الحرمین رحمہ اللہ ہیں اور دوسرے ان میں قاضی عیاض المالکی رحمہ اللہ ہیں اور تیسرے ان میں قاضی حسین الشافعی رحمہ اللہ ہیں جیسا کہ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے۔ راقم (یعنی حضرت مولانا بنوری صاحب) کہتا ہے کہ ان حضرات سے جو چیز منقول ہے وہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کی زیارت کے لئے، زندہ ہوں یا مُردہ، اور اسی طرح متبرک مقامات کی طرف بقصد تبرّک سفر کرنا اور وہاں نماز پڑھنا منع ہے۔ جیسا کہ فتح الباری وغیرہ میں ہے اور ان حضرات سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے خصوصیت سے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت سے منع کیا ہو۔ ہاں! ان کے نزدیک لفظ صالحین کے عموم میں یہ بھی داخل ہو تو الگ بات ہے۔ بلکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے کلمات ان کی کتاب ''الشفاء'' میں جمہور کے موافق ہیں اور بحث وتمحیص کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکار اس مسئلہ میں متفرد ہیں۔ اگر چہ ان کے بعض اقوال میں جمہور اُمت اور تمام ائمہ کے مقابلہ میں کچھ لوگ ان کے موافق بھی ہیں اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ایک تھوڑا سا طائفہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مسلک کے موافق ہے تو ہو لیکن یہ ایک ایسا قول تھا جس کا نشان آفاق میں اوراق کے گوشوں کے اندر پوشیدہ تھا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے نئے سرے سے اس مُردہ مسئلہ کو قبر سے اُٹھا باہر لا کھڑا کیا ہے اور اس کی وجہ سے اُمت میں فتنے کا ایک نیا

دروازہ کھل گیا ہے اور اسی لئے یہ مسئلہ بھی ان کے دیگر شاذ مسئلوں کی طرح شاذ اور ان کا تفرد ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ تقی الدین الحصنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دفع الشبہ میں ایسی ہی تحقیق کی ہے جس کی میں گمان کرتا تھا۔ (دفع الشبہ ص ۹۷) اور اس کے بعد) سو انہوں نے تحقیق کی کہ امام ابو محمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف سفر کو حرام نہیں کہتے۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ بے شمار محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے مشروع ہونے پر بلا اختلاف اجماع ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ اس تحقیق کے بعد حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے اور اس اجماع کو قاضی عیاض المالکی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور اس مسئلہ میں اجماع کی مخالفت کی وجہ سے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ طرح طرح کے مصائب اور شدائد میں مبتلاء ہوئے، جیسا کہ الدرر الکامنہ میں ہے۔'' (معارف السنن ج ۳ ص ۳۳۰، ۳۳۱)

اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کی اس تاویل کا کہ مدینہ طیبہ جانے والے مسجد نبوی کا قصد کرتے ہیں (یا کریں) اور اس کے بعد روضۂ اقدس کی حاضری کا رَد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ المسجد الحرام جو جمہور کے نزدیک مسجد نبوی سے زیادہ افضل ہے، جس میں مسجد نبوی میں پڑھی ہوئی نماز سے کئی گنا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نماز کے مساوی ہے اور میری مسجد میں ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو نماز کے برابر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۷، حدیث حسن)

پھر کیا وجہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ محض نماز پڑھنے کے لئے المسجد الحرام کی اعلیٰ فضیلت چھوڑ کر مسجد نبوی کی ادنیٰ فضیلت حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے اور تکلیفیں اُٹھاتے رہے؟ اور پھر مسجد اقصیٰ کے سفر کا بھی انہوں نے کوئی خاص اہتمام نہ کیا۔ حالانکہ بعض روایات میں ان دونوں کا درجہ برابر آیا ہے۔ الغرض اگر حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی برائے زیارت حاضری مقصود نہ ہوتی تو صرف مسجد نبوی کے اس اہتمام کا کیا معنیٰ؟ اور کیا مقصد؟ (محصلہ معارف السنن ج ۳ ص ۳۳۴)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس غلو اور شدت کے مقابلہ میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر زیارت کی نیت سے حاضر ہونے کو افضل قربات بلکہ قریباً واجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ محقق احناف ابن الہمام (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں: ''المقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من افضل المندوبات وفی مناسک الفارسی وشرح المختار انھا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ''

(فتح القدیر ج ۱ ص ۵۸۹، طبع ہند)

ترجمہ: ''تیسرا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت۔ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ تمام مستحبات میں سے افضل ہے اور مناسک فارسی اور شرح مختار میں ہے کہ صاحب استطاعت کے نزدیک واجب کے قریب ہے۔

ان سلجھے ہوئے فقہی الفاظ میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور اس مسئلہ میں ان کے متوسلین کا رَد ہے اور جمہور کے مسلک کی پُرزور تائید ہے اور امام ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''اتفاق الائمہ رحمہم اللہ'' میں تصریح فرمائی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اتفاق ہے کہ قبر نبوی کی زیارت سب سے بہتر کاموں میں سے ہے۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام مدنیؒ ج اوّل ص ۱۲۰)

باب اوّل

سماع موتی کے بعض دلائل

اس مسئلہ کے اثبات پر قدیماً وحدیثاً متعدد عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں مگر ہمارا مقصد اس مقام پر تمام دلائل و براہین کا استیعاب و احاطہ نہیں اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے بلکہ بعض دلائل پیش کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ قائلین سماع موتی بھی بحمد اللہ تعالیٰ قوی دلائل سے لیس ہیں اور ان کے دعویٰ، مسلک اور دلائل و براہین کا کلیۃً انکار کر دینا فہم و بصیرت اور علم و انصاف سے یکسر دُور ہے۔ ہاں! اختلافی مسائل میں اپنے پسندیدہ مسلک کو دلائل سے مبرہن کر کے ترجیح دینا اور انصاف و دیانت کے ساتھ علم وتحقیق کی روشنی میں فریق ثانی کو جواب دینا ایک خالص علمی خدمت ہے۔ جس کو اہلِ علم حضرات انجام دیتے رہتے ہیں۔ وَالْعِصْمَةُ بِيَدِ اللهِ تعالىٰ وَحْدَهٗ!

پہلی دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۳ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "العبد اذا وضع فی قبره وتولی و ذهب اصحابه حتّٰی انه لیسمع قرع نعالهم اتاه ملکان" (الحدیث بخاری ج ۱ ص ۱۷۸، واللفظ لہ ومسلم ج ۲ ص ۳۸۶ وابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۹، ۳۰۴، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۸۰، مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۸۷، طبع حیدر آباد دکن، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۶، شرح السنۃ ج ۵ ص ۴۱۵)

بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اُس کے ساتھی اس سے چلے جاتے ہیں۔ ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ ہی سن رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں۔

اور (مستدرک ج ۱ ص ۳۸۰) کی روایت میں جس کے علیٰ شرط مسلم صحیح ہونے پر امام حاکم رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ دونوں متفق ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "والذی نفسی بیده انه لیسمع خفق نعالهم حین یولّون عنه"

"اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے جس وقت لوگ اس سے واپس ہوتے ہیں۔"

اور یہ روایت (موارد الظمآن ص ۱۹۶) میں بھی ہے اور (شرح السنۃ ج ۵ ص ۴۱۳) میں ان المیّت یسمع حِسّ النعال اذا ولوا عنه الناس مدبرین کے الفاظ ہیں۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ مُردہ دفن کے بعد قبر میں قبر سے واپس ہونے والے لوگوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ اور آواز سُنتا ہے اور جب یہ سُنتا ہے تو انسانوں کی آواز بطریق اولیٰ سنتا ہے۔ تسکین الصدور میں باحوالہ ٹھوس دلائل کے ساتھ یہ بات ہم نے بیان کردی ہے کہ جمہور اہل السنت والجماعت کے نزدیک قبر کی راحت اور عذاب رُوح اور جسم دونوں سے وابستہ ہے اور منکر ونکیر (نافرمانوں کے لئے اور مبشر و بشیر فرماں برداروں کے لئے) (کذا فی فتح الباری ج ۳ ص ۴۸۰) کے آنے سے قبل ہی اس میں اعادۂ رُوح ہو جاتا ہے اور اسی موقع پر مُردہ جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے۔

اسی سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وقد ثبتت الاحادیث بما ذهب الیه الجمهور کقوله انه یسمع خفق نعالهم و قوله تختلف اضلاعه لضمة القبر و قوله یسمع صوته اذا ضربه بالمطراق و قوله یضرب بین اذنیه و قوله فیقعدانه و کل ذٰلک من صفات الاجسام''

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۴، طبع مصر)

''جمہور کے مسلک کے مطابق احادیث ثابت ہیں مثلاً یہ کہ مُردہ دفن کرنے والوں کی واپسی پر ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے اور یہ کہ قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں اور یہ کہ اس کو جب ہتھوڑے سے پیٹا جاتا ہے تو اس کی آواز سُنی جاتی ہے اور یہ کہ جب اس کے دونوں کانوں کے درمیان گرز ماری جاتی ہے اور یہ کہ منکر ونکیر اُس کو بٹھاتے ہیں تو یہ جملہ اُمور اجسام کی صفات ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مُردہ کے لئے سماع قرع نعال ثابت ہے اور یہ حقیقت پر محمول ہے، کوئی مجاز و کنایہ نہیں اور دیگر اُمور کی طرح اس میں بھی مُردہ کے جسم کا تعلق ہے یہ محض رُوح ہی سے وابستہ نہیں ہے اور حضرت امام محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے اس سلسلہ میں صحیح بخاری میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے باب المیّت یسمع خفق النعال (ج۱ ص۱۷۸)

اس کی شرح میں علّامہ بدر الدین محمود العینی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں: ''ای هذه باب یذکر فیه المیّت یسمع خفق نعال الاحیاء و خفق النعال صوتها و دوسها علی الارض''

(عمدة القاری ج ۴ ص ۱۵۷، طبع مصر)

ترجمہ: ''یعنی یہ باب ہے جس میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ مُردہ زندوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے اور خفق النعال کا معنی جوتیوں کی آواز اور ان سے زمین کو روندنا ہے۔''

یہ عبارت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مُردہ زندوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہ مسلک ہے۔ حضرت ملّا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ''وقال ابن الملک ای صوت دقّها وفیه دلالة علی حیوة المیّت فی القبر لان الاحساس بدون الحیوة ممتنع عادةً و اختلفوا فی ذٰلک فقال بعضهم یکون باعادة الروح و توقّف ابو حنیفة رحمہ اللہ فی ذٰلک اهـ و لعل توقف الامام فی ان الاعادة بجز البدن او کله'' (مرقات ج۱ ص۱۹۸، طبع ملتان)

علّامہ ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''قرع نعال سے جوتیوں کی زمین پر پڑنے کی آواز مراد ہے اور اس حدیث میں مُردہ کے قبر میں زندہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ زندگی کے بغیر عادۃً احساس ممتنع ہے اور اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زندگی اعادۂ رُوح کے ساتھ ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس میں توقف کیا ہے۔'' شاید کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا توقف اس بات میں ہو کہ اعادۂ روح جزو بدن کی طرف ہے یا کُل کی طرف۔ (نفس اعادہ میں توقف نہیں)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ سمع قرع نعال سے حقیقت مراد ہے کہ مُردہ سچ مچ دفن کر کے واپس جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے۔ اس حدیث کا یہی مطلب و مُراد صحیح ہے اور جمہور شراح حدیث نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے جیسا کہ آپ نے بعض حوالے دیکھ لئے ہیں۔ بعض حضرات نے اس حدیث سے سرعت اتیان

ملائکہ مُراد لی ہے۔ کمامرّ عن الکوکب الدری! لیکن یہ تو خود حدیث میں مصرح اور منصوص ہے جیسا کہ (بخاری ج ا ص ۱۷۸ وغیرہ) کی روایت میں اِس کی تصریح ہے: ''حتّٰی انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان'' یعنی مُردہ ابھی قرع نعال کی آواز سُن ہی رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے پاس دو فرشتے آ پہنچتے ہیں۔ اس صراحت کے ہوتے ہوئے سمع قرع نعال کے جملہ سے سرعتِ اتیانِ ملائکہ بطور کنایہ مراد لینے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا مؤلف کا (ندائے حق ص ۱۵۲) میں یہ لکھنا باطل ہے کہ: ''اور قرع نعال والی حدیث بھی آپ نہیں پیش کر سکتے کیونکہ وہ حدیث ماؤل ہے۔'' تاویل کی وہاں ضرورت پیش آتی ہے حقیقت جہاں متعذر ہو لیکن یہاں حقیقت ہی متعین ہے جیسا کہ شراح حدیث کے جمّ غفیر نے اس کی تصریح فرمادی ہے۔

اعتراض: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ اس سے فرشتوں کی جلد آمد مراد ہے اور یہ سُرعتِ اتیان ملائکہ سے کنایہ ہے۔ (ملاحظہ ہو الکوکب الدری ج ا ص ۳۱۹، تقریر الجہوی رحمۃ اللہ علیہ علی مسلم ص ۶۳)

جواب: علم حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے جانتے ہیں کہ حدیث پڑھاتے وقت اساتذہ کرام اختلافی مسائل میں ہر مسئلہ اور ہر گروہ کی عقلی و نقلی دلیل کو تفصیلاً یا اجمالاً بیان کیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلم اور ترمذی کے درس کے موقع پر حضرات منکرین سماع موتی کی طرف سے یہ معنی بیان کیا ہوگا کہ وہ اس حدیث کی تصریح یوں کرتے ہیں جس کو لکھنے والے حضرات نے اپنے بیاض میں جمع کرلیا ہے۔ لیکن اس سے قطعی طور پر یہ ثابت کرنا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مُردہ کو دفن کرنے کے بعد اس کے سماع کے کلیۃً منکر ہیں، بالکل غلط ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۰، ۱۱) کا ایک سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

سوال: جب سماعِ موتی کے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ قائل نہیں ہیں، پھر فقہاء حنفیہ تلقین میت کو کیوں تحریر فرماتے ہیں؟

الجواب: مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے۔ کیونکہ اوّل زمانۂ قریب دفن کے بہت سی روایات (جن میں ایک حدیث قرع نعال والی بھی ہے۔ صفدرؔ) اثبات سماع کرتی اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (عدمِ سماعِ موتی پر آئی ہیں، مثلاً فتاویٰ غرائب وغیرہ کا حوالہ) صفدرؔ شاذ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم!

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصریح کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اُن کے نقطۂ نظر سے حدیث سمع قرع نعال وغیرہ احادیث کی تاویل کرتا ہے تو اُس کی تاویل کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔ عقلمندوں نے پہلے ہی یہ بات کہہ دی ہے کہ ؎ ''خُذْ مَاصَفَا وَدَعْ مَاکَدَرْ''

دوسری دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۷ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون''

(مسلم ج ا ص ۱۲۶، ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۵، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۰، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۰۵)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مُردوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا سلام ہو تم پر اے مؤمنوں کی بستی میں رہنے والو اور بلاشبہ ہم بھی اِن شاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں۔''

اور اسی مضمون کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۱۳، مسند احمد ج ۶ ص ۷۶، نسائی ج ۱ ص ۲۲۲، ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۱۲، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۹، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۴، شرح السنۃ للبغوی رحمہ اللہ ج ۵ ص ۴۷۱)

اور اسی مضمون کی روایت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً مروی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمھم اذا خرجوا الی المقابر" (مسلم ج ۱ ص ۳۱۴، ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۱۲، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۹، مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۳، ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸، طبع ملتان و شرح السنۃ للبغوی رحمہ اللہ ج ۵ ص ۴۶۸)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب وہ قبرستان میں جائیں (تو ان الفاظ سے انہیں سلام کہا کریں)"

اور تعلیم کے الفاظ کے بغیر نفس سلام کہنے کی ان کی روایت (نسائی ج ۱ ص ۲۲۲، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۷۹، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۴) میں موجود ہے اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۵، و قال حسن غریب و مسند احمد، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۴) اور اسی مضمون کی روایت حضرت بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ عنہ (المتوفی) سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰، وقال رواتہ ثقات) اور اسی مضمون کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۶۰) ان کی سندیں اگرچہ کمزور ہیں، مگر اُصولِ حدیث کے رُو سے پہلی صحیح روایات کی تائید ان سے ہو سکتی ہے۔ ان الفاظ اور اس انداز سے مُردوں کو سلام کہنے کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خطاب کے اہل ہیں اور سلام کہنے والوں کا سلام سنتے ہیں۔ اسی لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی مُردوں کو سلام کہا اور اُمّت کو اس کی تعلیم بھی دی کہ وہ بھی جب قبرستان میں جائیں تو اس طرح ان کو سلام کہا کریں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "والسنۃ ان یقول الزائر السلام علیکم" (تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۳۷) سے اس طرح سلام کہنے کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: "وثبت عنہ صلی اللہ تعالٰی لامتہ اذا سلموا علٰی اھل القبور ان یسلموا علیھم من یخاطبونہ فیقول المُسَلِّم السلام علیکم دار قوم مؤمنین وھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا ھذا الخطاب لکانوا بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد والسلف مجمعون علٰی ھذا وقد تواترت الاثار عنھم بان المیت یعرف بزیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ" (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمّت کے لئے یہ حکم ثابت ہے کہ وہ جب اہل قبور کو سلام کرے تو اس طرح سلام کرے جس طرح مخاطب سے سلام کیا جاتا ہے۔ سو سلام کہنے والا کہے۔ اے مؤمنوں کی بستی میں رہنے والو! تم پر سلام ہو اور یہ خطاب اس کو ہے جو سنتا اور جانتا ہے۔ اگر اُن کو یہ خطاب نہ ہوتا تو اس میں وہ ایسے ہوتے جیسے معدوم و جماد اور سلف صالحین رحمہم اللہ کا اس پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ اُن سے آثار مروی ہیں کہ جب کوئی زندہ مُردہ کی زیارت کے لئے آتا ہے (اور اسے سلام کہتا ہے تو اُس کی آواز سے) مُردہ اُس کو پہچان لیتا ہے اور اس کی آمد سے وہ خوشی محسوس کرتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لئے کئی روایات اور آثار نقل کئے اور پھر لکھتے ہیں کہ: "وقد شرع السلام علی الموتی والسلام علٰی من لم یشعر ولا یعلم بالمُسَلِّم محال" (ج ۳ ص ۴۳۹)

''بے شک مردوں پر سلام کہنا مشروع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا، جو سلام کہنے والے کا نہ تو شعور رکھتا ہو اور نہ علم محال ہے۔''

اور اس بحث کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ: ''فهذا السلام والخطاب والنداء لموجود يسمع ويخاطب ويعقل ويرد وان لم يسمع المسلّم الرد والله تعالى اعلم'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۹)

''پس یہ سلام و خطاب اور ندا اس موجود کو ہے جو سنتا ہے اور اس سے خطاب کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دے سکتا ہے۔ اگرچہ سلام کہنے والا میت کے جواب کو نہیں سنتا اور اللہ تعالیٰ ہی خوب اور بہتر جانتا ہے۔''

ان صحیح احادیث اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے اجماع و اتفاق کے پیش نظر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا یہ بیان اور تشریح خالص حق ہے، اور شرعی طور پر اس میں ذرہ بھر بھی افراط و تفریط نہیں ہے۔

ابنِ کثیر کی یہ عبارت الحاقی ہے؟

مؤلف نے (ندائے حق ص ۲۹۱، ۲۹۲) میں بلا وجہ اس پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ: ''ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ عبارت الحاقی ہے کیونکہ یہ عبارت ابن کثیر رحمہ اللہ جیسے محقق کی نہیں ہے جو مفضی الیٰ الشرک ہے بلکہ یار لوگوں کا الحاق ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ ص ۴۴۵ حاشیہ) پر کسی خدا کے بندے نے صاف لکھ دیا ہے کہ: ''من ههنا الى الآيات التالية زيادة من النسخة المكية وهو غير موجود فى النسخة الاميرية''

اللہ اس لکھنے والے کے درجے بلند کرے جس نے ابن کثیر رحمہ اللہ کے سر سے الزام اُتارا۔ صاحب تسکین الصدور پر تعجب ہے کہ وہ حاشیہ کی اس عبارت سے اغماض کرتے ہیں۔ اس محشی رحمہ اللہ کی عبارت سے ہمیں اپنے شیخ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے قول کی تصدیق ہو جاتی ہے جو آپ نے اپنی خود نوشت تفسیر بے نظیر میں تحریر فرمایا ہے ہر نبی کو خداوند کریم نے یہ حکم دیا کہ خاص اللہ کو پکارو اور کتابوں میں بھی یہی حکم بھیجا۔ باغیوں نے خلاف کیا اور لکھ دیا جن کو اُن کا لکھا مل گیا۔ ان کو شک پڑ گیا، لیکن علماء ثقات نے بیان فرما دیا کہ یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے۔ ان کے بیان کرنے کے بعد جھگڑا غیر مقبول ہے وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ اب جو شخص خلاف قرآن کے لکھا ہوا دکھا دیوے اُس کو کہو یہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اگر جس کی طرف وہ نسبت کرتے ہیں، وہ مقبولِ الٰہی ہے کہہ دو اس کی طرف کسی باغی نے نسبت کی ہے۔ اگر آیت الٰہی کے مقابلے میں صحیح حدیث لائیں کہ مطلب اس حدیث کا آیت کے مخالف ہو تو کہہ دو ہم ظاہر معنی والی آیت کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ اس کا معنی علماء کرام بیان کریں گے اگر تاویل صحیح معلوم ہو سکے تو بیان کرے، نہیں تو علماء کرام کے بیان پر حوالہ کرے۔ (تفسیر بے نظیر ص ۸۸، ۸۹ بحوالہ ندائے حق)

الجواب: ابن کثیر رحمہ اللہ یہ عبارت لکھنے میں متفرد نہیں۔ ابھی ان شاء اللہ العزیز حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کا حوالہ بھی آ رہا ہے۔ تفسیر ابن کثیر طبع کرنے والوں کے پیش نظر طباعت کے وقت غالباً دو نسخے تھے۔ ایک مکیہ اور دوسرا امیریہ، امیریہ کے نسخہ سے کاتب کی غفلت سے یہ عبارت چھوٹ گئی ہوگی اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے مکیہ کے نسخہ سے اس عبارت کو نقل کر دیا جو ابن کثیر رحمہ اللہ ہی کی ہے اور اس کے الحاقی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ راقم اثیم کے پیش نظر تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ کے دو نسخے ہیں ایک وہ جس کے حاشیہ پر معالم التنزیل ہے جو ''مطبع المنار'' مصر میں طبع ہوئی ہے اور دوسرا وہ نسخہ ہے جو معالم التنزیل کے بغیر ہے جو مطبع ''دار الاحیاء الکتب العربیة عیسی البابی

الحلبی و شرکاء'' نے طبع کرایا ہے۔ان دونوں نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے اوران نسخوں میں مکہ کے نسخہ پر ہی اعتماد کیا گیا ہے۔مؤلف مذکور کا یہ جواب نری دفع الوقتی ہے اوراس پر ان کا ضمیر بھی ضرور ان کو ملامت کرتا ہوگا۔ (بشرطیکہ اجیر خاص بن کر ضمیر کہیں گروی ہی نہ رکھ چکے ہوں) یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سلام علی القبور نہ تو شرک ہے اور نہ مفضی الی الشرک ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی قبور پر سلام کہا اور اُمت کو اس کی تعلیم بھی دی، جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے اور تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس مفصل عبارت میں (جو مکتبۂ امیریہ میں چھوٹ گئی ہے) بھی احادیث اور آثار پر ہی بنیاد رکھی گئی ہے جہاں نہ قیاس کا دخل ہے اور نہ کسی بناوٹ و تصنع کا، اور نہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے، اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت ﷺ ہرگز سلام علی القبور نہ کہتے اور نہ اس کی اُمت کو تعلیم دیتے۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ بالکل بجا ہے مگر مؤلف مذکور بڑے مجذوب ہیں۔ انہوں نے اس غیر متعلق حوالہ کو یہاں جوڑ دیا ہے۔قرآن کریم اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کے خلاف جو کچھ کسی نے لکھا ہوگا وہ ضرور باغیوں نے لکھا ہوگا۔مگر نہ تو اہل قبور کو سلام کہنا، ان کو ممنوع طریقے سے پکارنا ہے اور نہ یہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کے عین مطابق اور اُس کی تعمیل ہے۔اس کے الحاقی ہونے کا وہم بھی نہیں ہوسکتا۔مؤلف مذکور نے جس کتاب کا حوالہ اپنے مزاج مبارک اور اپنی فہم کے خلاف دیکھا ہے۔ بے موقع اور بے محل اور بلا ضرورت حضرت مرحوم کے اس حوالہ کو اکسیر اور اُمرت دھارا سمجھ کر استعمال کیا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ:''وقد شرع النبی ﷺ لامتہ اذا سلموا علی اھل القبور ان یسلموا علیھم سلام من یخاطبونہ فیقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین و ھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا ذٰلک لکان ھذا الخطاب بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الاخبار عنھم بان المیت یعرف زیارۃ الحی لہٗ ویستبشر بہ'' (کتاب الروح ص ۴،طبع حیدرآباد دکن)

ترجمہ:''تحقیق آنحضرت ﷺ نے اپنے اُمتیوں کے لئے یہ مشروع قرار دیا ہے کہ وہ جب اہل قبور کو سلام کریں تو اُن سے ایسے انداز سے سلام کریں جیسے مخاطب سے کیا جاتا ہے اور یہ خطاب ان سے ہے جو سنتے اور سمجھتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ خطاب معدوم اور جماد سے ہوتا۔حالانکہ سلف صالحین رحمہم اللہ کا اسی پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے یہ خبریں منقول ہیں کہ مُردہ اس زندہ کو (آواز سے) پہچانتا ہے جو اُس کی زیارت کے لئے آتا ہے اور مُردہ کو اس سے خوشی بھی ہوتی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اپنے دَور میں مؤحدین کے سربراہ تھے اور جس چیز کے بارے میں ان بزرگوں کو ادنیٰ سا وہم بھی ہوجاتا تھا کہ یہ شرک یا ذریعۂ شرک ہے اس کا صاف اور صریح الفاظ میں، جاندار الفاظ میں بے باک قلم سے بلاخوف لومۃ لائم رَد کر دیتے تھے اور اس میں کسی مصلحت یا خطرہ کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ان مؤحدین حضرات کا یہ اقرار ہی نہیں بلکہ واضح عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ثابت کرنا کہ سماع موتی حق ہے۔اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شرعی دلائل کے پیش نظر اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔امام ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ احادیث السلام علی القبور کو ثابتہ متواترۃ کہتے ہیں اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ بھی ان کے اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الروح ص ۱۲۴)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''سماع المیۃ لِلاصوات من السلام والقرأۃ حق اقتضاء الصراط المستقیم'' (ص ۱۸۱، طبع مصر)

ترجمہ: ''مُردے کا سلام وقرأت کی آوازوں کو سننا حق ہے۔''

حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''فان سائر الاموات ایضاً یسمعون السلام والکلام''

''بے شک تمام مُردے بھی سلام وکلام سنتے ہیں۔'' (یعنی یہ سماع صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی کی خصوصیت نہیں ہے) (مرقات ج ۲ ص ۲۱۰)

علامہ محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) ''السلام علیکم یا اھل القبور'' کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: ''و فیہ انھم یعلمون بالمَار بھم و سلامہ علیھم و الالکان اضاعۃ'' (سبل السلام ج ۲ ص ۱۵۷، طبع مصر)

''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مُردوں کے پاس سے گزرنے والوں اور ان کو سلام کہنے والوں کو مُردے (ان کی آواز سے) پہچانتے ہیں۔ ورنہ انہیں سلام کہنا ایک بے ہودہ حرکت ہوتی۔''

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) السلام علیکم کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

''اشارۃ الی انھم یعرفون الزائر ویدرکون کلامہ و سلامہ''

''اس میں اشارہ ہے کہ مُردے زیارت کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور اس کے کلام وسلام کا ادراک وشعور رکھتے ہیں۔'' (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) بانیٔ دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ:

''سماعِ اموات کے قصہ میں اوّل تو یہ معروض ہے کہ یہ اُمر قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ دوسرے ضروریات دینی اور عقائدِ ضروریہ میں سے نہیں۔ اس کی تنقیح قرار واقعی تو بعد مرگ ہی معلوم ہوگی۔ اگر بعد مرگ ہم نے اوروں کا سلام و پیام سُن لیا، سماع نہیں تو عدم سماع متحقق ہو جائے گا۔ علاوہ بریں طرفین میں بڑے بڑے اکابر ہیں۔ اگر ایک طرف میں بالکل ہو رہیئے تو کسی نہ کسی طرف والوں کو بُرا سمجھنا پڑے گا۔ اس لئے اہل اسلام کو یہ ضروری ہے کہ ایسے مسائل میں خواہ مخواہ ایسے پکے نہ ہوں بیٹھیں کہ دوسری طرف کو بالکل باطل نہ سمجھ لیں جب یہ بات گوش گزار خدام ہو چکی تو اب سنئے اپنے خیال نارسا کے موافق سمع اموات حدِ اسماع سے تو پرے ہے پر استماعِ اموات ممکن ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تو اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس کے سلام اہلِ قبور مسنون کر دیا۔ اگر استماع ممکن نہیں تو پھر یہ بے ہودہ حرکت یعنی سلام اہلِ قبور ملحدوں کی زبان درازی کے لئے کافی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کبھی آواز میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ بے تکلف ہر صاحب سمع اس کو سُن لیتا ہے اس صورت میں سمع سامعین حد اسماع میں ہوتا ہے اور کبھی بوجہ ضعف آواز متکلم سننے والوں کو سر جھکانے اور کان لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس صورت میں اصل میں تو سمع سامعین حد اسماع سے خارج ہوتا ہے پر بعد سر جھکانے اور کان لگانے کے حد اسماع میں آجاتا ہے اس لئے اس کو استماع کہئے اور نفی اسماع کیجئے تو بجا ہے کیونکہ بوجہ ضعف آواز عدم اسماع تو ظاہر ہے مگر جب سامعین کی طرف سے اہتمام ہو تو ان کی طرف سے اخذ اور فعل ظاہر ہے، اور ظاہر ہے کہ استماع میں بہ نسبت سماع ایک مضمون اخذ ہوتا ہے۔ چنانچہ خواص الیواب کے جاننے والے اور محاورات عرب کو پہچاننے والے ان فرقوں کو خوب جانتے ہیں۔'' (جمال قاسمی ص ۸، ۹)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''والحق ان الموتی یسمعون فی الجملة و هذا علی احد وجهین اولهما ان یخلق الله عز و جل فی بعض اجزاء المیت قوة یسمع بها متی شاء الله تعالٰی السلام و نحوه مما یشاء الله سبحانه سماعه ایاه و لا یمنع من ذٰلک کونه تحت اطباق الثری و قد امحلت هاتیک البنیة و انفصمت العری و لا یکاد یتوقف فی قبول ذٰلک من یجوز ان یری اعمی الصین بقة اندلس و ثانیهما ان یکون ذٰلک السماع للروح بلا واسطة قوة فی البدن و لا یمتنع ان تسمع بل ان تحس و تدرک مطلقًا بعد مفارقتها البدن بدون وساطة قوی فیه و حیث کان لها علی الصحیح تعلق لا یعلم حقیقته و کیفیته الا الله عز و جل بالبدن کله او بعضه بعد الموت و هو غیر التعلق بالبدن الذی کان لها قبله اجری الله تعالٰی سبحانه عادته بتمکینها من السمع و خلقه لها عند زیارة القبر و کذا عند حمل البدن الیه و عند الغسل مثلاً و لا یلزم من وجود ذٰلک التعلق و القول بوجود قوة السمع و نحوه فیها نفسها ان تسمع کل مسموع لما ان السماع مطلقًا و کذا سائره الاحساسات لیس الا بالعًا للمشیة فما شاء الله تعالٰی کان و ما لم یشاء لم یکن فیقتصر علی القول بسماع ما ورد السمع بسماعه من السلام و نحوه و هذا الوجه هو الذی یترجح عندی و لا یلزم علیه التزام القول بان ارواح الموتی مطلقًا فی افنیة القبور لما ان مدار السماع علیه مشیة الله تعالٰی و التعلق الذی لا یعلم کیفیته و حقیقته اِلّا هو عزّ و جَلّ فلتکن الروح حیث شاءت او لا تکن فی مکان کما هو رأی من یقول یتجردها'' (تفسیر روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۷، ۵۸)

''اور حق بات یہ ہے کہ مُردے فی الجملہ سنتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ میت کے بعض اجزاء میں ایسی قوت پیدا کر دے جس سے مُردہ جب اللہ تعالیٰ چاہے، سلام وغیرہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہو سُن لے اور اس میں اس سے رکاوٹ نہیں پیدا ہوتی کہ وہ مٹی کے پردوں کے نیچے پڑا ہوا ہے اور اس کا بدنی ڈھانچہ جُدا ہو چکا ہے اور اس کے جوڑ الگ ہو چکے ہیں وہ شخص اس کے قبول کرنے میں ذرّہ بھر بھی توقف نہیں کرے گا جو (اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت) اس کو جائز سمجھتا ہے کہ چین کا اندھا اُندلس کے مچھر کو دیکھ لے اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہ سماع رُوح کو ہو اور اس میں بدنی قوت کا واسطہ نہ ہو اور اس میں بھی کوئی امتناع نہیں کہ رُوح سُنے بلکہ بدن سے جدا ہونے کے بعد بغیر بدنی قوتوں کے مطلقاً احساس و ادراک بھی کرے اور وہ روح جہاں کہیں بھی ہو صحیح قول کی بناء پر اس کا مرنے کے بعد کُل یا بعض بدن سے تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت اور کیفیت کو بجز پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا اور یہ تعلق اس تعلق کے علاوہ ہے جو اس سے قبل (اس دُنیا میں بطور تصرف اور تدبیر کے) بدن کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت یہ جاری فرمائی کہ اس کو سُننے کی قدرت دی اور جب قبر کی زیارت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کو پیدا فرما دیتا ہے اور اسی طرح جب اس کے بدن کو قبر کی طرف اُٹھا کر لے جاتے ہیں اور اسی طرح غسل کے وقت بھی رُوح سنتی ہے اور اس تعلق اور اس قول سے کہ خود نفس رُوح میں قوتِ سماعت ہے اور یہ لازم نہیں آتا کہ ہر قابلِ سماعت چیز کو وہ سنے۔ کیونکہ مطلقاً سماع اور اسی طرح باقی تمام حواس اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے تابع ہیں۔ سو جو چیز اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہوتی ہے اور جس کو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔ پس میت کے سماع کو اس چیز کے سماع پر بند کرنا چاہیئے جس کا ثبوت دلیل سمعی سے ہو۔ مثلاً سلام وغیرہ اور یہی وجہ راجح ہے اور اس توجیہ کی بناء پر

اس قول کے التزام کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ مُردوں کی رُوحیں قبروں کے کناروں پر ہوتی ہیں کیونکہ دارومدار سماع کا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس تعلق پر ہے جس کی کیفیت اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سواء اور کوئی نہیں جانتا۔ پس رُوح جہاں بھی چاہے ہو یا کسی مکان میں بھی نہ ہو جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے جو اس کے تجرد کے قائل ہیں۔ (بہر حال تعلق مع البدن اور سماعت پھر بھی ثابت ہے)

اس واضح اور صریح عبارت سے علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا سماعِ موتی کے بارے میں نظریہ بالکل عیاں ہو گیا ہے اور یہ پوری عبارت حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹) میں نقل کی ہے اور اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ بھی اس مسئلہ میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے ہم نوا ہیں کہ مُردے عند القبور فی الجملہ سنتے ہیں جس میں سلام وغیرہ بصراحت مذکور ہے۔ اس مفصل اور روشن و صاف عبارت کے بعد بھی اگر کوئی شخص (مؤلف ندائے حق کی طرح) یہ دعویٰ کرے کہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ مطلقاً سماعِ موتی کے منکر ہیں تو ایسا شخص دھوکے میں مبتلاء ہے اور خالص تعصب سے کام لے رہا ہے، بلکہ علامہ عثمانی رحمہ اللہ فتح الملہم کے اسی صفحہ میں اس مذکورہ بالا عبارت سے قبل تصریح فرماتے ہیں کہ: ”قال العبد الضعیف عفا اللہ تعالٰی عنہ والذی تحصل لنا من مجموع النصوص واللہ تعالٰی اعلم ان سماع الموتٰی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ واما اسماع العباد ایاھم فمنفی بسیاق القراٰن العزیز وتحقیقہ علٰی ما حرّرہ شیخ شیخنا قاسم العلوم والخیرات قدس اللہ تعالٰی روحہ فی بعض مکاتیبہ“ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

ترجمہ: ”بندۂ ضعیف اللہ تعالیٰ اُسے معاف کرے کہتا ہے کہ جو چیز ہمیں مجموعۂ نصوص سے حاصل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ تو سب سے بہتر جانتا ہے یہ ہے کہ مُردوں کا سماع فی الجملہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ باقی رہا (زندہ) بندوں کا مُردوں کو سُنانا تو وہ قرآن کریم کے سیاق سے منفی ہے۔ (یعنی نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی) اور اس کی تحقیق جیسا کہ ہمارے استاد الاستاد قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب میں کی ہے یہ ہے۔“

اور اس کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی اس عبارت کا عربی میں ترجمہ کیا ہے جو ہم نے پہلے جمال قاسمی کے حوالہ سے مفصل عرض کر دی ہے۔ غرض یہ کہ سماعِ موتی کا مسئلہ احادیث کی روشنی میں اتنا واضح ہے کہ جو حضرات مسئلہ عدم سماعِ موتی میں متشدد ہیں یا جن کو سماعِ موتی کا منکر سمجھ لیا گیا ہے وہ بھی کلیۃً سماعِ موتی کا انکار نہیں کرتے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اَجسام نہیں سنتے، اَرواح سنتی ہیں۔ چنانچہ شاہ عبد القادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۰ھ) اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مُردوں سے سلام علیک کرو، وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مُردے کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی رُوح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سُن سکتا۔ (تفسیر موضح القرآن ص ۷۲۳)

ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر سماع کا تعلق صرف جسم اور دَھڑ سے تسلیم کیا جائے تو دَھڑ نہیں سُن سکتا اور منسوب بہ اسلام فرقوں میں ایسا گروہ بھی ہے جو قبر کے سوال اور عذاب و راحت کا تعلق بلا اعادۂ رُوح صرف جسم سے تسلیم کرتا ہے۔ (تسکین الصدور ملاحظہ فرمائیں) اور اگر سماع کا تعلق رُوح سے ہو تو بلا شبہ رُوح سنتی ہے اور صحیح احادیث اور جمہور اُمت کے واضح ارشادات کے مطابق قبر میں رُوح کا جسم سے باقاعدہ تعلق ہے تو پھر سماع کیوں نہ ہو؟

ہمارے پیر ومرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ اس مسئلہ میں خاصا تشدد کرنے کے باوجود یہ فرماتے ہیں: ''اور تحقیق سماع موتیٰ کے متعلق یہ ہے کہ بدن نہیں سنتے۔ جیسا کہ اس (فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى) آیت سے معلوم ہوتا ہے اور باقی آیات بھی دال عدم سماع موتیٰ پر ہیں اور رُوح زندہ ہے وہ سنتا ہے جب قریب ہو۔ ہاں! نزاع امام صاحب رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اس بات میں ہے آیا روح قبور کے نزدیک ہے یا علیین میں۔ باقی پوری تحقیق کا یہ مقام نہیں۔ (تفسیر بلغۃ الحیران ص ۲۷۵)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قبر کے قریب اگر کوئی سلام وغیرہ کرے تو حضرت مرحوم کے نزدیک رُوح سنتی ہے۔ غور فرمایئے کہ فی الجملہ سماع موتیٰ کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ باقی رُوح اگر علیین میں بھی ہو تو جمہور اہل السنت کے نزدیک اس کا تعلق قبر میں اُس کے بدن کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ (تسکین الصدور ملاحظہ فرمائیں) خود امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ (نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (المتوفی ۱۵۰ھ) اپنی کتاب ''فقہ اکبر'' میں تصریح فرماتے ہیں کہ: ''واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق'' (فقہ الاکبر مع الشرح لعلی القاری رحمہ اللہ ص ۱۲۰، طبع کانپور)

''قبر میں رُوح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔''

اور کیوں حق نہ ہو، جب کہ صحیح احادیث سے اعادہ رُوح الی البدن ثابت ہے۔ (تفصیل کے لئے ''تسکین الصدور'' دیکھئے) تو حضرت امام صاحب رحمہ اللہ بھلا ان صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے؟ ہم نے ''البیان الازہر'' کے مقدمہ میں محققین علماء اسلام کے حوالہ سے یہ بات عرض کر دی ہے کہ ''الفقہ الاکبر'' حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہی تالیف ہے یہ دعویٰ کرنا کہ یہ اُن کی کتاب ہی نہیں، تحقیق اور انصاف سے کوسوں دُور ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) اس سوال کا جواب کہ جب ارواح علیین اور سجین میں ہے اور ابدان قبور میں، تو پھر ان کا آپس میں جوڑ کیسے ہے؟ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''قلنا وجہ التطبیق ان مقر ارواح المؤمنین فی علیین او فی السماء السابعۃ ونحو ذٰلک کما مرّ ومقر ارواح الکفار فی سجین ومع ذٰلک لکل روح منھا اتصال بجسدہٖ فی قبرہٖ لا یدرک کنھہٗ الّا اللہ تعالٰی وبذٰلک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہٗ من الجنۃ او النار ویحسّس اللذۃ او الالم ویسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر وذالک مما ثبت بالکتاب والسنۃ'' (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۲۴، ۱۲۵)

''ہم کہتے ہیں کہ تطبیق اس طور پر ہے کہ مؤمنوں کے ارواح کا مستقر علیین یا ساتواں آسماں اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور کفار کے ارواح کا ٹھکانہ سجین ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہر روح کا قبر میں جسم کے ساتھ تعلق ہے جس کی حقیقت بجز پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم اور رُوح دونوں کے مجموعہ اور مرکب کا نام ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش کیا جائے اور وہ لذت یا دُکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا سلام سنے اور منکر ونکیر کا جواب دے اور اسی کی مانند اور اُمور جن کا کتاب وسنت سے ثبوت ہو چکا ہے۔

الغرض روح کا علیین وغیرہ میں رہنا اس کا متقاضی نہیں کہ قبر میں بدن کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ ہاں! اس امر کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سماع وغیرہ برزخی امور کا اصل تعلق روح سے ہے۔ کیونکہ بغیر روح کے بدن کے عذاب و راحت اور سماع کا کوئی معنی نہیں کیونکہ بدن بغیر روح کے بڑا جماد ہے۔ لہٰذا ان امور کا مدار روح پر ہے لیکن بدن کا تعلق بھی اس کے ساتھ بدستور رہتا ہے۔

فقیہ کامل المحدث الجلیل نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کی سماع موتٰی کے بارے میں چند ضروری عبارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) باب قول الميّت و هو على الجنازة قدّمونى و اعلم ان مسألة كلام الميّت و سماعه واحدة وانكرها حنيفة العصر و فى رسالته غير مطبوعه لعلىّ القارى رحمہ اللہ ان احدًا من ائمتنا لم يذهب الى انكارها وانما استنبطوها من مسألة فى باب الايمان وهى حلف رجل ان لا يكلم فلانا فكلمه بعد ما دفن لا يحنث قال القارى رحمہ اللہ ولا دليل فيها على ما قالوا فان مبنى الايمان على العرف وهم لا يسمونه كلامًا وانكره الشيخ ابن الهمام رحمہ اللہ ايضاً فى الفتح ثم اورد على نفسه ان السماع اذا لم يثبت فما معنى السلام على القبر واجاب عنه انهم يسمعون فى هذا الوقت فقط ولا دليل فيه على العموم ثم عاد قائلاً انه ثبت منهم سماع قرع النعال ايضاً فاجاب عنه بمثله اقول والاحاديث فى سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر و فى حديث صَحَّحَهٗ ابو عمر ان احدًا اذا سلم على الميّت فانه يرد عليه و يعرفه ان كان يعرفه فى الدنيا (بالمعنى) و اخرجه ابن كثير رحمہ اللہ ايضاً و تردد فيه فالانكار فى غير محله سيّما اذا لم ينقل عن احد من ائمتنا رحمہم اللہ فلا بد بالتزام السماع فى الجملة واما الشيخ ابن الهمام رحمہ اللہ فجعل الاصل هو النفى و كل موضع ثبت فيه السماع جعله مستثنى و مقتصرًا على المورد قلت اذن ما الفائدة فى عنوان النفى وما الفرق بين نفى السماع ثم الاستثناء فى مواضع كثيرة وادعاء التخصيص وبين اثبات السماع فى الجملة مع الاقرار بانا لا ندرى ضوابط اسماعهم فان الاحياء اذا لم يسمعوا فى بعض الصور فمن ادعى الطرد فى الاموات ولذا قلت بالسماع فى الجملة بقى القرأن فامره صعب قال تعالٰى فانك لا تسمع الموتٰى وقال وما انت بسمع من فى القبور وهو بظاهره يدل على النفى مطلقًا فقيل بالفرق بين السماع والاسماع والنفى هو الثانى دون الاوّل والمطلوب هو الاوّل دون الثانى واجاب[1]

عنه السيوطى رحمہ اللہ سماع موتٰى كلام الخلق قاطبة قد صح فيها لنا الآثار بالكتب و آية النفى معناها سماع هدى لا يسمعون ولا يصغون للادب قلت نزل الشيخ رحمہ اللہ فيها على الغرض و حاصل الآية على طوره ان هؤلآء الكفار كالموتٰى فلا تنفع هدايتك فيهم لان نفعها انما كان فى حياتهم و قد مضٰى وقتها كذٰلك هؤلاء وان كانوا احياء الا ان هدايتك غير نافعة لهم لكونهم مثل الاموات فى عدم الانتفاع فليس الغرض منه نفى اسماع بل نفى الانتفاع قلت عدم السماع والسمع والاستماع كلها بمعنى عدم العمل لان السمع يكون للعمل فاذا لم يعمل به فكانّه لم يسمعه تقول قلت له مرارًا ان لا يترك الصلٰوة ولٰكنه لا يسمع كلامى اى لا يعمل به يقال فى الفارسية نشنود يعنى عمل نمى كند فلو قال الشيخ رحمہ اللہ ان من فى

[1] اشعار اس سے زیادہ وسط کے ساتھ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مشکلات القرآن ص ۲۲۲ میں نقل فرمائے ہیں۔

القبور لا یعملون لدخل الکلام فی اللغۃ و لم یبق تاویلاً بل الاحسن ان یقال مانتے نہیں فان قلت ان الاموات اذا ثبت لھم السماع فھل لھم الانتفاع بہ ایضاً و مجرد سماع الصوت فقط قلت الصوت من مأت علٰی الخیر فانہ ینتفع بہ ایضاً و اما من مات علٰی الشر و العیاذ باللہ فاین لہ ان ینتفع اذا لم ینتفع بہ فی الدنیا و لیس لہ الاسماع الصوت و الوجہ الثانی فی التفصی عن الآیۃ ان ھذا السماع الذی نحن بصددہٖ البابہ من عالم البرزخ اخبرنا بہ المخبر الصادق فأمنّا بہ اما فی عالمنا فھو معدوم و لا یلزم للقرآن ان یعبر بما یأتی علٰی العالمین فجاز ان یکون نفی السماع بحسب عالمنا فان التشبیھات تکون للتوضیح فقط و لما کان من فی القبور کالعدم فی عالمنا لیس لھم سماع و لا علم و لا شئ جاز لہ ان ینفی عنھم السماع ایضاً و القول بان الاموات اذا ثبت لھم السماع عند القرآن لم یستقم لہ التشبیہ بالاموات جھل و سفہ فان التشبیہ انما ورد بحسب علمنا و عالمنا و ان ثبت السماع عندہٗ و اذا کانوا معدومین فی عالمنا لطف التشبیہ لا محالۃ اما قولہ ﷺ نم کنومۃ العروس فقدمر الکلام فلا نعیدہ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷، ۴۶۸)

''باب اس اَمر کے بیان میں کہ مُردہ چار پائی پر ہوتا ہے اور یہ کہتا ہے مجھے آگے لے چلو جاننا چاہئے کہ میت کے کلام کرنے کا اور اس کے سماع کا مسئلہ ایک ہی ہے اور ہمارے اس وقت کے حنفیوں نے اس کا انکار کیا ہے اور حضرت ملّا علی القاری رحمہ اللہ کے ایک غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ احناف رحمہم اللہ میں سے کوئی بھی انکارِ سماع کے مسئلہ کی طرف نہیں گیا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ (متاخرین) فقہاء نے باب الایمان کے ایک مسئلہ سے عدم سماعِ موتٰی کا استنباط کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم اُٹھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا۔ پس اُس نے اُس سے اُس کے دفن ہونے کے بعد کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔ مُلّا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ سے عدمِ سماعِ موتٰی ثابت نہیں جیسا کہ ان حضرات نے ثابت کیا ہے۔ کیونکہ دارو مدار قسموں کا عُرف پر ہے اور اہلِ عُرف اس کو کلام نہیں کہتے اور ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں سماعِ موتٰی کا انکار کیا ہے اَور اپنے اُوپر یہ سوال وارد کیا ہے کہ جب سماع ثابت نہیں تو قبر پر سلام کہنے کا کیا مطلب؟ اور اس کا یہ جواب کہ مُردے صرف سلام کے وقت ہی سنتے ہیں اور اس میں عموم پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر لوٹے اور یہ اشکال پیش کیا کہ جوتیوں کی کھنکھناہٹ سننے کا ثبوت بھی مُردوں سے ہے تو اس کا بھی اُنہوں نے ایسا ہی جواب دیا ہیں (انور شاہ رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ مُردوں کے سننے کی احادیث درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور ایک حدیث میں آتا ہے جس کی تصحیح امام ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ نے کی ہے کہ جب مُردہ پر سلام کیا جاتا ہے تو وہ اُس کا جواب بھی دیتا ہے اور اگر وہ اس کو دُنیا میں پہچانتا ہے تو (آواز سے) پہچان بھی لیتا ہے۔ (یہ روایت بالمعنیٰ نقل کی گئی ہے) اور اس روایت کو ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے اور اس میں اُنہوں نے تردّد کیا ہے۔ پس سماعِ موتٰی کا انکار بالکل بے موقع ہے خاص طور پر جب کہ ہمارے ائمہ احناف رحمہم اللہ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں تو ضروری ہے کہ فی الجملہ سماع کا التزام کیا جائے۔ باقی رہے شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ تو انہوں نے اصل نفیِ سماع کو قرار دیا ہے اور ہر وہ ایسی جگہ جہاں سماع ثابت ہے۔ (مثلاً حدیث قرع نعال اور سلام وغیرہ) تو اس کو انہوں نے مستثنٰی قرار دیا ہے اور اس کو اپنے مورد پر بند کیا ہے میں کہتا ہوں کہ پھر اس وقت عنوانِ نفی کا کیا فائدہ؟ اور کیا فرق نکلے گا نفیِ سماع کا، پھر بہت سی جگہوں میں استثناء اور ادعائے تخصیص کا اور فی الجملہ اثبات

سماع کا۔ باوجود اس اقرار کے کہ ہم مُردوں کو سنانے کے ضوابط نہیں جانتے؟ کیونکہ بسا اوقات زندہ لوگ بھی بعض صورتوں میں نہیں سنتے۔ پس مُردوں میں ہمہ وقت سننے کا کون دعویٰ کر سکتا ہے؟ اور اسی لئے میں فی الجملہ سماع موتی کا قائل ہوں۔ رہا قرآن کریم کا معاملہ تو وہ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا اور نیز فرمایا اور تُو اُن کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں اور یہ بظاہر مطلقاً نفی پر دلالت کرتا ہے۔ سو اس کے جواب میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ سماع اور اسماع کا فرق ہے۔ نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی اور ہمارا مطلوب سماع ہے نہ کہ اسماع اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مُردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے۔ اس سلسلہ میں کئی کتابوں میں حدیثیں اور آثار ہمارے ہاں صحیح ثابت ہو چکے ہیں اور نفی کی آیت کا معنٰی یہ ہے کہ وہ ایسا سماع نہیں کرتے جس سے ان کو ہدایت ہو کہ وہ نہ تو اَدب واحترام اور ہدایت پذیری کے لئے سنتے ہیں اور نہ کان لگاتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ شیخ سیوطی رحمہ اللہ نے اس میں مطلب اور گُر کی بات بتا دی ہے اور ان کے طریقہ پر اس آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ بے شک یہ کفار مُردوں کی طرح ہیں اُن کو تیری رہنمائی نفع نہیں دے سکتی کیونکہ ان کے نفع اُٹھانے کا وقت ان کی زندگی تھی جو اَب ختم ہو چکی ہے۔ اسی طرح یہ زندہ لوگ بھی اگرچہ ہیں تو زندہ ہی مگر تیری ہدایت ان کو سُودمند نہیں ہے کیونکہ یہ ہدایت سے نفع نہ اُٹھانے میں مُردوں کی طرح ہیں۔ سو اس آیت سے غرض نفی سماع نہیں ہے بلکہ نفی انتفاع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عدمِ اسماع اور سماع اور استماع سب کے سب ایک ہی معنی میں ہیں یعنی عمل نہ کرنا۔ کیونکہ سننا تو عمل کے لئے ہوتا ہے پس جب اس پر عمل نہ کیا گیا تو گویا سنا ہی نہیں تم بسا اوقات کسی بے نماز کے بارے میں کہتے ہو کہ میں نے کئی بار اس کو نماز نہ ترک کرنے کا کہا مگر وہ میری بات نہیں سنتا یعنی اس پر عمل نہیں کرتا اور فارسی میں کہا جاتا ہے کہ وہ سنتا نہیں یعنی عمل نہیں کرتا۔ سو اگر امام سیوطی رحمہ اللہ یہ فرماتے دیتے کہ اہلِ قبور عمل نہیں کرتے تو پھر یہ کلام لُغت کی مد میں داخل ہو جاتا اور تاویل نہ ہوتا۔ بلکہ احسن بات یہ ہے کہ کہا جائے مانتے نہیں اگر تُو کہے کہ جب مُردوں کے لئے سماع ثابت ہو گیا تو کیا وہ اس سے فائدہ بھی اُٹھاتے ہیں یا اُن کو محض آواز ہی پہنچتی ہے؟ مَیں جواب میں کہوں گا کہ جو شخص خیر پر مَرا اُس کو آواز سے بھی فائدہ پہنچتا ہے اور جو شخص شر پر مَرا (اللہ تعالیٰ کی پناہ) تو اُس کے لئے کیا فائدہ۔ کیونکہ جب اس شخص نے زندگی میں فائدہ نہیں اُٹھایا تو اب کیا اُٹھائے گا۔ ایسے شخص کو صرف آواز ہی سنائی دے گی اور بس اور دُوسری وجہ اس آیت کریمہ کے اشکال سے جان چھڑانے کی یہ ہے کہ یہ سماع جس کے اثبات کے ہم درپے ہیں عالم برزخ سے ہے اور ہمیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ سو ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ رہا یہ سماع ہمارے اس جہان کے اعتبار سے تو وہ معدوم ہے اور قرآن کریم کے لئے یہ لازم نہیں کہ ایسی تعبیر کرے جو دونوں جہانوں (اس جہان اور برزخ) پر فِٹ اُترے۔ پس جائز ہے کہ نفی سماع ہمارے (تکلیفی) عالم کے لحاظ سے ہو کیونکہ تشبیہات صرف توضیح کے لئے ہوتی ہیں اور جب وہ لوگ جو قبروں میں ہیں، ہمارے عالم کے لحاظ سے معدوم ہیں تو اس اعتبار سے نہ تو ان کے لئے سماع ہے نہ علم اور نہ کوئی اور شئے تو جائز ہے کہ اُن سے (اپنے اس عالم کے لحاظ سے) سماع کی نفی بھی کی جائے اور یہ کہنا کہ قرآن کریم کی رُو سے جب مُردوں کے لئے سماع ثابت ہے تو مُردوں کے ساتھ ان کی تشبیہ درست نہیں ہے، ایک خالص جہالت اور حماقت ہے کیونکہ تشبیہ تو ہمارے علم اور عالم کے مطابق وارد ہوئی ہے۔

اگر اس کے ہاں سماع ثابت ہے اور مُردے جب ہمارے عالم کے لحاظ سے معدوم ہیں تو لامحالہ تشبیہ میں لطافت ظاہر ہوگئی۔ رہا آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ مُردہ سے (دفن کے بعد) کہا جاتا ہے کہ تو اُیسا سوجا، جیسے دُلہن (مزے سے) سوتی ہے تو اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ سو ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے۔"

اس عبارت میں بے شمار فوائد ہیں۔ چند ضروری یہ ہیں:

(۱) کلام میت اور سماع میت کا مسئلہ اور حکم ایک ہی ہے۔

(۲) اس زمانہ کے احناف نے سماع موتی کے مسئلہ کا انکار کیا ہے۔

(۳) حضرت مُلّا علی القاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ (حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ وغیرہ) میں سے کوئی ایک بھی سماع موتی کا منکر نہیں تھا۔

(۴) یہ مسئلہ لوگوں نے خود "باب الایمان" کی ایک جزئی سے استنباط کیا ہے جس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۵) حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ نے سماع موتی کا انکار کیا ہے لیکن قرع نعال اور سلام کا سننا انہوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔

(۶) سماع موتی کی احادیث متواتر ہیں۔

(۷) صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مُردہ سلام کہنے والے کے سلام کو سُنتا اور اس کا جواب دیتا ہے۔

(۸) سماع موتی کے انکار کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ہمارے ائمہ سے انکار ثابت نہیں ہے۔

(۹) حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ نے اصل ضابطہ عدم السماع قرار دیا ہے۔

(۱۰) لیکن پھر عنوانِ نفی کا کیا فائدہ ہے؟ اور نفیٔ سماع کا پھر بہت سی جگہوں میں استثناء اور تخصیص کے دعوے کا اور فی الجملہ اثبات سماع کا کیا فرق نکلے گا؟ کیونکہ نتیجہ تو بہرکیف سماع موتی ہی نکلتا ہے۔

(۱۱) اور پھر مُردوں کے سنانے کا کیا ضابطہ ہے؟ کیونکہ بعض صورتوں میں زندہ بھی (جب کہ اس کی توجہ نہ ہو یا سنانے والے کی آواز ضعیف و کمزور ہو۔ کما مرّ عن قاسم العلوم والخیرات) تو نہیں سُنتا پھر مُردوں کے بارے میں ضابطہ کا کیا معنٰی ہے؟

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اس بیان اور تقریر کو پیش نظر رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فتح الملہم کی اس عبارت میں اُن کا صحیح مفہوم نہیں ادا کیا جاسکا۔

"وھذا معنٰی ما قالہ الشیخ الانور رحمہ اللہ ان الضابطۃ انما ھو عدم السماع لکن المستثنیات فی ھذا الباب کثیرۃ" (ج ۲ ص ۴۷۹)

"اور یہ معنی ہے جو کچھ کہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ضابطہ تو عدم سماع ہے لیکن اس باب میں بہت سی اشیاء (مثلاً سلام وغیرہ) اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔"

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر سے ظاہر ہے کہ وہ یہ ضابطہ تسلیم اور بیان نہیں فرمارہے بلکہ یہ ضابطہ انہوں نے حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور پھر اس پر گرفت کی ہے اور ان کے ساتھ رسّہ کشی کی ہے جیسا کہ ان کی اس تقریر سے بالکل ظاہر ہے اور یہ کسی بھی اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ باقی مجذوبوں کو سمجھانا مشکل ہے۔

(۱۲) قرآن کریم میں انک لا تسمع الموتٰی اور ولا تسمع من فی القبور کے ظاہری الفاظ سے معاملہ مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے بظاہر سماع موتی کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

(۱۳) لیکن اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس کے صحیح محامل اور معانی موجود ہیں۔ چنانچہ اس کے معنی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سماع اور اسماع میں فرق ہے۔ یہاں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں اور ہمارا مقصود سماع ہے نہ کہ اسماع۔

(۱۴) امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماع موتی ثابت ہے جس پر صحیح آثار دلالت کرتے ہیں۔ اس آیت میں نفی ایسے سماع کی ہے جس سے ہدایت اور فائدہ حاصل ہو۔ یعنی یہ زندہ کفار ہدایت سے فائدہ حاصل نہ کرنے میں ایسے ہی ہیں جیسے مُردے کیونکہ ان کے انتفاع کا وقت ہی اب جا تا رہا ہے۔ لہٰذا اس سے مطلوب نفی سماع نہیں ہے بلکہ مطلوب نفی انتفاع ہے۔

(۱۵) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنا فیصلہ یہ دیتے ہیں کہ عدم اسماع وسمع اور استماع، سب کا مفہوم ایک ہے اور وہ عمل نہ کرنا ہے۔ کیونکہ سننا عمل کے لئے ہوتا ہے اور جب عمل نہ کیا گیا تو گویا سنا ہی نہیں۔ جیسے تم کسی سے نماز کے بارے میں بار بار کہو اور وہ نماز نہ پڑھے تو تم کہو گے کہ میری تو وہ سنتا ہی نہیں۔ یعنی مانتا نہیں اور عمل نہیں کرتا اور ایسے ہی موقع پر فارسی میں کہا جاتا ہے نشنود۔ اگر شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اس کی یوں تعبیر کر دیتے کہ اہلِ قبور عمل نہیں کرتے تو پھر گفتگو لغت میں ہوتی اور تاویل نہ رہتی۔

(۱۶) جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مُردے سنتے ہیں تو کیا اس سے ان کو فائدہ بھی ہوتا ہے یا آواز ہی سنتے ہیں؟ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی نیکی کی حالت پر مَرا اُس کو اس سماع سے فائدہ بھی ہوتا ہے (کیونکہ مؤمن اور نیک آدمی کو قرآن پاک اور سلام وغیرہ کا ثواب سے فائدہ ہی فائدہ ہے) لیکن جس بدقسمت کی وفات ہی بدی پر ہوئی ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو اس کو اس سے کیا حاصل؟ کیونکہ جب اس نے اس سے زندگی میں فائدہ اور نفع حاصل نہیں کیا تو اب کیا کرے گا؟

اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

تو ایسے شخص کے حق میں صرف آواز ہی سننے کا حصہ ہے اور بس۔

(۱۷) اِس آیت کریمہ کے ظاہری اشکال سے گلو خلاصی کی دُوسری وجہ یہ ہے کہ جس سماع کے اثبات کے دَرپے ہم ہیں وہ عالمِ برزخ کا معاملہ ہے۔ ہمیں مخبر صادق ﷺ نے اس کی خبر دی ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ رہا ہمارے عالم اور جہاں کا معاملہ، تو اس کے حق میں وہ معدوم ہے (بایں طور کہ ہم اس کا ادراک واحساس نہیں کر سکتے) اور قرآن کریم کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس کی ایسی تعبیر کرے جو عالم برزخ اور ہمارے اِس عالم دونوں پر فِٹ بیٹھے۔ پس جائز ہے کہ ہمارے عالم کے اعتبار سے نفی سماع ہو۔ کیونکہ تشبیہات صرف وضاحت کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور وہ لوگ جو قبور میں ہیں ہمارے عالم کے لحاظ سے کالعدم ہیں اور ہمارے عالم کے لحاظ سے نہ ان کے لئے سمع ہے نہ علم ہے اور نہ کوئی اور شئے، تو جائز ہے کہ اپنے عالم کے لحاظ سے ان سے سماع کی بھی نفی کی جائے۔

(۱۸) رہا یہ سوال کہ جب مُردوں کے لئے سماع ثابت ہے تو پھر اِن زندوں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ کیوں دی گئی ہے؟ تو یہ سوال بڑی جہالت اور خالص حماقت ہے کیونکہ تشبیہ ہمارے علم اور ہمارے عالم کے لحاظ سے ہے اگرچہ قرآنِ پاک کے رُو سے ان کے لئے سماع ثابت ہے

(۱۹) اور جب وہ ہمارے عالم کے لحاظ سے معدوم ہیں تو یہ تشبیہ لامحالہ درست اور صحیح ہے۔

(۲۰) رہی وہ حدیث جس میں آتا ہے کہ مُردے کو کہا جاتا ہے سو جا جیسے دُلہن سوتی ہے (جس سے اس کے عدم احساس کا شبہ ہوتا ہے) تو اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ (فیض الباری ج ا ص ۱۸۳) میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حیات برزخیہ کو نیند سے تشبیہ دی گئی ہے تو جیسے اس عالم کی حیات الگ نوع کی ہے، اسی طرح وہاں کی نیند بھی الگ ہے جس کا مطلب اس جہان سے انقطاع ہے۔ (نہ یہ کہ ان کو وہاں ادراک وشعور ہی نہیں رہتا جیسا کہ نیند کی حالت میں ہوتا ہے)

(۲) قوله السلام (الآخر) ظاهر حديث الباب وغيره من كثير من الاحاديث يدل على سماع الموتى واشتهر على السنة الناس ان الموتى ليس لهم سماع عند ابى حنيفة رحمه الله و صَنَّفَ مُلّا على القارى رحمه الله رسالة و ذكر فيها ان الشمهور ليس له اصل من الائمة اصلاً بل اخذ هذا من مسئلة فى باب الايمان انه اذا حلف انه لا يتكلم مع فلان فمات الرجل فتكلم معه على قبره ميتا لا يحنث اقول ان وجه عدم الحنث ان مبنى الايمان على العرف واهل العرف لا يعلمون ان الموتى تسمع والمحقق ان ابا حنيفة لاينكر سمع الاموات وان خالف ابن الهمام وقال ان الموتى لاتسمع وان ذخيرة الحديث تدل على سمع الموتى وقال الشيخ ان الموتى لاتسمع ويستثنى منه سمع قرع النعال والسلام عليكم اقول لو قلنا يسمع الموتى لا اشكال فانه ثبت بقدر مشترک تواتر فى الحديث ولا نتعرض الى التخصيصات المتكلفة وسيما اذا لم يرد الانكار عن ائمتنا الثلاثة اما الآيات المشيرة الى عدم السمع فلها محامل حسنة قال التفتازانى فى شرح المقاصد ان علم الميّت مجمع عليه ولكنه لا حركة لا اقول ان نقل اجماع التفان ان فى حيّز الخفاء واما نفى الحركة ففى فتاوى ابن حجر العسقلانى ولم تنطبع ان حركة الروح وايابه وهذا به ثابت فى الشريعة وذكر بعض التفصيل السيوطى رحمه الله فى رسالته (العرف الشذى ص ۳۵۳)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مُردوں کو السلام علیکم کہنا (الآخر) اس باب کی حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی حدیثوں کا ظاہر اس کو چاہتا ہے کہ مُردے سنتے ہیں اور کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مُردے نہیں سنتے لیکن ملا علی القاری رحمہ اللہ نے ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اس مشہور قول کی ائمہ رحمہم اللہ سے بالکل کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ ''باب الایمان'' کے مسئلہ سے لیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص قسم اُٹھائے کہ فلاں سے بات نہیں کرے گا اور وہ مَر گیا تو قسم اُٹھانے والے نے مَرنے والے کی قبر پر اس سے گفتگو کی تو حانث نہ ہوگا۔ مَیں کہتا ہوں کہ حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مدارِ قسم کا عُرف پر ہے اور اہلِ عُرف نہیں جانتے کہ مُردے سنتے ہیں اور تحقیقی بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سماعِ موتٰی کے منکر نہیں ہیں۔ اگرچہ اس میں ابن الہمام رحمہ اللہ نے مخالفت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ مُردے نہیں سنتے۔ مگر احادیث کا ذخیرہ سماعِ موتٰی پر دلالت کرتا ہے اور شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے یہ تو کہا ہے کہ مُردے نہیں سنتے مگر جوتیوں کی آواز کا سننا اور سلام کا سننا اس سے مستثنٰی قرار دیتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ مُردے سنتے ہیں تو اس میں سرے سے کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ قدرِ مشترک کے طور پر اس میں متواتر حدیثیں ثابت ہیں اور ہم ان پر تخصیصات کے درپے نہیں ہوتے جو تکلفات پر مبنی ہیں۔ خصوصاً جب کہ سماعِ موتٰی کا انکار ہمارے تینوں اماموں (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام ابویوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ) سے ثابت اُور وارد نہیں ہوا۔ باقی رہیں وہ آیات جو عدمِ سماع کی طرف اشارہ کرتی ہیں تو ان کے اچھے محامل

اور معانی موجود ہیں۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ شرح مقاصد میں لکھتے ہیں کہ میت کے علم پر سب کا اتفاق ہے لیکن مُردہ حرکت نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کا اجماع نقل کرنا حیز خفاء میں ہے۔ رہی حرکت کی نفی تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے فتاوی میں ہے جو ابھی تک طبع نہیں ہوا (اب طبع ہو چکا ہے۔ صفدرؔ) کہ روح کا حرکت کرنا اور اس کا آنا اور جانا شریعت سے ثابت ہے اور اس کی کچھ تفصیل امام سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ (شرح الصدور) میں ذکر کی ہے۔

اس عبارت میں بہت سے فوائد ہیں۔ بعض یہ ہیں:

(۱) باب کی یہ اور دیگر بے شمار حدیثیں سماع موتٰی پر دلالت کرتی ہیں۔

(۲) عام لوگوں کی زبان پر یہ دعویٰ جاری ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سماع موتٰی کے منکر ہیں لیکن حضرت ملّا علی القاری رحمہ اللہ نے تصریح فرمادی ہے کہ اس سلسلہ میں ائمہ رحمہم اللہ میں سے کسی سے بھی کچھ منقول نہیں ہے، صرف لوگوں کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

(۳) عدمِ سماع کا مسئلہ ''باب الایمان'' سے ماخوذ ہے جس کی حقیقت ہی جدا ہے جیسا کہ آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

(۴) محقق بات یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سماع موتٰی کے منکر نہیں ہیں۔

(۵) حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ نے اگرچہ سماع موتٰی کا انکار کیا ہے لیکن قرعِ نعال اور السلام علیکم سننے کے وہ بھی قائل ہیں (اور پھر اُنہوں نے روضۂ اقدس کے اندر تینوں بزرگ ہستیوں کی قبور پر استشفاع کا فتویٰ دیا ہے جو سماع کی فرع ہے)

(۶) سماع موتٰی کے بارے میں حدیثیں قدرِ مشترک کے طور پر متواتر ہیں۔

(۷) لہٰذا تخصیصات و تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۸) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ ہمارے تینوں بزرگوں سے سماع موتٰی کا انکار ثابت نہیں ہے۔

(۹) عدمِ سماع پر دال آیات کے اپنے مقام پر صحیح محامل موجود ہیں۔

(۱۰) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے اس بات پر کہ مُردہ جانتا ہے اور اس بات پر کہ وہ حرکت نہیں کرتا، اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن دُوسری جز وکہ وہ حرکت نہیں کرتا، مسلّم نہیں۔ کیونکہ حافظ ابن حجرِ عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں شرعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ رُوح کا حرکت کرنا اور آنا جانا ثابت ہے اس کی کچھ مزید تفصیل آگے فیض الباری کے حوالہ سے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز!

(۳) ثم اطلعت علٰی روایۃ فیھا غشی الارواح اربعین سنۃ ولعل اسنادہ ضعیف مع ھذا یکون لجوابہ نفاذ ومن ھھنا تبیّن وجہ قولہ تعالٰی مَنْ م بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا۔ ھٰذَا۔ وَقد تکلمنا علیہ سرۃ وفیہ اشکال فانہ یدل علی رقودھم فی القبور والاحادیث وردت بعذابھم ودعائھم بالویل والثبور و حاصل الجواب انہ حکایۃ عن مدّۃ غشیھم تلک ای لو بقینا کذلک مغشیا علینا ولم تحصل لنا الافاقۃ لکان احسن ثم ان الآیۃ ترد علی القائلین بنفی السماع لدلالتہ علی الرقاد ونفی العذاب (ایضاً) فما ذا یصنعون بھا فلا بد علیھم ان یذکروا لھا وجھا فینبغی لھم ان یطلبوا وجھًا لأیۃ نفی السماع (ایضاً) فان العذاب کما انہ متحقق کذالک السماع (ایضاً) متحقق فلا یغرّ بامثال ھذہ النصوص فان لھا وجوھًا ومعانی (فیض الباری ج ۳ ص ۳۱۹)

"پھر مجھے ایک ایسی روایت پر آگاہی ہوئی جس سے (حشر سے پہلے) چالیس (۴۰) سال اُرواح کی غشی معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی سند ضعیف ہو لیکن باوجود اس کے اس جواب کے لئے بھی گنجائش ہے اور یہیں سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی کہ قبروں سے اُٹھتے وقت مجرم کہیں گے۔ کس نے اُٹھایا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے وجہ ظاہر ہوگئی ہے اور ہم نے اس پر ایک مرتبہ بحث کر دی ہے اور اس میں اشکال ہے وہ یہ کہ یہ ارشادِ خداوندی قبروں میں ان کے سونے پر دلالت کرتا ہے اور احادیث سے ان کا عذاب اور ان کا (عذاب سے اُکتا کر اپنے لئے) ہلاکت اور تباہی مانگنا ثابت ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اس مدت کی حکایت ہے جس میں ان پر غشی طاری تھی۔ اس قول سے اُن کی مُراد یہ ہے کہ اگر ہم اسی طرح بے ہوشی میں رہتے اور ہمیں افاقہ حاصل نہ ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ پھر اس آیت کریمہ کے پیشِ نظر ان لوگوں پر اعتراض وارد ہوتا ہے جو سماع کی نفی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اُن کے سونے پر بھی دلالت کرتی ہے اور نفی عذاب پر بھی، تو وہ اس نفی عذاب سے کیا کریں گے؟ سو ان کے لئے ضروری ہے کہ اس آیت کریمہ کی کوئی توجیہ بیان کریں اور ان کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ آیت نفی سماع کے لئے بھی کوئی حل تلاش کریں۔ کیونکہ جس طرح ان کے لئے عذاب ثابت ہے، اسی طرح ان کے لئے سماع بھی ثابت ہے۔ سو ایسی نصوص سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ ان کے اپنی جگہ پر معانی اور توجیہات موجود ہیں۔"

اس عبارت میں بھی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سماعِ موتٰی کی تصریح فرمائی ہے اور منکرین سماعِ موتٰی سے آیت مذکورہ پر وارد اعتراض کا تخلص طلب فرمایا ہے اور پھر علمی طور پر دِل سوزی اور ہمدردی کے ساتھ نصیحت فرمائی ہے کہ نصوص کے صحیح معانی اور تفاسیر کو چھوڑ کر ان کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ مشہور ہے لکل فن رجال۔

(۴) قوله ما انتم باسمع لما اقول منهم و قد مرت مسئلة سماع الاموات و اما قوله وما انت بمسمع من في القبور فلقائل ان يقول انه محمول علٰی نفي سماع يترتب عليه الاجابة او علی نفيه بحسب عالمنا فان السماع ان كان فهو في عالم آخر واما في عالمنا فهو كالمعدوم او انه علی حد قوله صم بكم عمي مع وجود السمع والنطق والبصر كما اجاب السيوطي في نظم وآية النفي معناها سماع هدى لا يقبلون ولا يضعون للادب واعلم ان التفتازاني نقل الاجماع علٰی علم الاموات وانما الخلاف في سماعهم وكذا نقل ان لا خلاف في نفي سائر الصفات غير السماع فالاياب والذهاب ونحوهما منفي عنهم رأسا و نقل ابن حجر رحمہ اللہ في فتاواه ان الاموات يتحركون من مكان الی مكان (ايضاً) وانكر الاتفاق فيه قلت كلام التفتازاني في حق الاجساد دون الارواح واثبات ابن حجر ني حق الارواح فصح الامر ان قوله قال قتادة احياهم الله تعالٰی حتّٰی اسمعهم ويؤيد هذا الزاوي ما عند ابن كثير اذا مر احدكم بقبر رجل يعرفه يرد الله تعالٰی عليه روحه (الآخر) فدل علٰی رد الروح عليه فلا يسمع في كل وقت (فیض الباری ج ۴ ص ۹۰، ۹۱)

"آنحضرت ﷺ کا ارشاد کہ تم اُن سے زیادہ نہیں سُن رہے جو مَیں اُن سے کہہ رہا ہوں۔" مسئلہ سماعِ موتٰی پہلے گزر چکا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اور تو نہیں سنا سکتا اُن کو جو قبروں میں ہیں، تو کہنے والے کو یہ کہنے کا حق ہے کہ وہ کہے کہ یہ ایسے سماع کی نفی پر محمول ہے جس سماع پر قبولیت مترتب ہو (یعنی ان کو سماع قبول نہیں) اور یا اس نفی سے مُراد یہ لے کہ نفی ہمارے عالم کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ سماع ہے تو دُوسرے جہاں (برزخ) میں

ہے اور ہمارے عالم کے لحاظ سے وہ ایسا ہے جیسے معدوم اور یا اس کو اس طریقہ پر لے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (کافر) بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ حالانکہ اُن کا سننا، بولنا اور دیکھنا یقینی بات ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظم میں جواب دیا ہے کہ: ''نفی سماع کی آیت کا معنٰی یہ ہے کہ ہدایت کا سماع اُن کو نہیں اور وہ نہ تو اس کی تعظیم کرتے ہوئے اس کو قبول کرتے ہیں اور نہ کان لگاتے ہیں اور جاننا چاہئے کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ مُردے جانتے ہیں اور لکھا ہے کہ اختلاف ان کے سماع میں ہے اور اسی طرح انہوں نے نقل کیا ہے کہ سماع کے بغیر تمام صفات ان سے منفی ہیں۔ پس آنا اور جانا وغیرہ ان سے کُلیۃً منفی ہے اور امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ مُردے ایک جگہ سے دُوسرے جگہ تک حرکت بھی کرتے ہیں اور ان کی عدمِ حرکت پر اتفاق کا انہوں نے انکار کیا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات اجسام کے بارے میں ہے (کہ وہ حرکت نہیں کرتے) اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بات اَرواح کے بارے میں ہے (کہ وہ حرکت کرتے ہیں) لہٰذا دونوں باتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ ان کا ارشاد کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ حتیٰ کہ ان کو آپ کا کلام سُنایا اور اس راوی کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ اُس پر اُس کی رُوح لوٹا دیتا ہے۔'' اس سے رَدِّ رُوح کا ثبوت ملا تو مُردہ ہر وقت نہیں سُنتا۔ (بلکہ اُس وقت سُنتا ہے جب اُس پر رُوح لوٹائی گئی ہو)''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس پیش کردہ روایت سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور میت کو سلام کہتا ہے تو اُس وقت اُس کی طرف رُوح لوٹائی جاتی ہے اور وہ سلام کہنے والے کو سابق تعارف کی وجہ سے پہچانتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حوالے سے یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں تردّد کیا ہے۔ غالباً اُن کا تردّد اس اَمر میں ہے کہ میت کی طرف جب ایک بار رُوح لوٹائی جاتی ہے تو یہ اعادہ مستمرہ ہوتا ہے یا جب بھی کوئی سلام کہتا ہے تو اسی وقت رَدِّ رُوح ہوتا ہے۔ جمہور پہلی شق کے قائل ہیں۔ راقم کہتا ہے کہ اگر اس روایت میں رَدِّ رُوح سے توجہ مراد لی جائے جیسا کہ حدیث ردّ اللہ علی روحی میں یہ مراد لی گئی ہے تو زیادہ مناسب ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان تفصیلی عبارات کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سماعِ موتی کے قائل نہ تھے جیسا کہ مؤلف ندائے حق نے کہا ہے تو وہ صرف خود فریبی کا شکار ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینے پر کمربستہ ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم

حضرت مولانا دَورِ حاضر کے محقق عالم، بلند پایہ مناظر اور علماءِ دیوبند کے ترجمان ہیں۔ پہلے آپ بھی سماعِ موتی کے منکر تھے، جیسا کہ ان کی کتاب (سنت ضروریہ ص ۳۶) میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور مؤلف ندائے حق وغیرہ نے بھی یہ حوالہ دیا ہے۔ (ندائے حق ص ۱۵۷، واقامۃ البرہان ص ۹۱) لیکن تینتیس (۳۳) سال تک سماعِ موتی کا انکار کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر بنیاد رکھ کر اس سے رجوع کر لیا ہے اور اَب سماعِ موتی کے مُقر ہو گئے ہیں۔ (''الفرقان'' لکھنؤ، ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ حاشیہ ص ۳۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند وحال مفتی اعظم پاکستان)

حضرت مفتی صاحب نے سماعِ موتیٰ کے بارے میں متعدد فتوے صادر فرمائے ہیں اور اس مسئلہ میں خاصی تحقیق فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ مسئلۂ توسّل کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اِس طرح اور عنوان سے توسّل بزرگوں کے ساتھ جائز ہے مگر اہلِ قبور کو خطاب اگر سماعِ موتیٰ کے اعتقاد پر مبنی ہے (یعنی یہ سمجھتا ہے کہ دوسرے پہلو اور عدم سماع کا احتمال ہی نہیں۔صفدرؔ) تو درست نہیں اور اگر محض احتمال کے درجہ میں ہے تو مضائقہ نہیں۔ مگر پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے۔ (کیونکہ عوام الناس جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔صفدرؔ)

(فتاویٰ امداد المفتین ص ۲۹۱، ۲۹۲، طبع کراچی)

نیز اِرشاد فرماتے ہیں کہ: ''اعدل الاقوال اور اصح ومختار یہ ہے کہ جن جن مواقع میں مَیّت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے وہاں تو بلا تامل یقین کیا جاوے۔ باقی عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو ہے نہیں کہ ضرور سنتے ہیں لیکن یہ نہ سننا بھی ضروری نہیں۔ اگر حق تعالیٰ شانہٗ چاہیں تو سنا دیں۔ غرض ایسی حالت نہیں جیسے زندگی میں بطور جریانِ عادت سننا ضروری ہوتا ہے۔ ہٰذا ھوالتحقیق!'' (امداد المفتین ص ۲۹۱)

اور نیز اِرشاد فرماتے ہیں کہ: ''و ذهبت طوائف من اهل العلم بسماعهم فى الجملة وقال ابن عبدالبر رحمہ اللہ ان الاكثرين علىٰ ذٰلک وهو اختيار ابن جرير الطبرى رحمہ اللہ وكذا ذكره ابن قتيبه رحمہ اللہ وغيره''

(احکام القرآن حزب خامس ص ۱۰۴)

''اہلِ علم کے بہت سے طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مُردے فی الجملہ سنتے ہیں۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر اسی کے قائل ہیں اور اسی کو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور ایسا ہی امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔''

اور تحریر فرماتے ہیں کہ: ''قال العبد الضعيف والذى ذكره فى الروح من طوائف اهل العلم وذكر ابن عبدالبر رحمہ اللہ ان الاكثرين علىٰ ذٰلک يعنى سماعهم فى الجملة هو الحق الحقيق بالقبول واليه يرشد صيغة القرأن وشان النزول وبه تتوافق الروايات من الصحابة رضی اللہ عنہم والرسول صلی اللہ علیہ وسلم وهو مختار مشائخنا دامت بركاتهم'' (ص ۱۰۴)

''بندہ ضعیف کہتا ہے کہ ''کتاب الروح'' میں جو اہلِ علم کے کئی طائفوں سے ذکر کیا ہے اَور امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ اکثر حضرات فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ یہی حق ہے جو قبول کے لائق ہے اور قرآنِ کریم کا صیغہ اور شانِ نزول بھی اسی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور اسی سے ان روایات میں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مَروی ہیں، توافق پیدا ہو جاتا ہے اور ہمارے مشائخ (دیوبند) دامت برکاتہم کا بھی یہی مختار ہے۔

اُور اس مسئلہ کی طویل بحث کرتے ہوئے اور نصوص و دلائل کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فالقول باطلاق سماع الموتٰى فى كل فرد وفى كل حين قول بما ليس لک به علم والقول بنفيه رأسا مزاحمة للنصوص المذكورة أنفا ولذالک قلنا بثبوته فى الجملة اعنى فى حين دون حين لشخص دون شخص فى كلام دون كلام وبذٰلک تتوافق النصوص والآثار الواردة فى هذا الباب'' (ص ۱۰۶)

"یہ کہنا کہ مُردے مطلقاً سنتے ہیں یعنی ان کا ہر فرد اور ہر وقت سنتا ہے تو یہ ایسی بات ہے جس کا تجھے علم نہیں ہے اور سماعِ موتیٰ کا کُلیۃً نفی کر دینا ان نصوص سے تصادم اور مزاحمت ہے جن کا ذکراً بھی ہوا اور اسی لئے ہم فی الجملہ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں یعنی کسی وقت نہ کہ ہر وقت (کیونکہ "مؤمن نم کنومة العروس" کا مزہ بھی تو لیتے ہیں اور کسی وقت ان کی توجہ صرف الی اللہ تعالیٰ ہی ہوتی ہے۔ صفدرؔ) اور بعض اشخاص کے لئے نہ کہ ہر ایک کے لئے اور بعض کلام نہ کہ ہر ایک اور اسی طریق سے اس باب میں وارد نصوص اور آثار میں موافقت پیدا ہوتی ہے۔

اور نیز یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ: "فالاحادیث الصحیحة لما کانت ناطقة بثبوت السماع فی قتلٰی بدرو فی صیغة السلام لکل مسلم نطقنا بہٖ و ھی ساکتة عن سائر الکلام فسکتنا عنه و لٰکن لا سکوت الجمود و الانکار بل سکوت من لا یعلم امرًا ممکنَ الوقوع ھل وقع ام لا فان ثبت بدلیلٍ وقوعه قلنا بہٖ و اِلَّا دُمنا علی السکوت لقولہٖ تعالٰی و لا تقف مالیس لک بہٖ علم" (ص ۱۰۶)

"صحیح احادیث جب اس مسئلہ میں ناطق ہیں کہ مقتولین بدر کا سماع ثابت ہے اور اسی طرح ہر مُردہ مسلمان سلام سُنتا ہے تو ہم بھی اس کے قائل ہیں اور یہ احادیث باقی سب کلام سے ساکت ہیں سو ہم بھی ساکت ہیں لیکن یہ سکوت جمود و اِنکار کا نہیں بلکہ اس شخص کا سکوت ہے جو کسی ممکن الوقوع اَمر کے واقع ہونے کو نہیں جانتا کہ کیا واقع ہوا ہے یا نہیں؟ پس اگر کسی دلیل سے اس کا وقوع ثابت ہو جائے تو ہم اس کے قائل ہیں وَرنہ و لا تقف ما لیس لک بہٖ علم کے مطابق ہم سکوت پر دائم رہیں گے۔

حضرت مفتی صاحب کی ان تمام واضح اور ناطق عبارات سے یہ بات بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ فی الجملہ سماعِ موتیٰ ثابت ہے۔ نصوص اور صحیح احادیث اسی پر دال ہیں اَور اس کا اِنکار نصوص اور احادیث صحیحہ کا انکار و جحود ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر مؤلف ندائے حق وغیرہ حضرت مفتی صاحب کو منکرین سماعِ موتیٰ میں شمار کرتے ہیں تو وہ جانیں اور ان کی ضد اور ہٹ دھرمی۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان صاحب رحمہ اللہ

مولانا اپنی جماعت اور اپنے دَور کے متبحر عالم اور مصنف و محقق بزرگ تھے۔ وہ سماعِ موتیٰ کے مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں: "السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔ سلام تم پر اے مؤمن گھر والو۔ یہ آپ ﷺ نے قبرستان میں جا کر فرمایا۔ مُردوں کو سلام کیا۔ اُن سے مخاطبہ کیا۔ معلوم ہوا کہ مُردے اپنی قبروں میں ہمارا سلام و کلام سنتے ہیں لیکن وہ ہم کو اپنا جواب نہیں سنا سکتے۔ اہلِ حدیث کا قاطبۃً (یعنی سب کا کُلیۃً) یہی قول ہے۔ صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ (اُن کی طرف عدمِ سماعِ موتیٰ کی نسبت بالکل غلط ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) اور معتزلہ نے سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے۔ ان کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اور تعجب ہے ان اہلِ حدیث پر، جو لوگوں کو تو ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید سے تو منع کرتے ہیں اور خود جب چاہتے ہیں ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلّد بن جاتے ہیں۔ سماعِ موتیٰ کی نفی میں اُن کے قول سے استدلال کرتے ہیں اور اَحادیث صحیحہ کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔"

(لغات الحدیث ج ۳ ص ۱۵۰ طبع نور محمد کارخانہ، آرام باغ کراچی)

نیز لکھتے ہیں کہ: ''اہل حدیث کے پیشواء حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے صراحۃً سماع موتی کو ثابت کیا ہے اور بے شمار حدیثوں سے جن کو امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''شرح الصدور'' میں ذکر کیا ہے۔ مُردوں کا سماع ثابت ہوتا ہے اور سلف رحمہم اللہ کا اس پر اجماع ہے۔ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس سے انکار منقول ہے اور ان کا قول شاذ ہے۔''

(ایضاً ج ۳ ص ۱۶۶، سم)

اور یہی بزرگ لکھتے ہیں: ''اِنَّکَ لا تسمع الموتٰی'' تو مُردوں کو (یعنی کافروں کو) اسلام نہیں قبول کرا سکتا۔ اس آیت سے سماع موتی کی نفی نہیں نکلتی جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خیال کیا کیونکہ اسماع سے یہاں سماع اجابت مراد ہے جیسے اسمع وغیرہ مسمع میں اور متعدد احادیث سے سماع موتی ثابت ہے، جیسے اُوپر گزر چکا ہے اور اہل حدیث کے بڑے امام جیسے ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ ہیں، اسی کے قائل ہیں صرف حنیفہ (بالکل غلط ہے کمامرّ وسیاتی ان شاء اللہ تعالیٰ صفدرؔ) اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ مجمع البحار میں ہے: ''اِنَّکَ لا تسمع الموتٰی'' کا معنیٰ یہ ہے کہ تو ان جاہلوں کو نہیں سمجھا سکتا جن کو اللہ تعالیٰ نے جاہل بنایا ہے تو یہ آیت اُس حدیث کے خلاف نہ ہوگی۔ ''ما انتم باسمع من ھؤلاء'' (ایضاً ج ۳ ص ۱۶۳، سم)

تیسری دلیل: حافظ ابو عمر بن عبد البر المالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳ھ) جن کو علامہ ذہبی رحمہ اللہ الامام، شیخ الاسلام اور حافظ المغرب کے پیارے الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ (تذکرہ الحفاظ ج ۳ ص ۳۰۶) اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک مقام میں فرماتے ہیں کہ: ''وھو من المتقنین فی باب النقل فلا مناص من تسلیم تلک النسبۃ'' (فیض الباری ج ۱ ص ۶۰) یعنی جب امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نقل کے سلسلہ میں ان حضرات میں شامل ہیں جو متقن اور متثبت ہیں تو لامحالہ ان کی بیان کردہ نقل اور نسبت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

روایت کرتے ہیں: ''من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من رجل یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فیسلّم علیہ الّا عرفہ ورد علیہ السلام'' (کتاب الروح ص ۱۳، والجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۵۱)

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا۔ وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔''

یہ پہچاننا سلام کہنے والے کے سلام و کلام کے لب ولہجہ سے ہوتا ہے، جس طرح اکثر پسِ پردہ یا نابینا حضرات لوگوں کی آواز اور طرز کلام اور لب ولہجہ سے ان کو پہچان لیتے ہیں۔ حالانکہ آنکھوں سے وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مُردہ قبر میں سلام سُنتا بھی ہے اور اس کا باقاعدہ جواب بھی دیتا ہے یہ روایت سماع موتی کی واضح اور روشن دلیل ہے جس میں ذرہ بھر شک نہیں کیا جا سکتا۔

حافظ ابن القیم الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں کہ: ''قال ابن عبد البر رحمہ اللہ ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' (کتاب الروح ص ۲)

''امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ثابت ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ روایت صحیح اور ثابت ہے اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''وقد روی حدیث صححہ ابن عبدالبر انہ قال مامن رجل یمر بقبر اخیہ'' (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۵۷، طبع مصر)

''بلاشبہ ایک حدیث روایت کی گئی ہے جس کی امام ابن البر رحمہ اللہ نے تصحیح کی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے۔''

علامہ علی بن عبدالکافی السبکی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں: ''ذکرہ جماعۃ وقال القرطبی فی التذکرۃ ان عبدالحق صححہ'' (شفاء السقام ص ۶۵)

''اس کو ایک جماعت نے بیان کیا ہے اور قرطبی رحمہ اللہ تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امام عبدالحق رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔''

اور امام محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وفی حدیث صححہ عبدالحق مرفوعا'' (مختصر تذکرہ قرطبی رحمہ اللہ ص ۳۸، طبع مصر)

''ایک مرفوع حدیث میں ہے جس کی عبدالحق رحمہ اللہ نے تصحیح کی ہے۔''

اور حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ: ''من اشھر ذلک مارواہ ابن عبدالبر مصححا لہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعا مامن احد یمر بقبر اخیہ المسلم''

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

''سماع موتی کے مشہور دلائل میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جس کو امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے مرفوعاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تصحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جو شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے۔''

امام محمد بن احمد بن عبدالہادی الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وھو صحیح الاسناد''

(الصارم المنکی ص ۱۸۶، طبع مصر)

''کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔''

اور دُوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کا تو کہنا ہی کیا۔

''وھذا قد جاء عموما فی حق المومنین مامن رجل یمر بقبر الرجل کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الارد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام'' (الصارم المنکی ص ۹۵)

''یہ تو عام مؤمنوں کے حق میں آیا ہے کہ جو شخص بھی کسی ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کہ وہ دُنیا میں پہچانتا تھا تو وہ جب بھی اس کو سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف اس کی رُوح لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔''

علامہ محمد عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ: ''رواہ ابن عبدالبر وصححہ ابو محمد عبدالحق'' (شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۴، طبع مصر)

''امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے اور علامہ ابو محمد عبدالحق رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔''

اور اپنا فیصلہ یوں لکھتے ہیں: ''فقد صح مرفوعا مامن احد یمر'' (ج ۸ ص ۳۰۸)

علامہ سید محمود آلوسی الحنفی ﷫ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ: ''اخرج ابن عبدالبر وقال عبدالحق الاشبیلی ﷫ اسنادہ صحیح عن ابن عباس ﷛ مرفوعا'' (روح المعانی ج۲ ص ۴۵۵)

''امام ابن عبدالبر ﷫ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور امام عبدالحق اشبیلی ﷫ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس ﷛ سے مرفوعاً مروی ہیں۔

علامہ طحاوی (سید احمد الطحاوی الحنفی ﷫) لکھتے ہیں کہ: ''واخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمھید بسند صحیح عن ابن عباس ﷛ قال قال رسول اللہ ﷺ مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاَّ عرفہ ورد علیہ السلام'' (طحاوی ص ۳۴۱)

''امام ابن عبدالبر ﷫ نے اپنی کتاب ''استذکار اور تمہید'' میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس ﷛ سے روایت کی تخریج کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی اپنے مؤمن بہن بھائی کی قبر کے پاس سے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا نہیں گزرتا جس کو وہ سلام کہے مگر وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور مسئلہ سماع موتی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''واخرج ابن ابی الدنیا ﷫ والبیھقی ﷫ فی الشعب عن محمد بن واسع قال بلغنی ان الموتٰی یعلمون بزوّارھم یوم الجمعۃ ویومًا قبلہ ویومًا بعدہٗ وقال ابن القیم ﷫ الاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم بہ المزور وسمع سلامہٗ وأنس بہ ورد علیہ وھذا عام فی حق الشھداء وغیرھم وانہ لاتوقیت فی ذٰلک وھو اصح من اثر الضحاک علی التوقیت''

(طحاوی ص ۳۴۰)

''اور امام ابن ابی الدنیا ﷫ اور امام بیہقی ﷫ نے شعب الایمان میں محمد بن واسع ﷫ سے تخریج کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بلاشبہ مُردے جمعہ کے دِن اور ایک دن اس سے قبل اور ایک دن اس کے بعد اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور امام ابن القیم ﷫ فرماتے ہیں کہ احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زیارت کرنے والا جب بھی آتا ہے تو جس کی زیارت کی جاتی ہے۔ (یعنی مُردہ) وہ اس کو جانتا، اس کے سلام کو سنتا، اُس سے مانوس ہوتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ بات شہداء اور غیر شہداء سب کے حق میں عام ہے اور اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں اور یہ حضرت ضحاک ﷫ کے اثر سے زیادہ صحیح ہے جس میں وقت کی تخصیص ہے۔

اُصولِ حدیث کے رُو سے تخریج اور اخراج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کو اس کی پوری سند کے ساتھ نقل کیا جائے۔ یہ روایت امام ابن عبدالبر ﷫ نے مؤطا امام مالک کی مطول اور مختصر شرح التمہید اور الاستذکار میں نقل کی ہے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی الشافعی ﷫ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اس کی تصریح کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ صححہ عبدالحق کہ اس کی تصحیح محدث عبدالحق ﷫ نے کی ہے۔ (شرح الصدور ص ۸۴) اور محدث عبدالحق ﷫ کے حوالہ سے اس کی تصحیح انہوں نے اپنی کتاب (بشریٰ الکیب ص ۱۰۳) میں بھی نقل کی ہے اور امام عبدالحق ﷫ نے یہ بات اپنی کتاب ''العاقبہ'' میں تحریر فرمائی ہے۔ (الصارم المنکی ص ۱۸۶) اور اس کے علاوہ ''الاحکام الصغریٰ'' میں بھی فرمائی ہے۔

جیسا کہ علامہ السید السمہودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''روی عبدالحق فی الاحکام الصغری وقال اسنادہ صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما الی ان قال وروی ابن عبدالبر رحمہ اللہ وصححہ کمانقلہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''

(وفاء الوفی ج ۲ ص ۴۰۴)

''امام عبدالحق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الاحکام الصغریٰ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ پھر آگے فرمایا اور امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت کی ہے اور اس کو انہوں نے صحیح کہا ہے جیسا کہ ان سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں: ''صححہ ابو محمد عبدالحق رحمہ اللہ '' (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۸۴۱)

''اس حدیث کی امام ابو محمد عبدالحق رحمہ اللہ نے تصحیح کی ہے۔''

اور مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''وفی حدیث صححہ ابو عمران احدًا اذا سلّم علی المیّت فانہ یرد علیہ ویعرفہ'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

''اور حدیث میں آتا ہے جس کو امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے کہ جب بھی کوئی شخص مُردہ کو سلام کرتا ہے، وہ اُس کا جواب دیتا اور اُس کو پہچانتا ہے۔''

اور علامہ عزیزی رحمہ اللہ اِلَّا عَرَفَهٗ وَرَدَّ علیہ السلام کے جملہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ولا مانع من خلق ھذا الادراک برد الروح فی بعض بدنہ'' (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۸۶)

''اس میں کوئی مانع نہیں کہ اس میں یہ ادراک اس کی رُوح کو اس کے بدن کے بعض حصہ کی طرف لوٹانے کی وجہ سے پیدا ہو جائے۔''

قاضی محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) کہتے ہیں: ''مع ان مطلق الادراک کالعلم والسماع ثابت لسائر الموتی وقد صح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعًا مامن احدیمر علی قبر اخیہ المؤمن وفی روایۃ بقبر الرجل کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ اِلَّا عرفہ ورد علیہ السلام'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴، طبع مصر)

''حالانکہ مطلق ادراک مثلاً علم اور سماع تو یہ تمام مُردوں کے لئے حاصل اور ثابت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مرفوع روایت آئی ہے کہ جو شخص بھی اپنے مؤمن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور ایک روایت میں آتا ہے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ اُس پر سلام کہتا ہے وہ اُس کو پہچانتا ہے اور اُس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔''

اس صحیح اور صریح حدیث کی روشنی میں حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''فھذا نص فی انہ یعرفہ بعینہ ویرد علیہ السلام'' (کتاب الروح ص ۴)

''یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ مُردہ سلام کہنے والے کو بعینہٖ پہچانتا اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔''

اور یہی حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اپنے مشہور قصیدہ ''نونیہ'' میں لکھتے ہیں:

وھذا ورد نبینا التسلیم من یأتی بتسلیم مع الاحسان

اُور یہ اَمر کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں جو عمدہ طریقہ سے سلام کہتا ہے۔

ماذاک مختصا به ایضاً کما قد قاله المبعوث بالقرأن
یہ صرف آپ کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے جیسا کہ خود اس ذات نے فرمایا جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا ہے۔

من زار قبر اخ له فاتی بتسلیم علیه و هو ذوایمان
کہ جس شخص نے اپنے مؤمن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اُسے سلام کہا۔

ردالاله علیه حقا روحه حتّٰی یرد علیه ردّ بیان
(النونیہ ص ۱۴۵)

تو پروردگار یقینی طور پر اُس پر اُس کی رُوح لُوٹا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اُس کے سلام کا واضح بیان سے جواب دیتا ہے۔

اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۶۹ھ) فرماتے ہیں کہ: ''علی ان الصواب ان المیت اهل الخطاب مطلقًا لما سبق من الحدیث ما من احد یمر بقبر اخیه المؤمن یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعرفه ورد علیه السلام'' (فتح الملہم ج ۲ ص ۵۰۸)

''مزید برآں درست بات یہ ہے کہ مُردہ مطلقاً خطاب کا اہل ہے کیونکہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص بھی اپنے مؤمن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو دُنیا میں وہ پہچانتا تھا اور وہ اُسے سلام کہتا ہے تو مُردہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔''

اسی مضمون کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ (کتاب الروح ص ۵، وشرح الصدور ص ۸۴) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مَروی ہے۔ (کتاب الروح ص ۱۳) اور ان کی یہ روایت امام ابن عساکر رحمہ اللہ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۵۱) اور امام ابی الدنیا رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''شعب الایمان'' میں بھی نقل کی ہے۔ (شرح الصدور ص ۸۴) ان دونوں روایتوں میں کمزوری بھی ہے لیکن اُصولِ حدیث کے رُو سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سابق حدیث کے لئے شاہد اور مؤید کا درجہ ان کو حاصل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح ہے جس کو صحیح کہنے والے اور اُن کی تائید کرنے والے اور اس روایت سے استدلال کرنے والے یہ حضرات ہیں:

(۱) امام ابن عبدالبر، (۲) امام ابو محمد عبدالحق، (۳) حافظ ابن تیمیہ، (۴) حافظ ابن القیم، (۵) حافظ ابن کثیر، (۶) امام قرطبی، (۷) ابن عبدالهادی، (۸) علامہ زرقانی، (۹) علامہ آلوسی، (۱۰) نواب صدیق حسن خان، (۱۱) علامہ سمہودی، (۱۲) مولانا سید انور شاہ صاحب، (۱۳) علامہ سیوطی، (۱۴) علامہ عزیزی، (۱۵) قاضی شوکانی، (۱۶) مولانا عثمانی (رحمہم اللہ)

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ متقین واثبات میں سے ہیں اور نقل کے باب میں ثقہ اور ثبت ہیں اور امام عبدالحق الازدی الاشبیلی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۸۱ھ) کو علامہ ذہبی رحمہ اللہ حافظ العلامۃ اور الحجۃ لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۹) اور حافظ ابو عبداللہ الابار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''کان فقیها حافظًا عالمًا بالحدیث وعلله عارفًا بالرجال موصوفا بالخیر والصلاح والزهد والورع ولزوم السنة'' (تذکرہ ج ۴ ص ۱۴۰)

''وہ فقیہ، حافظ، حدیث اور اس کی علتوں کے عالم اور راویوں کو جاننے والے تھے۔ نیز وہ خیر وصلاح، زُہد وورع سے متصف اور پابند سنت تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موصوف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کی تصحیح محض صوفیانہ رنگ اور سہل نگاری کے طور پر نہیں بلکہ علم حدیث اور اس کے رواۃ پر گہری نگاہ رکھ کر اُصولِ حدیث کے مطابق کی ہے اور محدثین اور محققین علماء کرام کے جم غفیر نے ان کی تائید کی ہے۔

اعتراض: اس حدیث کے سلسلہ میں جو اعتراض نظر سے گزرا ہے۔ وہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں نقل کیا ہے: ''وقیل فی حدیث ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ ان عبدالحق وان قال اسنادہ صحیح الا ان الحافظ ابن رجب تعقبہ وقال انہ ضعیف بل منکر'' (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۷)

''اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امام عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اگر چہ کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مگر حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ منکر ہے۔

الجواب: اوّلاً تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ ''قیل'' سے اس جواب کو نقل کر کے اِس کا ضعف بتا دیا ہے اور اس کی اہمیت گھٹا دی ہے اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ خود اس سے مطمئن نہیں ہیں، وثانیاً حافظ عبدالرحمن بن شہاب الدین ابن احمد بن رجب الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۹۵ھ) اپنے مقام پر بلاشبہ متبحر عالم ہیں، لیکن فن حدیث اور روایت حدیث کی پرکھ اور نقد وجرح میں ان کا وہ مقام نہیں جو حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبدالحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ دونوں اقدام ہونے کے علاوہ اس فن میں ان سے اعلم بھی ہیں اور پھر حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بے شمار محدثین ان کی تائید کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی تصحیح کے مقابلہ میں ان کی تضعیف کا کوئی مقام نہیں ہے۔ وثالثاً ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کی جرح اور تضعیف مُبہم ہے اور اُصولِ حدیث کے رُو سے اس کا کوئی اعتبار نہیں جمہور کا ضابطہ یہ ہے۔

اگر کوئی کہے کہ: ''ھذا الحدیث غیر ثابت او منکر او فلان متروک الحدیث او ذاھب الحدیث او مجروح او لیس بعدل من غیر ان یذکر سبب الطعن وھو مذھب عامۃ الفقھاء والمحدثین''

(الرفع والتکمیل ص ۸)

یہ حدیث ثابت نہیں یا منکر ہے یا فلاں راوی متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا مجروح ہے یا عادل نہیں اور اس کی وجہ اور سبب نہ بیان کرے (تو اس صورت میں یہ جرح مقبول نہ ہوگی) اکثر فقہاء اور محدثین کا یہی مذہب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جرح مبہم اور غیر مفسر کا جمہور فقہاء کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں۔ مؤلف ندائے حق امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے غیر ثقہ راوی سے کیوں روایت کی ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس راوی پر جرح مفسر ثابت نہیں اور جرح صرف مفسر ہی قبول کی جا سکتی ہے۔ (نووی ص ۱۳، ندائے حق ص ۱۸۲، محصلہ) اور پھر آگے مقدمہ (بخاری ص ۱۱) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ متابعت اور استشہاد میں بعض ضعیف راویوں کی روایت بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ (ندائے حق ص ۱۸۲)

ہاں! اگر جارح ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہو۔ متشدد، متعنت اور متعصب نہ ہو اور جرح کے اسباب کو جانتا ہو تو پھر جرح تعدیل پر مقدم ہوگی۔ بشرطیکہ جمہور کے قول سے متصادم نہ ہو۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

کہ: ''والجرح مقدم علی التعدیل و اطلق ذٰلک جماعۃ ولٰکن محلہ ان صدر مبینا من عارف باسبابہ لانّہ ان کان غیر مفسر لم یقدح فی من ثبتت عدالتہ'' (شرح نخبۃ الفکر ص ۱۱۱)

''جرح تعدیل پر مقدم ہے اور ایک جماعت نے اس کو مطلق رکھا ہے لیکن اس تقدیم کا صحیح محل یہ ہے کہ جرح مفسر ہو اور ایسے شخص سے ہو جو جرح کے اسباب کو جانتا ہو۔ کیونکہ اگر جرح مفسر نہ ہوئی تو ایسے شخص کے بارے میں اس سے کوئی عیب پیدا نہیں ہوگا جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو۔

الحاصل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکور مرفوع حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے متعلق یہی فیصلہ جمہور محدثین رحمہم اللہ کا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

چوتھی دلیل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں کفار کو شکست دینے اور اُن میں سے ستر (۷۰) کو جہنم رسید کرنے کے بعد جب ان میں سے چوبیس بڑے بڑے کافروں کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں ڈالیں تو تیسرے دن آپ وہاں اس کنوئیں کے پاس تشریف لے گئے اور اُس کے کنارے پر کھڑے ہو کر ان میں سے ایک ایک کافر اور اس کے باپ کا نام لے کر فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ ہمارے ساتھ ہمارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا وہ تو پورا ہو گیا کیا جو (عذاب وسزا کا) وعدہ تم سے ہوا تھا، وہ پورا ہو گیا یا نہیں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت! کیا آپ ایسے اجسام سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں اَرواح نہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''والذی نفس محمد بیدہٖ ما انتم باسمع لما اقول منھم قال قتادۃ احیاھم اللہ حتی اسمعھم قولہ توبیخا و تصغیرًا و نِقمۃً و حسرۃً و ندمًا''

(بخاری ج ۲ ص ۵۶۶، واللفظ لہٗ و مسلم ج ۲ ص ۳۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴، ج ۳ ص ۱۴۵)

اس پروردگار کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تم اس گفتگو کو جو میں ان سے کر رہا ہوں، اُن سے زیادہ نہیں سنتے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام اُن کو سنایا تا کہ ان کو ڈانٹ، ذِلّت و خواری، حسرت اور ندامت حاصل ہو۔''

اس حدیث کی تفسیر و توضیح میں شرّاح حدیث کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث سے مُردوں کے سننے کا جو ثبوت ملتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اگر اس کا یہی مطلب متعین ہو تو پھر اس کا عام موتیٰ کے سماع سے تعلق نہیں ہوگا اور اس قول کی بنیاد حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی تشریح اور تفسیر پر ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کی وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ وہ فن حدیث میں الحافظ اور العلّامہ تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۵) لیکن اس کے ساتھ قدری یعنی منکر تقدیر بھی تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ ہی لکھتے ہیں کہ وہ برملا اپنی یہ رَدّی عقیدہ بیان کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوتی ہے مگر گناہ اس کی تقدیر سے نہیں ہوتے۔ (ایضاً ج ۱ ص ۱۱۶، ۱۱۷) امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ ان کو چوٹی کا بدعتی (یعنی قدری) کہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۳)

اور محدّثین کرام رحمہم اللہ القدر کا معنی یہ کرتے ہیں کہ: ''وھو زعم ان الشر من خلق العبد''

''اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ شر بندے کی مخلوق ہے۔'' (تدریب الراوی ص ۲۱۹)

اور یہ بدعتی فرقہ معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ چنانچہ علم الکلام کی مشہور کتاب المواقف اور اس کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۷۴۷ طبع لکھنؤ) اور معتزلہ روافض اور خوارج وغیرہ کا حیوۃ فی القبر کے بارے میں اہل السنت والجماعت سے پہلے ہی اختلاف ہے۔ ہم نے تسکین الصدور میں اس کی کچھ بحث کر دی ہے۔ پھر قتادہ رحمہ اللہ کی یہ تفسیر اور توجیہ اہل السنت پر کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ خود مؤلف (شفاء الصدور ص ۷۲) کے حاشیہ میں قتادہ کے قدری ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث اُن کی خصوصیت پر محمول نہیں ہے بلکہ جس طرح عام دیگر مُردے سنتے ہیں۔ اسی طرح مقتولین بدر نے بھی سنا۔ چنانچہ اس کی تشریح میں لکھا ہے: ''قال النووی قال المازری قیل ان المیت یسمع عملاً بظاھر ھذا الحدیث و فیه نظر لانه خاص فی حق ھؤلاء ورد علیه القاضی و قال یحمل سماعھم علی ما یحمل سماع الموتی فی احادیث عذاب القبر و فتنته التی لا مدفع لھا و ذٰلک باحیائھم او احیاء جزء منھم یعقلون به ویسمعون فی الوقت الذی یریده اللہ قال الشیخ ھذا ھو المختار''

(۱۲ طیبی ہامش بخاری ج ۲ ص ۵۶۶، ہامش مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۴۵، عن المرقات والطیبی)

''امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر کو ملاحظہ کرتے ہوئے میّت سنتی ہے لیکن اس میں کلام ہے کیونکہ یہ تو اُنہی لوگوں کے ساتھ مختص ہے مگر قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا رَد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ان مقتولین بدر کا سماع اسی پر حمل کیا جائے گا جس طرح احادیث عذاب قبر اور فتنہ قبر میں عام موتی کے سماع پر محمول ہے۔ کیونکہ ان حدیثوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ان کو یا ان کی کسی ایسی جُزو کو زندہ کیا جاتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں اور اس وقت سنتے بھی ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ شیخ صاحب فرماتے ہیں یہی بات مختار ہے۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ: ''قال المازری قال بعض الناس المیت یسمع عملاً بظاھر ھذا الحدیث ثم انکره المازری وادعی ان ھذا خاص فی ھؤلاء ورد علیه القاضی عیاض وقال یحمل سماعھم علی ما یحمل علیه سماع الموتی فی احادیث عذاب القبر و فتنته التی لا مدفع لھا و ذٰلک باحیائھم او احیاء جزء منھم یعقلون به ویسمعون فی الوقت الذی یرید اللہ ھذا کلام القاضی وھو الظاھر المختار الذی تقتضیه احادیث السلام علی القبور واللہ تعالٰی اعلم'' (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۷)

''علامہ مازری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میّت سنتی ہے اور وہ لوگ بظاہر اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ پھر مازری رحمہ اللہ نے انکار کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ سماع مقتولین بدر سے مخصوص ہے لیکن قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ان کا رَد کیا اور فرمایا کہ ان کے سماع کو اسی پر حمل کیا جائے گا جس پر سماعِ موتی کی احادیث دال ہیں جو عذاب قبر اور فتنۂ قبر سے متعلق ہیں جن کو ٹالا نہیں جا سکتا اور یہ اس طرح کہ ان کو زندہ کیا جائے یا ان کی کسی جزو کو زندہ کیا جائے جس سے وہ سمجھ سکیں اور اس وقت سُن سکیں جب اللہ تعالیٰ اِرادہ فرمائے۔ یہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کلام ہے اور یہی ظاہر اور مختار ہے جس کو قبور پر سلام کی احادیث چاہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''و اما سوال السائل ھل یتکلم المیّت فی قبره فجوابه انه

یتکلم وقد یسمع ایضاً من کلمہ کما ثبت فی الصحیح عن النبی ﷺ انہ قال انھم یسمعون قرع نعالھم الیٰ ان قال وثبت عنہ فی الصحیح انہ ناذی المشرکین یوم بدر لما القاھم فی القلیب قال ما انتم با سمع لما اقول منھم والاٰثار فی ھذا کثیرۃ منتشرۃ واللہ تعالیٰ اعلم'' (فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۶ ص ۲۱۷، طبع مصر)

''بہرحال سائل کا یہ سوال کہ کیا مُردہ قبر میں بولتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بولتا ہے اور کبھی کلام کرنے والے کی بات کو سنتا بھی ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بے شک وہ واپس آنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سنتا ہے۔ (پھر آگے فرمایا) اور آپ سے صحیح حدیث کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے بدر کے دن جبکہ مشرکین کی لاشیں کنوئیں میں ڈالیں آواز دی اور (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے) فرمایا کہ میں ان سے جو گفتگو کر رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے اور اس سلسلہ میں (کہ سماع موتیٰ ہے) بکثرت حدیثیں موجود ہیں جو (کتب حدیث میں) پھیلی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

علامہ علی بن عبد الکافی السبکی رحمہ اللہ نے بھی سماع موتیٰ پر اس روایت: ''ما انتم بالسمع لما اقول منھم'' سے استدلال کیا ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۴۷)

حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۱۷ھ) نے فرمایا کہ آیت: ''انک لا تسمع الموتی'' میں نفی حواس خمسہ ظاہرہ سے مراد ہے نہ کہ مطلقاً اسماع اور استماع موتیٰ حواس باطنیہ سے پیغمبروں و اولیاء کرام کو ممکن ہے جیسے کہ حدیث قلیب میں مصرّح ہے۔ (شمائم امدادیہ ص ۷۲)

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے گو حواس باطنیہ سے سماع تسلیم کیا ہے مگر قلیب بدر کی حدیث سے عموم سمجھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علامہ قاضی عیاض، امام نووی اور حافظ ابن تیمیہ وغیرہ (رحمہم اللہ) کے نزدیک اس حدیث میں سماع موتیٰ کا مسئلہ مقتولین بدر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے اور دیگر بعض اکابر علماء نے بھی اس سے تعمیم ہی سمجھی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

الامام العلاّمہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۷۱ھ) سماع موتیٰ پر بحث کرتے ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آیت کریمہ: ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' سے نفی سماع موتیٰ پر استدلال نقل کرنے کے بعد آخر میں اپنا فیصلہ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''وقد عورضت ھذہ الاٰیۃ بقصۃ بدر وبالسلام علی القبور وبما روی فی ذٰلک من ان الارواح تکون علی شفیر القبور فی اوقات وبانّ المیّت یسمع قرع النعال اذا انصرفوا عنہ الیٰ غیر ذٰلک فلو لم یسمع المیّت لم یسلّم علیہ وھذا واضح وقد بیناہ فی کتاب التذکرۃ''

(تفسیر قرطبی الموسوم بہ الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۲۳۳، طبع مصر)

''اس آیت کریمہ کے معارضہ میں بدر کا واقعہ اور قبر پر سلام کہنے کی روایات اور وہ جو روایت کیا گیا ہے کہ اَرواح بعض اوقات قبروں کے کنارے پر ہوتے ہیں اور یہ کہ میت واپس جانے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے، وغیرہ دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ پس اگر مُردہ نہ سنتا ہو تو اُس کو سلام نہ کہا جاتا اور یہ بالکل واضح ہے اور ہم نے اپنی کتاب تذکرہ میں اس کو صراحت سے بیان کیا ہے۔''

اس عبارت سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی سماع موتیٰ کا مسئلہ صرف

مقتولینِ بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ سماع عام ہے جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے اور دُوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ جن لوگوں نے علامہ قرطبی رحمہ اللہ کو سماعِ موتی کے منکرین میں شمار کیا ہے، وہ سخت غلطی پر ہیں اور یہ عبارت ان کی تردید کے لئے کافی ہے جیسا کہ کسی بھی صاحبِ فہم اور منصف مزاج سے مخفی نہیں ہے۔

علامہ عبدالعلی بحرالعلوم الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۵ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ: ''وما قیل ان التلقین لغو لان المیّت لا یسمع فھذا باطل لانہ قد ورد فی الحدیث الصحیح ان المیّت اسمع لصوت النعال من الاحیاء و رسول اللہ ﷺ قد نادٰی الکفرۃ الملقین فی قلیب بدر وقال انھم یسمعون ولا یقدرون علی الجواب لما لحقھم من العذاب الشدید'' (رسائل الارکان ص ۱۵۰، طبع لکھنؤ)

''اور جو یہ کہا گیا ہے کہ تلقین لغو ہے کیونکہ مُردہ نہیں سُنتا تو یہ کہنا باطل ہے کیونکہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ میّت جوتیوں کی آواز کو بہ نسبت زِندوں کے بھی زیادہ سنتی ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اُن کفار کو جو بدر کے کنوئیں میں ڈالے گئے تھے۔ آواز دی تھی اور آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ سنتے ہیں لیکن چونکہ ان کو سخت عذاب ہو رہا ہے اس لئے جواب دینے پر قادر نہیں ہیں۔''

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ علامہ بحرالعلوم رحمہ اللہ سماعِ موتی کے قائل تھے نہ کہ منکر (جیسا کہ مؤلف ندائے حق نے ص ۱۵۳ میں منکرینِ سماعِ موتی میں اُن کا نام دیا ہے) اور پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اصحابِ بدر کے اس واقعہ کو صرف اُن ہی کے ساتھ مختص نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس سے تعمیم مُراد لے رہے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) سے سوال ہوا جس کا جواب انہوں نے یہ دیا:

''سوال: انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی میماند و زائران خود رامے شناسدو سلام و کلام ایشاں را شنو دیانے؟

جواب: انسان را بعد موت ادراک باقی میماند بر ایں معنی شرع شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند اما در شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم بتواتر ثابت است و تفصیل ان دفتر طویل مے خواھد و کتاب شرح الصدور فی احوال الموتٰی والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ است و دیگر کتب حدیث باید دید و در کتب کلامیہ اثبات عذاب القبر مینمایند حتّٰی کہ بعض اھل کلام مُنکر آں را کافر مے دانند و عذاب و تنعیم بغیر ادراک و شعور نمے تواند شد و نیز در احادیث صحیحہ مشھورہ در باب زیارت قبور و سلام بر موتٰی و ھمکلامی باٰنھا کہ انتم سلفنا و نحن بالاثر و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون ثابت است و در بخاری و مسلم موجود است کہ آنحضرت ﷺ با مقتولین بدر (بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے ''شہداء بدر'' لکھا گیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ صفدرؔ) خطاب فرمودند ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا مردم عرض کردند یارسول اللہ التکلم من اجساد لیس فیھا ارواح (بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے رُوح کا لفظ لکھا گیا ہے) فرمودند ما انتم باسمع منھم ولٰکنھم لا یجیبون ''الی ان قال'' بالجملۃ انکارِ شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن او را شبہ نیست''

(فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص ۸۸، فارسی و ج ۱ ص ۱۸۵، مترجم اُردو ص ۱۸۶)

''سوال: کیا موت کے بعد انسان کے لئے ادراک وشعور باقی رہتا ہے؟ اور وہ اپنی زیارت کرنے والوں کو پہچانتا ہے اور ان کا سلام وکلام سنتا ہے یا نہیں؟

جواب: موت کے بعد انسان کا ادراک باقی رہتا ہے۔ اس نظریہ پر شرع شریف اور قواعد فلسفی کا اجماع ہے۔ رہا شرع شریف کا معاملہ، تو قبر کا عذاب وراحت تواتر سے ثابت ہے اس کی تفصیل کے لئے طویل دفتر درکار ہیں اور امام سیوطی ﷫ کی کتاب ''شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور'' اور دوسری کتابیں دیکھنی چاہئیں اور علم کلام کی کتابوں میں اثبات عذاب قبر ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ بعض متکلمین نے اس کے منکر کو کافر شمار کیا ہے اور قبر کی سزا وراحت بغیر ادراک وشعور کے نہیں ہوسکتی اور نیز صحیح ومشہور حدیثیں قبور کی زیارت کے باب میں اور مُردوں سے سلام اور ہم کلام ہونے کے بارے میں مثلاً یہ کہ تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں اور ہم اِن شاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں، ثابت ہیں اور بخاری ومسلم میں موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مقتولینِ بدر سے خطاب فرمایا کہ کیا تم نے وہ کچھ پالیا جو تمہارے ساتھ رب نے وعدہ کیا تھا؟ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں اَرواح نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سُن رہے اور لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔ (پھر آگے فرمایا کہ) بالجملہ اموات کے شعور وادراک کا انکار اگر کفر نہیں تو اس کے الحاد ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحب ﷫ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مقتولینِ بدر کے ساتھ سماع کو مخصوص نہیں کرتے بلکہ اس سے تعمیم مُراد لیتے ہیں اور مُردوں کے ادراک وشعور پر کافی زور دے رہے ہیں۔

علامہ سمہودی ﷫ لکھتے ہیں: ''انما نعتقد ثبوت الادراکات کالعلم والسماع لسائر الموتیٰ فضلاً عن الانبیاء ویقطع بعود الحیوۃ لکل میت فی قبرہ کما ثبت فی السنۃ'' الیٰ ان قال ''لکن یکفی فیه حیوۃ جزء یقع به الادراک فلا یتوقف علی البینۃ کما زعم المعتزلہ'' (وفاء الوفی ج ۲ ص ۴۰۷)

''یقینی بات ہے۔ ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ﷩ کا تو پوچھنا ہی کیا، علم اور سننے وغیرہ کے ادراکات تو تمام مُردوں کے لئے ثابت ہیں اور یقینی بات ہے کہ ہر میت کی طرف قبر میں زندگی لَوٹ کر آتی ہے، جیسا کہ سُنت سے ثابت ہے۔ (پھر آگے فرمایا) لیکن (عام اموات کے لئے) ایسی جزو کی حیات کافی ہے جس سے ادراک ہوسکے۔ سو یہ جسمانی ڈھانچے پر موقوف نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کا (باطل) خیال ہے۔

''مؤلف ''شفاء الصدور'' نے (ص ۱۱۱ سے ص ۱۱۹) تک مُردوں اور زندوں میں چوالیس فرق بیان کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مُردوں کو کفن پہنایا جاتا ہے، زندوں کو نہیں پہنایا جاتا، مُردوں کا مرثیہ ہوتا ہے زندوں کا نہیں۔ زندے وارث ہوتے ہیں، مُردے نہیں ہوتے۔ وغیرہ وغیرہ! مگر ہم اس لایعنی اور غیر ضروری بحث میں اپنا وقت ضائع کرنا اور عام مسلمانوں کے ذہن کو مشوش کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہم ارخاء عنان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چلو سب فرق صحیح ہیں لیکن ادراک وشعور فہم وسماع میں مُردے اَور زندے برابر ہیں۔ اصل گھر کی بات ہی یہی ہے جیسا کہ اس پر بے شمار حوالے عرض کردیئے گئے ہیں۔ قاضی شوکانی ﷫ اور علامہ عثمانی ﷫ کا حوالہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب ﷫ لکھتے ہیں: ''وجملہ اموات از مؤمنین وکفار در حصولِ علم وشعور وادراک وسماع وعرض اعمال ورد جواب برزائر برابر اند تخصیص بہ انبیاء وصلحا نیست''

(دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۸۴۰)

"تمام مُردے مؤمن ہوں یا کافر، حصولِ علم، شعور، ادراک، سماع، عرض اعمال اور زیارت کرنے والے کے سلام کے جواب لوٹانے میں برابر اور یکساں ہیں۔ ان اُمور کی تخصیص محض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحاء کے ساتھ ہی نہیں ہے۔"

ان اکابر کے علاوہ بھی بہت سے حضرات یہی فرماتے ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی الحنفی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: "و ذهب طوائف من اهل العلم الى سماعهم فى الجملة وقال ابن عبدالبر ان الاكثرين على ذلك وهو اختيار ابن جرير الطبرى وكذا ذكره ابن قتيبه وغيره واحتجوا بما فى الصحيحين عن انس عن ابى طلحة رضی اللہ عنہ قال لما كان يوم بدر وظهر عليهم يعنى مشركى قريش رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم امر ببضعة وعشرين رجلاً وفى رواية اربع وعشرين رجلاً من صناديد قريش فالقوا فى طوى اى بئر من اطواء بدر وان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ناداهم يا اباجهل بن هشام يا امية بن خلف يا عتبة بن ربيعة اليس قد وجدتم ما وعدكم ربكم حقا فانى قد وجدت ما وعد ربى حقا فقال عمر رضی اللہ عنہ يا رسول الله ما تكلم من اجساد لا ارواح لها فقال والذى نفس محمد بيده ما انتم باسمع لما اقول منهم وزاد فى رواية لمسلم عن انس رضی اللہ عنہ ولكنهم لا يقدرون ان يجيبوا"

(روح المعانی ج ۶ ص ۴۵۴)

"اہل علم کے کئی طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مُردے فی الجملہ سنتے ہیں۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت اسی پر ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور اسی طرح امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور ان حضرات نے بخاری اور مسلم کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جب بدر کا دن تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین قریش پر غالب آگئے تو آپ نے بیس سے زائد سردارانِ قریش کے بارے میں ایک اور روایت میں آتا ہے کہ چوبیس کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں کے اندر ڈال دو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام لے لے کر ان کو پکارا اور فرمایا: اے ابوجہل بن ہشام، اے اُمیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ کیا تم نے وہ چیز پالی جو تمہارے ساتھ تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا، بے شک میں نے وہ سب کچھ پالیا جو میرے ساتھ میرے رب نے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ ایسے جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں اَرواح ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سُن رہے اور مُسلم کی روایت میں حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اور لیکن وہ اس پر قادر نہیں کہ جواب دے سکیں۔"

بقول امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ سماع موتی کے قائل اکثر حضرات ہیں اور ان ہی میں امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ بھی ہیں اور ان سب حضرات نے اپنے دلائل میں قلیب بدر والی حدیث بھی پیش کی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اگرچہ ان کے سماع کا انکار کیا ہے مگر وہ اس میں معذور ہیں۔

"قال ابن تيمية رحمہ اللہ فى كتاب الانتصار للامام احمد رحمہ اللہ و انكار عائشة رضی اللہ عنہا سماع اهل القليب الكفار معذورة فيه لعدم بلوغها النص وغيرها لا يكون معذورًا مثلها لان هذه المسئلة صارت معلومة من الدين بالضرورة" (المنحۃ الوھبیۃ ص ۱۳)

''امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کی نصرت میں جو کتاب لکھی ہے (جس کا نام الانتصار لِلامام احمد رحمہ اللہ ہے) اس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قلیب بدر کے کفار کے سماع کا جو انکار کیا ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ وہ اس موقع پر موجود نہ تھیں اور ان کو یہ ارشاد نہیں پہنچا اور دوسرے اُن کی طرح معذور نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ضروریاتِ دین کی طرح معلوم ہوگیا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سماع موتی کے مسئلے کو ضروریات دین کے مسائل میں شمار کرتے ہیں۔

پانچویں دلیل: امام سیوطی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''و اخرج العقیلی عن ابن ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال ابو رزین رضی اللہ عنہ یا رسول اللہ ان طریقی علی الموتی فھل من کلام اتکلم بہ اذا مررت علیھم قال قل السلام علیکم یا اھل القبور من المسلمین و المؤمنین انتم لنا سلف و نحن لکم تبع و انا انشاء اللہ بکم لاحقون قال ابو رزین یا رسول اللہ یسمعون قال یسمعون و لکن لا یستطیعون ان یجیبوا قال یا ابا رزین الا ترضی ان یرد علیک بعددھم من الملائکۃ'' (شرح الصدور ص ۸۴، طبع مصر)

''امام عقیلی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ میرا راستہ مُردوں کے پاس (یعنی قبرستان) سے گزرتا ہے۔ پس کیا میں ان کے پاس سے گزرتے ہوئے کوئی کلام کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہو۔ سلام ہو تم پر اے اہلِ قبور، جو مسلمان اور مؤمن ہو۔ تم ہمارے پیشرو ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں اور ہم بھی اِن شاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں۔ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا وہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! سنتے ہیں مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا: اے ابورزین (رضی اللہ عنہ) کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم جتنے مُردوں کو سلام کہو اتنی ہی تعداد میں فرشتے تمہیں جواب دیں۔

اس حدیث سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ اہل قبور اپنی قبروں میں باہر سے سلام کہنے والے کا سلام سنتے ہیں۔ ہاں! اس حدیث کے آخری حصہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اسی حدیث کے بعد امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''قولہ لا یستطیعون ان یجیبوا ای جوابا یسمعہ الجن و الانس فھم یردون حیث لا یسمع'' (شرح الصدور ص ۸۴)

''آپ کے اس ارشاد کا کہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا جواب کہ جس کو جن اور اِنسان سُن سکیں۔ مُردے جواب تو دیتے ہیں مگر وہ (عادۃً) سنا نہیں جاتا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مُردے سلام سننے کے بعد اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ مگر مکلّف مخلوق جن و اِنس (جن کو ثقلین سے تعبیر کیا جاتا ہے) اس جواب کو نہیں سنتے۔ اگر یہ عادۃً سُن لیتے تو ایمان بالغیب نہ رہتا۔ حالانکہ یہی ان سے مطلوب و مقصود تھا کہ وہ دیکھتے اور سنتے تو کچھ نہیں مگر بلا چون و چرا وہ سب نصوص پر ایمان رکھتے ہیں۔ بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اشعث ہے جو مجہول ہے اور امام عقیلی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث محفوظ نہیں ہے۔ (لسان ج ۵ ص ۸۴) بجا ہے مگر دیگر صحیح روایات اور اُمت کا تعامل اس سے استدلال کا مؤید ہے اور یہ اس قدر کمزور نہیں کہ اس کو سرّے سے نظر انداز کر دیا جائے اور جس مسئلہ کے اثبات کے لئے یہ حدیث پیش کی جاتی ہے وہ خود اختلافی مسئلہ ہے اور بنیادی عقائد اور حلال و حرام کے احکام سے نہیں ہے۔

علامہ آلوسی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''وما اخرجه العقيلي من انهم يسمعون السلام ولا يستطيعون ردّه محمول على نفى استطاعة الردّ على الوجه المعهود الذى يسمعه الاحياء'' (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۸)

''اور جس حدیث کی امام عقیلی رحمہ اللہ نے تخریج کی ہے کہ مُردے سلام تو سنتے ہیں لیکن جواب رَد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر محمول ہے کہ معہود طریقہ سے رَد کی طاقت نہیں رکھتے کہ اس جواب کو زندہ لوگ سن سکیں۔''

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سوال: نوزدهم سماعتِ موتی سلام زائر در شرح آمدیانه؟

جواب: سماعتِ موتی سلام زائر را در شرع مشکوٰة لاعلی القاری رحمہ اللہ از سیوطی رحمہ اللہ نقل نموده هکذا اعبارته قال السيوطي رحمہ اللہ واخرج العقيلي عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ'' (مأتہ مسائل ص ۳۴)

''اُنیسواں سوال: کیا قبور کی زیارت کرنے والے کے سلام کو مُردوں کے لئے سننے کا ثبوت شریعت سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: مُردوں کا زیارت کرنے والے کے سلام کے سننے کا ثبوت مُلّا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں امام سیوطی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور امام سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت اس طرح ہے کہ امام عقیلی رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی تخریج کی ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے وہ پوری حدیث نقل کی ہے جو اُوپر شرح الصدور کے حوالہ سے نقل کی جا چکی ہے۔ اس سے بصراحت معلوم ہوا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ بھی مُردوں کے لئے سماع سلام کے قائل ہیں اور اسی کو فی الجملہ سماع کہا جاتا ہے۔ مؤلف نے (ندائے حق ص ۱۵۳) میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ کو بھی مطلقاً منکرینِ سماعِ موتی میں شمار کیا ہے جو قطعاً غلط ہے۔

نوٹ: ان کے اس ارشاد کی تحقیق کہ: ''نزد اکثر حنفیہ سماعت موتی ثابت نیست۔'' اپنے مقام پر آرہی ہے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ!

چھٹی دلیل: امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (جن کا نام عبداللہ تھا اور وہ الحافظ عدیم النظیر، الثبت اور النحریر تھے۔ ۲۳۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸) فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن موسیٰ رحمہ اللہ نے بیان کیا (یہ صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۵۲) وہ ابن ابی ذئب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ (ان کا نام محمد بن عبدالرحمن بن المغیرہ تھا۔ یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں تھے اور ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۳) وہ قرہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ (یہ قرہ بن خالد سدوسی رحمہ اللہ ہیں جن سے صحاح ستہ کے جملہ مصنفین نے روایت لی ہے اور وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۷۲) اور وہ عامر بن سعد رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ (علامہ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور محدث عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۴)

وہ اپنے والد ماجد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''انه كان يرجع من ضيعته فيمر بقبور الشهداء فيقول السلام عليكم وانا بكم للاحقون ثم يقول لاصحابه الا تسلمون على الشهداء فيردون عليكم'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸، طبع ملتان وشرح الصدور ص ۹۴، طبع مصر)

''وہ جب اپنی زمین اور کھیتی سے واپس آتے اور شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے تو فرماتے السلام علیکم اور بے شک ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ پھر اپنے ساتھیوں سے فرماتے کہ کیا تم شہداء کو سلام نہیں کہتے تاکہ وہ تمہیں تمہارے سلام کا جواب لوٹائیں۔''

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر، صاحب منقبت اور مستجاب الدعوات صحابی تھے ان کا بھی یہ نظریہ تھا کہ شہداء زندوں کا سلام سنتے اور ان کو جواب دیتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے وہ صریح اور صحیح حدیثیں تھیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں کو سلام کہنے اور اُن کی طرف سے جواب لوٹانے کا ذکر فرمایا ہے اور یہ تمام احادیث اپنی حقیقت پر محمول ہیں تو پھر جلیل القدر صحابی ان کی خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے؟

ساتویں دلیل: پہلے یہ بات بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ عرض کی جا چکی ہے کہ تلقین میت میں حنفیہ باہم مختلف ہیں۔ جو گروہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہے وہ تلقین کا بھی قائل ہے اور چونکہ دفن کے بعد بہت سی روایات اثباتِ سماع کرتی ہیں۔لہٰذا تلقین میت اسی پر مبنی ہے۔(محصلہ) اور یہ تلقین اسی وجہ سے ہے کہ میت قبر میں سنتی ہے، ورنہ یہ کارروائی بیکار ہے۔

علامہ ابراہیم حلبی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۵۶ھ) کہتے ہیں کہ:''وانما لا ینھی عن التلقین بعد الدفن لانه لا ضرر فیه بل فیه نفع فان المیت یستأنس بالذکر علی ماورد فی الأثار ففی صحیح مسلم عن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص'' (غنیۃ المستملی ص ۵۳۳،طبع دیوبند)

''بلا شبہ دفن کے بعد تلقین سے نہ منع کیا جائے کیونکہ اس سے ضرر تو کچھ ہے نہیں بلکہ اس میں فائدہ اور نفع ہے۔کیونکہ میت ذکر سے مانوس ہوتی ہے جیسا کہ آثار میں آیا ہے۔چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔''

اِس کے بعد انہوں نے مسلم کی روایت بھی نقل کی ہے اور اس کے علاوہ کچھ اور آثار بھی نقل کئے ہیں۔ چنانچہ مسلم کی اس روایت کے آخر میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر (المتوفی ۴۳ھ) نے فرمایا کہ:''فاذا دفنتمونی فَسَنُّوا علَی التراب سنًّا ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور و یقسم لحمها حتّی استأنس بکم وانظر ماذا اراجع به رُسل ربی'' (مسلم ج ۱ ص ۷۶، واللفظ لہ وابوعوانہ ج ۱ ص ۷۱)

''جب تم مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر مٹی ڈالو پھر میری قبر کے پاس اتنا وقت ٹھہرے رہو جس میں اُونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہو، تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو کر سوچ سکوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔''

اس کتاب کے (ص ۲۸ تا ۳۰) میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شیخ بدرالدین العینی رحمہ اللہ اور کتاب ''الدرر السنية فی الاجوبة النجدية'' کے حوالوں سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ قبر کے پاس حاضر ہونے والے کو صاحب قبر جانتا اور اس سے مانوس ہوتا ہے، اور دفن کے بعد قبر پر ٹھہرنا اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دُعا کرنا ثابت ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا له التثبت فانه الأن یسئل'' (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۳، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۶)

"کہ آنحضرت ﷺ جب میت کے دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دُعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہوگا۔"

یہ سب باتیں صاحب قبر کے احساس وشعور پر دال ہیں، ورنہ قبر کے پاس دُعا کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ دُعا دُور سے بھی پہنچتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ: "واخرج الطبرانی فی الکبیر و ابن مندۃ عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال اذا مات احد من اخوانکم فسویتم علیہ التراب فلیقم احدکم علٰی رأس القبر ثم لیقل یا فلان بن فلانۃ فانہ یسمعہ و لا یجیب" (شرح الصدور ص ۴۴، ومختصر تذکرۂ قرطبی رحمہ اللہ ص ۳۱، وقال الحافظ فی التلخیص ج ۲ ص ۱۳۵، و اسنادہ صالح وقد قواہ الضیاء فی احکامہ)

"امام طبرانی رحمہ اللہ نے "معجم کبیر" میں اور اسی طرح حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ نے حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تخریج کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی فوت ہو جائے اور تم اس پر مٹی ڈال کر قبر درست کر چکو تو تم میں سے ایک اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر یہ کہے۔ اے فلاں بن فلاں کے بیٹے! کیونکہ بلا شک وہ سنتا ہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتا (جس کو تم سن سکو) اس کی اسناد صالح ہے اور محدث ضیاء رحمہ اللہ نے "احکام" میں اس کو قوی بتایا ہے۔"

اگرچہ اس حدیث کی بعض محدثین کرام رحمہم اللہ نے تضعیف کی ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی سند کو صالح کہتے ہیں اور مشہور محدث ضیاء الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۴۳) جو الامام العالم الحافظ الحجۃ اور محدث شام تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۹۰) علامہ برزالی رحمہ اللہ ان کو ثقہ جبل حافظ دین اور امام ابن النجار رحمہ اللہ ان کو حافظ متقن حجۃ عالم بالرجال کہتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۹۱) بھی اس حدیث کو قوی کہتے ہیں اور اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ التلخیص میں کہتے ہیں کہ اس کے کئی شواہد موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۱۳۶) اور پھر جمہور اُمت کے اس پر عمل سے اس کو تقویب حاصل ہے۔

چنانچہ حافظ ابن القیم الحنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "و یدل علی ھذا (ایضاً) ماجری علیہ عمل الناس قدیمًا الٰی الآن من تلقین المیّت فی قبرہ ولو لا انہ یسمع ذٰلک و ینتفع بہ لم یکن فیہ فائدۃ و کان عبثًا و قد سُئل عنہ الامام احمد رحمہ اللہ فاستحسنہ و احتج علیہ بالعمل و یروٰی فیہ حدیث ضعیف ذکرہ الطبرانی فی مُعجمہ من حدیث ابی امامۃ رضی اللہ عنہ "الٰی ان قال فھذا الحدیث و ان لم یثبت فاتصال العمل بہ فی سائر الامصار و الاعصار من غیر انکار کافٍ فی العمل بہ وما اجری اللہ سبحانہ العادۃ قط بان امۃ طبقت مشارق الارض و مغاربھا و ھی اکمل الامم عقولاً و اوفرھا معارف تطبق علی مخاطبۃ من لا یسمع و لا یعقل و تستحسن ذٰلک و لا ینکرہ منھا منکر بل سنہ الاولی للآخر و یقتدی فیہ الآخر بالاوّل"

(کتاب الروح ص ۱۴، طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

"اور قبر میں میت کی تلقین کے جواز کی اس کارروائی پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ قدیم سے اس وقت تک لوگوں کا عمل اس پر چلا آرہا ہے اور اگر مُردہ اس کو نہ سنتا ہو اور اس سے اس کو فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو یہ ایک

بے فائدہ اور عبث کارروائی ہوگی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے اس کو مستحسن سمجھا اور اس پر انہوں نے دلیل یہ پیش کی کہ اس پر بدستور عمل چلا آرہا ہے اور اس سلسلہ میں ایک ضعیف حدیث بھی مروی ہے جس کا امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معجم میں حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے۔ (اس کے بعد انہوں نے یہی روایت نقل کی جو ہم نے ابھی شرح الصدور وغیرہ کے حوالہ سے عرض کی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں) پس یہ حدیث اگرچہ ثابت[1] نہیں۔ (لیکن حدیث حَسن سے بھی جمہور کے نزدیک احتجاج درست ہے اور بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت صالح ہے۔ کما مر!) لیکن تمام شہروں اور سب زمانوں میں بغیر اِنکار کے اس پر عمل کا اتصال اس پر عمل کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت کبھی جاری نہیں رہی کہ تمام اُمتوں سے عقل کے لحاظ سے بہتر اُمت اُور وافر معارف سے شناسا اُمت زمین کے مشرق سے مغرب تک اس پر متفق ہو جائے کہ وہ ایسی ذات کو مخاطب بنائے کہ نہ تو وہ سنتی ہے اُور نہ جانتی ہے اور پھر اس کو وہ اچھا بھی سمجھے اُور کوئی منکر اس کا انکار بھی نہ کرے بلکہ پہلا اس کو بعد میں آنے والے کے لئے مسنون قرار دے اور بعد کو آنے والا پہلے کی اقتداء کرے۔''

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۵، طبع مصر) میں اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا رفع صحیح نہیں لیکن امام اثرم رحمۃ اللہ علیہ نے جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کارروائی کا ثبوت طلب کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اہلِ شام (جو اس وقت سنت کا مرکز تھا) ایسا کرتے ہیں۔ (محصلہ) یعنی حدیث کے ضُعف کو تعامل سے پورا کیا۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ چند یہ ہیں:

(۱) امام اہل السنت والجماعت حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی تلقین میت کے قائل تھے بلکہ وہ اس کو مستحسن سمجھتے تھے۔

(۲) حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے دَور تک (جن کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی) قدیم سے تمام شہروں اور سب زمانوں میں اس پر اُمت کا تعامل چلا آرہا ہے۔

(۳) بلکہ بقول ان کے مشرق سے مغرب تک اس پر اُمت کا اتفاق رہا ہے۔

(۴) اور کسی منکر نے اس کا انکار نہیں کیا۔

(۵) یہ حدیث اگرچہ ثابت نہیں مگر اُمت کے تعامل سے اس کا اعتبار ہے۔

اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے عبید بن مرزوق کے مرسل سے ابوالشیخ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ ایک عورت مسجدِ نبوی میں جھاڑو دیتی تھی۔ اس کی وفات ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کا علم نہ ہوسکا۔ وہ دفن ہو چکی اور آپ اس کی قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ یہ قبر کس کی ہے؟

---

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''نتائج الافکار'' میں لکھتے ہیں کہ: ''لایلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف لاحتمال ان یراد بالثبوت الصحۃ فلا ینتفی الحسن'' (ترجمہ: ''نفی ثبوتِ حدیث سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ احتمال ہے کہ ثبوت سے صحت مراد ہو (یعنی یہ حدیث صحت کو نہیں پہنچتی) تو اس سے حُسن ہونے کی نفی نہیں ہوتی)'' حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس فنی نقطہ سے معلوم ہوا کہ نفی ثبوت سے ثبوتِ ضعف لازم نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ حدیث صحت کو تو نہ پہنچتی ہو لیکن حُسن کے درجہ کو پہنچ جائے اور اسی کو صالح سے تعبیر کرلیا گیا ہے اور حُسن حدیث بھی جمہور کے نزدیک قابلِ احتجاج ہے۔''

”فقالوا ام محجن قال علیہ السلام التی کانت تقم المسجد؟ قالوا نعم فصف الناس فصلّی علیها فقال علیہ السلام ای العمل وجدتِ افضل؟ قالوا یا رسول اللّٰہ اتسمع؟ قال علیہ السلام ما انتم باسمع منها فذکر رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم انها اجابتهٗ قم المسجد“ (رُوح المعانی ج ۲۱ ص ۴۹)

”حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ اُم محجن رضی اللہ عنہا کی قبر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں حضرت وہی لوگوں نے صف باندھی اور آپ نے اُس کا جنازہ پڑھایا (جو آپ کی خصوصیت تھی یا اس کے لئے اجتماعی صورت میں دُعا کی) آپ نے اس بی بی سے دریافت کیا کہ تُو نے کون سا عمل افضل پایا؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وہ سنتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: تم اُس سے زیادہ نہیں سُن رہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ: اُس نے جواب یہ دیا ہے کہ میں نے مسجد کی صفائی افضل عمل پایا۔“

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن مرسل کے بارے میں حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ کا فیصلہ یہ ہے۔ علامہ جزائری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراسیل سے گزشتہ زمانے میں علماء احتجاج کیا کرتے تھے۔ مثلاً امام سفیان ثوری، امام مالک اور اِمام اوزاعی رحمہم اللہ۔ جب امام شافعی رحمہ اللہ آئے تو انہوں نے مرسل کی حُجیت میں کلام کیا۔ (توجیہ النظر ص ۲۴۵)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر فقہاء رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ مُرسل قابل احتجاج ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مُرسل کے ساتھ کوئی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حُجت ہوگا۔ مثلاً کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دُوسرے طریق سے۔ وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو۔ (مقدمہ نووی رحمہ اللہ برشرح مسلم ص ۱۷) اور یہاں تقویت کے تمام اسباب موجود ہیں۔ اسی مضمون کی مسند روایت (بلکہ کئی روایات) بھی موجود ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی (اور اسی طرح بعض دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس پر عمل تھا۔ کما مرّ) اور اُمت کی اکثریت کا بھی اس پر عمل ہے جیسا کہ اس کتاب سے واضح ہے اور یہ کسی نص قرآنی کے معارض بھی نہیں ہے اور چونکہ صحیح روایات سے عام مُردوں کے سماع کا ثبوت ہے۔ لہٰذا اس کو آپ کی خصوصیت پر حمل کرنا بھی درست نہ ہوگا جیسا کہ بعض کوتاہ فہم لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے میت کی تلقین کے بارے میں سوال کیا گیا تو وہ فرماتے ہیں: ”الجواب: هذا التلقین المذکور قد ثبت عن طائفة من الصحابة رضی اللہ عنہم انهم امروا به کابی امامة الباهلی وغیره وروی فیه حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لٰکنه مما لا یحکم بصحته ولم یکن کثیر من الصحابة رضی اللہ عنہم یفعل ذلک فلهذا قال الامام احمد رحمہ اللہ وغیره من العلماء ان هذا التلقین لا بأس به فرخصوا فیه ولم یأمروا به واستحبهٗ طائفة من اصحاب الشافعی رحمہ اللہ واحمد رحمہ اللہ وکرهه طائفة من العلماء من اصحاب مالک رحمہ اللہ وغیرهم“ الٰی ان قال فلهذا قیل ان التلقین ینفعهٗ فان المیّت یسمع النداء کما ثبت فی الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال انه یسمع قرع نعالهم وانه قال ما انتم باسمع لما اقول منهم وانه امرنا بالسلام علی الموتٰی فقال ما من رجل یمر بقبر الرجل کان یعرفهٗ فی الدنیا فیسلم علیه اِلّا ردّ اللّٰہ علیه روحه حتّٰی یرد علیه السلام واللّٰہ تعالٰی اعلم“

(فتاوٰی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۸۹)

''الجواب: یہ مذکور تلقین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک طائفہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اس کا حکم دیا ہے۔ جیسے حضرت ابواُمامہ الباہلی رحمہ اللہ وغیرہ اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت بھی مروی ہے لیکن اس کی صحت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت یہ کارروائی نہیں کرتی تھی۔ اس لئے حضرت امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ اس تلقین میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سو ان حضرات نے اس کی اجازت دی ہے اور (تاکیدی) حکم نہیں دیا اور اس کو امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ایک طائفہ نے مستحب قرار دیا ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے علماء کے ایک طائفہ اور دوسرے حضرات نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (آگے فرمایا) سو اسی لئے کہا گیا ہے کہ تلقین مُردے کو نفع دیتی ہے کیونکہ وہ آواز کو سنتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ مُردہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے اور نیز آپ نے فرمایا کہ مَیں جو کچھ ان سے کہتا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے اور نیز آپ نے ہمیں مُردوں پر سلام کہنے کا حکم دیا۔ پس آپ نے فرمایا کہ تم میں جو شخص بھی کسی ایسے آدمی کی قبر سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی رُوح (یعنی توجہ) کو اس پر لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سلام کا جواب لوٹاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

تعامل کی وجہ سے ضعیف حدیث درجۂ قبولیت حاصل کر لیتی ہے

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ لا وصیۃ لوارث کی تحقیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''وھذا الحدیث ضعیف بالاتفاق مع ثبوت حکمہ بالاجماع''

''یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے۔ حالانکہ اس کا حکم بالاجماع ثابت ہے۔''

پھر آگے لکھتے ہیں: ''و بحث فیہ ابن القطان ان الحدیث الضعیف اذا انعقد علیہ الاجماع ھل ینقلب صحیحا او لا؟ والمشھور الآن عند المحدثین انہ یبقٰی علٰی حالہ والعمدۃ عندھم فی ھذا الباب ھو حال الاسناد فقط فلا یحکمون بالصحۃ علٰی حدیث فی اسنادہ راوٍ ضعیف و ذھب بعضھم الٰی ان الحدیث اذا تائد بالعمل ارتقٰی من حال الضعف الٰی مرتبۃ القبول قلت وھو الاوجہ عندی وان کبر علٰی المشغوفین بالاسناد فانی قد بلوت حالھم فی تجازفھم و تسامحھم وتماکسھم فی ھذا الباب واعتبار الواقع عندی اولٰی من المشی علٰی القواعد وانما القواعد للفصل فیما لم ینکشف امرہ من الخارج علٰی وجھہ فاتباع الواقع اولٰی والتمسک بہ احزی'' (فیض الباری ج ۳ ص ۴۰۹)

''امام ابن القطان رحمہ اللہ نے اس پر بحث کی ہے کہ کیا ضعیف حدیث جب اس پر اجماع منعقد ہو جائے، صحیح بن سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس وقت محدثین میں مشہور یہی ہے کہ وہ اپنے حال پر باقی رہے گی اور ان کے نزدیک اس باب میں مدار صرف اسناد کے حال پر ہے تو وہ کسی ایسی حدیث کے صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں کرتے جس میں کوئی ضعیف راوی ہو اور بعض محدثین اس طرف گئے ہیں کہ ضعیف حدیث جب عمل سے مؤید ہو جائے تو وہ ضُعف کی حالت سے نکل کر درجۂ قبولیت تک پہنچ جاتی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی بات زیادہ درست ہے۔ اگرچہ یہ بات ان لوگوں پر شاق گزرے گی جو صرف اسناد پر فریفتہ ہیں، مَیں نے ان لوگوں کا حال اس باب میں ان کے تخمینہ اور ان کی چشم پوشی و سہل انگاری اور ان کی سخت گیری سے بخوبی آزمایا ہے اور میرے نزدیک واقع کا اعتبار

نرے قواعد پر چلنے سے زیادہ بہتر ہے قواعد تو صرف اس لئے ہوتے ہیں کہ جس چیز کی حقیقت خارج سے پوری طرح منکشف نہیں ہوئی قواعد سے کھل جائے۔ سو واقع کی پیروی اور اس سے تمسک اولیٰ اور زیادہ مناسب ہے۔''

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ مُراد ہرگز نہیں کہ اسناد کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اسناد کا بڑا دخل ہے اگر اسناد نہ ہو تو جس کا جو جی چاہے گا کہہ ڈالے گا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر کسی حدیث میں کوئی راوی ضعیف ہو (یہ یاد رہے کہ کذاب و وضاع وغیرہ راوی کی بات نہیں ہو رہی، صرف اُس راوی کی بات ہو رہی ہے جس کا ضعف محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک قابل برداشت ہے) لیکن اس ضعیف حدیث پر اُمت کا اجماع ہو یا اکثریت کا تعامل ہو تو محض روات پرستی کی وجہ سے تعاملِ اُمت سے نظر پھیر کر اس حدیث کو ضعیف کہہ کر دل کی تسکین حاصل کر لینا۔ (جیسا کہ مؤلف ندائے حق وشفاء الصدور اور اقامۃ البرہان وغیرہ نے یہ وتیرہ اختیار کر رکھا ہے) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بالکل غلط ہے اور صرف اسی فنی وجہ سے تعامل اور توارث اُمت سے اغماض کرنا صحیح نہیں ہے اور یہی کچھ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

قاضی شوکانی رحمہ اللہ ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ثم حکم ابن عبدالبر رحمہ اللہ مع ذلک بصحتہ لتلقی العلماء لہ بالقبول فردہ من حیث الاسناد وقبلہ من حیث المعنی'' (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۵)

''پھر امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے باوجود اس کے کہ اس حدیث کی سند کمزور ہے اس کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا ہے۔ الغرض امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے سند کے لحاظ سے اس کو رد کیا ہے اور معنیٰ کے لحاظ سے اس کو قبول کیا ہے۔''

اس سے بھی معلوم ہوا کہ علماء اُمت کا تعامل بھی ایک بڑی شئے ہے اور اس سے بھی صرفِ نظر نہیں کی جا سکتی اور ایسے فروعی مسائل میں ادلۂ قطعیہ کی حاجت بھی نہیں ہوتی۔ فی الجملہ دلائل درکار ہوتے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں وہ سب موجود ہیں۔

قاضی شوکانی رحمہ اللہ ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ: ''فالاحکام الفرعیۃ لا تشترط فیھا الادلۃ القطعیۃ'' (نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۸۴)

''احکامِ فرعیہ کے لئے ادلّہ قطعیہ شرط نہیں ہے۔''

فقیہ کبیر امام الفقہاء حسن بن منصور رحمہ اللہ المعروف بقاضی خان (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ: ''وان قراء القراٰن عند القبور ان نوی بذلک ان یؤنسھم صوت القرآن فانہ یقرأ فان لم یقصد ذلک فاللہ تعالی یسمع قرأۃ القرآن حیث کانت'' (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۷۹۱، طبع نولکشور لکھنؤ)

''اگر کسی شخص نے ''قبور'' کے پاس اس نیت سے قرآنِ کریم پڑھا کہ اس کے قرآنِ کریم پڑھنے کی آواز سے مُردے مانوس ہوتے ہیں تو بلاشک وہ پڑھے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ قرآن کریم کی قرأت کو سنتا ہے۔ (تو پھر قبور کے پاس پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟)

اور یہ عبارت (فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۳۷۷ طبع مصر) میں بھی ہے۔ علماء کرام جانتے ہیں کہ فتاویٰ عالمگیری کو حضرت سلطان اورنگ زیب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۱۸ھ) کے زمانہ میں پانچ سو جیّد علماء کرام نے مدوّن اور مرتب کیا

ہے۔ اگر مُردے فی الجملہ نہیں سنتے تو قبروں کے پاس قرآن کریم پڑھنے والوں کی آواز سے مُردوں کے مانوس ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ان کا قرآن کریم کی آواز سے مانوس ہونا تو صرف اسی صورت میں متحقق ہوسکتا ہے کہ وہ قبور کے پاس قرآن پڑھنے والوں کی آواز کو سنتے ہوں اور سُن کر اس سے مانوس اور منتفع ہوں۔ صَوت القرآن کے الفاظ اس عبارت میں صراحۃً موجود ہیں۔ لہٰذا اس کی یہ تاویل کرنا جیسا کہ (شفاء الصدور ص ۹۵) میں کی گئی ہے کہ جیسے سرسبز درختوں اور پودوں سے مَیّت کو فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بغیر سننے کے قرآن کریم سے بھی وہ فائدہ اُٹھاتا ہے، سراسر باطل اور قطعاً مَرْدُود ہے۔

حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے تلقین میّت کے بارے میں خاصی بحث کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''واما التلقين بعد الموت و هو فى القبر فقيل يفعل لحقيقته ما روينا و نسب الى اهل السنة و الجماعة و خلافا الى المعتزلة و قيل لا يؤمر به و لا ينهى عنه الى ان قال و قد يختار الشق الاوّل و الاحتياج اليه فى حق التذكير لتثبيت الجنان للسوال فنفى الفائدة مطلقا ممنوع نعم الفائدة الاصلية منتفية'' الى ان قال الا انه على هذا ينبغى التلقين بعد الموت لانه يكون حين ارجاع الروح فيكون لفظ موتاكم فى حقيقته و هو قول طائفة من المشائخ او هو مجاز باعتبار ما كان نظرًا الى انه الآن حى اذ ليس معنى الحى الا من فى بدنه الروح''

(فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴۶، ۴۴۷)

''بہرحال مرنے کے بعد جب کہ میّت قبر میں ہو اس کی تلقین کے بارے میں اختلاف ہے سو کہا گیا ہے کہ یہ کارروائی کی جائے اس حقیقت کی بناء پر جس پر ہم نے روایت نقل کی ہے اور یہ بات اہل السنت والجماعۃ کی طرف نسبت کی گئی ہے اور اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہ تو اس کا حکم دیا جائے اور نہ اس سے منع کیا جائے۔ (آگے فرمایا) اور بلا شک پہلی شق کو اختیار کیا گیا ہے اور مَیّت کو یاددہانی کرانے کے لئے اس کی حاجت بھی ہے تاکہ اس کا دل سوال کے وقت ثابت رہے اس لئے تلقین کے فائدہ کی مطلقاً نفی کرنا ممنوع ہے۔ ہاں! اصلی فائدہ (کہ تکلیفی زندگی کی طرح سُن کر قبول کرے) منتفی ہے۔ (آگے فرمایا) ہاں! اس لحاظ سے مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد تلقین کی جائے، کیونکہ وہ رُوح کو لوٹائے جانے کے بعد ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں حدیث میں لفظ ''موتاکم'' حقیقت پر محمول ہوگا۔ (قریب المرگ کے معنیٰ میں نہ ہوگا) اور مشائخ میں سے ایک گروہ کا یہی قول ہے یا یہ مجاز ہے۔ اس سے کہ اعادۂ رُوح سے پہلے مُردہ تھا کیونکہ اس وقت تو وہ زندہ ہے۔ اس لئے کہ زندہ کا معنیٰ اس کے بغیر اور کوئی نہیں کہ اس کے بدن میں رُوح ہو۔ (اور یہاں ایسا ہی ہے)

مشہور فقیہ علامہ سید محمد امین بن عمر الحنفی الشامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ: ''وانما لا ينهى عن التلقين بعد الدفن لانه لا ضرر فيه بل فيه نفع'' (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۹۷)

''یقینی بات ہے کہ دفن کے بعد تلقین سے منع نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں نقصان تو کوئی ہے نہیں بلکہ اس میں (مَیّت کا) فائدہ اور نفع ہی ہے۔''

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ: ''بعد دفن کے تلقین کرنا جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو کس طرح؟'' اِس کا جواب وہ یوں اِرشاد فرماتے ہیں:

الجواب: تلقین بعد الدفن کو فقہاء نے جائز رکھا ہے۔ (فتاوی دار العلوم ج ۵ ص ۳۹۲)

فائدہ: قبر پر قرآنِ کریم پڑھنے کے بارے میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں لیکن حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور فتوی اسی پر ہے۔

چنانچہ امام السید احمد الطحطاوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''قوله ثم لا يعود على المسلمين۔ لم يصح فيه حديث كما ذكره ملا على رحمۃ اللہ علیہ في بعض كتبه واخذ من ذلك جواز القرأة على القبر و المسئالة ذات خلاف قال الامام تكره لان اهلها جيفة و لم يصح فيها شئ عنده عنه صلی اللہ علیہ وسلم وقال محمد تستحب لورد الآثار و هو المذهب المختار كما صرحوا به في كتاب الاستحسان'' (طحطاوی ص ۳۴۱)

''ان کا قول ''ثم لا يعود على المسلمين'' اِس میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے جیسا کہ ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس سے قبر پر قرأت کا جواز اخذ کیا گیا ہے اور مسئلہ اختلافی ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔ کیوں اہلِ قبور مُردے ہیں اور ان کے نزدیک اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ کیونکہ اس میں آثار (واحادیث) وارد ہیں اور یہی مختار مذہب ہے۔ جیسا کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے کتاب الاستحسان میں اس کی تصریح کی ہے۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۷) میں ہے کہ ہمارے فقہاء احناف رحمہم اللہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیا ہے کہ عند القبر قرآن کریم پڑھنا درست ہے اور (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۸۴) میں ہے کہ: ''والفتوى على قول محمد رحمۃ اللہ علیہ'' امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴۱) میں اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۸۷۷) میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۷) میں لکھتے ہیں کہ قبر پر کھجور کی ٹہنیاں (جریدتین) رکھنے سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عند القبر قرأۃ قرآن اور تسبیح وغیرہ سے تخفیف عذاب ہوتی ہے۔

باب دوم

منکرین سماعِ موتی کے دلائل

پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے تا ہنوز اختلافی چلا آ رہا ہے۔ اس مسئلہ میں خود حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ اور نیز ہمارے اکابر علماء دیو بند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا آپس میں بھی اختلاف ہے جو حضرات سماع موتی کا انکار کرتے ہیں۔ اُصولی طور پر اُن کی تین دلیلیں ہیں: (۱) ظاہر نصوصِ قرآنیہ۔ (۲) اقوال حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ اور (۳) قیاسی وعقلی دلیل۔ عقلی اور قیاسی دلیل کا، جواَب چودھویں صدی میں ایجاد کی گئی ہے، تانا بانا اور کائنات صرف اتنی ہی ہے کہ رُوح کے بدن سے کُلی طور پر انقطاع کے بعد بے حساب مٹی کے ڈھیر کے نیچے قبر میں جب کہ نہ کوئی دَروازہ ہے اور نہ دریچہ، عقل کیسے باور کر سکتی ہے کہ بیرونی آواز مُردہ سُن سکتا ہے؟ جب کہ بسا اوقات بند کمرہ میں بیٹھا ہوا زندہ شخص بھی کمرہ سے باہر والوں کی آواز کو نہیں سُنتا۔ مگر اربابِ فہم وبصیرت پر مخفی نہیں کہ یہ ایک نِرا عقلی ڈھکوسلہ ہے۔

اَوّلاً: اس لئے کہ صحیح، مشہور بلکہ متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ قبر میں جسم کی طرف رُوح لوٹائی جاتی ہے اور جسم کا رُوح سے تعلق قائم کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اُس کو ادراک وشعور حاصل ہوتا ہے اور اسی تعلق اور ادراک وشعور کی وجہ سے مُردہ سلام وکلام وغیرہ سنتا ہے۔

ثانیاً: سماع موتی کی صحیح حدیثیں پہلے باحوالہ پیش کی جا چکی ہیں جو اپنی حقیقت پر محمول ہیں جیسا کہ جمہور شراحِ حدیث کی تشریح اور تفسیر سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ نص کے مقابلہ میں قیاس مرُدود ہوتا ہے۔ لہٰذا ان صحیح وصریح احادیث کے مقابلہ میں غیر معصوم اور غیر مجتہد کے اس بے وزن قیاس کی شرعاً کیا وقعت ہوسکتی ہے جس کے متعلق صرف اتنی ہی گزارش کافی ہے کہ ؎

خویش را تاویل کُن نے ذکر را

ظاہر نصوص سے عہدِ حاضر کے مجتہدین حضرات نے جو استدلال کیا ہے اُصولی طور پر دو طرح کا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمام آیات ان حضرات کے نزدیک مسئلہ عدم سماعِ موتی پر ان کا مستدل ہیں جن میں غیر اللہ کو سفارشی بنانا اور ان کی عبادت کرنا اور غیر اللہ کو پکارنا اور اس کے نتیجہ میں ان کا اس عبادت اور پکار سے غافل اور بے خبر ولاعلم رہنا ثابت ہوتا ہے۔

مثلاً یہ آیت کریمہ: ''وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ'' (یونس:۱۸)

''اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ورے اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے اُن کو اور نہ نفع اُور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔''

کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے عند القبور استشفاع اور علی الخصوص آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر مغفرت کی سفارش کرنا ممنوع ثابت ہورہا ہے کیونکہ یہی صورت اس منہی عنہ حکم میں داخل ہے۔

الجواب: اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک تو یہ کہا گیا ہے کہ اس سے بُت (اصنام واوثان) مُراد ہیں۔ جیسا کہ (تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۸۰، معالم التنزیل ج ۳ ص ۱۸۰، برحاشیہ خازن تفسیر مظہری ج ۵ ص ۱۶، رُوح المعانی ج ۱۱ ص ۸۸) وغیرہ تفسیروں میں مذکور ہے۔ اس تفسیر پر تو قطعاً کوئی اعتراض واشکال وارد نہیں ہوتا۔ دُوسری تفسیر یہ ہے کہ ''مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' سے اصنام واوثان کے علاوہ فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ حضرات بھی مُراد ہوں۔ جیسا کہ (رُوح المعانی ج ۱۱ ص ۸۸) وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس تفسیر پر بظاہر اشکال ہوگا مگر حقیقت میں کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ اس سے ایسی سفارش مُراد ہے جو غائبانہ اُور دُور سے ہو۔ کیونکہ اس میں غیر اللہ کو حاضر وناظر اور عالم الغیب ماننا لازم آتا ہے جو ناجائز اور شرک ہے اور اسی صورت کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ''مَنْ قَالَ ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر'' سے تعبیر کیا ہے، رہی قبر کے پاس قریب سے سفارش کی درخواست کرنا تو یہ اس مد میں ہرگز نہیں۔ کیونکہ قریب سے کسی کی درخواست والتجاء کو سُن کر غیر اللہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش اگر اس میں داخل ہو اور شرک ہو تو زندہ سے بھی دُعا کی التجاء کرنا شرک ہوگا۔ کیونکہ کوئی بھی بزرگ ہو، بہرحال وہ من دون اللہ میں داخل ہے، تو چاہئے کہ زندہ بزرگ کو دُعا کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا بھی شرک ہو اور هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآءُنَا عِنْدَ اللّٰهِ کا مصداق ہو۔ حالانکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اُمّتِ مسلمہ کا تعامل اس پر مستزاد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس

لوگ دُعا کی درخواست لے کر آتے تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کے لئے دُعا فرمایا کرتے تھے۔ بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک لمبے قد اور کالے رنگ والی بی بی (حضرت اُمّ زُفر سعیرہ الاسدیہ رضی اللہ عنہا) آئیں اور انہوں نے آپ ﷺ سے مرگی کے دورہ کا شکوہ کیا اور پھر کہا: ''فادع اللہ'' حضرت آپ ﷺ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو اس بیماری پر صبر کر اور اللہ تعالیٰ تجھے جنت مرحمت فرمائے گا۔ وَاِنْ شِئْتِ دعوت اللہ ان یعافیک فقالت اصبر الحدیث اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں کہ وہ تجھے عافیت بخشے۔ وہ بی بی عرض کرنے لگی تو میں صبر ہی کرتی ہوں (تا کہ جنت کا سودا برقرار رہے) (بخاری ج ۲ ص ۸۴۴)

اگر آنحضرت ﷺ کو دُعا کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا شرک ہوتا تو آپ ﷺ اس بی بی کو سختی سے منع فرما دیتے اور کبھی بھی اس کے لئے دُعا نہ فرماتے۔ حالانکہ اس صحیح حدیث میں ''وَ اِنْ شِئْتِ دعوت اللہ'' کے الفاظ صراحت سے موجود ہیں اور بحوالہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ زندہ کو اور عندالقبر مُردہ کو بسلسلہ دُعا سفارشی بنانا دونوں صورتیں درست ہیں اور ان میں کوئی بھی شرک نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ اور علی الخصوص فقہاء احناف رحمہم اللہ کا تو وہ محتاط، نکتہ رس اور ذمہ دار طبقہ ہے جس کی مثال دُنیا میں ناپید ہے اور حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ کا طبقہ ساتھ مل کر اس کو نور علیٰ نور بنا دیتا ہے اور یہ تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلبِ مغفرت کی درخواست کرنا جائز ہے اور اسی طرح حضرات شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) سے یہ سفارش کروانا کہ آپ دونوں بزرگ آنحضرت ﷺ کے ہاں میرے لئے سفارش کریں۔ حالانکہ یہ دونوں بزرگ من دون اللہ میں داخل ہیں۔ اگر اس طرح کی سِفارش اس آیت کریمہ کی تفسیر میں داخل ہو کر هٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ کا مصداق ہوتی تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ اور مفسرین عظام کا محتاط گروہ کبھی اس کی اجازت نہ دیتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس آیت کی یہ تفسیر ہرگز نہیں ہے اور یہ نری اختراع اور خانہ زاد ہے۔

اور مثلاً یہ آیتِ کریمہ: ''وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ'' (الاحقاف:۵)

''اور اس سے بہکا کون ہے؟ جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔''

اور مثلاً یہ ارشاد: ''وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ'' (یونس:۲۸،۲۹)

''اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو، پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک، پھر ہم ان کو الگ الگ کر دیں گے اور کہیں گے ان کے شریک تم ہماری بندگی تو نہ کرتے تھے سو اللہ کافی ہے گواہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی۔''

اور اسی مضمون کی بے شمار آیات جن سے ندائے حق کے مقدمہ باز بزرگ نے مقدمہ کے ص ۲ سے ص ۱۴ تک اپنے مضمون کا حجم بڑھایا ہے اور اس دور میں اس مسلک والوں کے امام مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی ایسی ہی آیات کریمات کو بڑے لَے سے پڑھ کر مجمع میں اپنے استدلال کی قوت ظاہر کیا کرتے ہیں اور ان کی پیروی میں دیگر مقررین اور مبلغین حضرات بھی ان کی نقل اتارتے ہیں اور ان ہی آیات سے عدم سماع موتٰی پر حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبور عدم سماع پر بھی استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عند القبور سماع ایک اتفاقی اور اجماعی عقیدہ ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اب اس اختلاف کے موجد صرف یہی حضرات ہیں اور اس جدید اختلاف کا یہ زنگ دار اور ملمع سازی کا سہرا انہیں کے سر پر زیب دیتا ہے۔

ہماری طرف سے ان تمام آیات کا پہلا اور اُصولی جواب وہی ہے جو خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ایک منکرِ تقدیر کو دیا تھا جس نے قرآنِ کریم کی بعض آیات سے انکارِ تقدیر کا مسئلہ سمجھ رکھا تھا اور اُن کا یہ جواب خاصی تفصیل کے ساتھ ''ابوداود'' میں موجود ہے۔ جو اس قابل ہے کہ سنہری حروف سے لکھا جائے جس میں اُن کا یہ ارشاد بھی ہے: ''لقد قرؤا منه ماقرأتم وعلموا من تاویله ماجهلتم'' (ابوداود ج ۲ ص ۲۷۸)

''کہ بلا شبہ ان سلف صالحین رحمہم اللہ نے قرآنِ کریم پڑھا جیسے تم پڑھتے ہو مگر وہ اس کی تفسیر کو جانتے تھے اور تم اس سے جاہل ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی یہی آیات کریمات سلفِ صالحین رحمہم اللہ کے سامنے بھی تھیں جن سے تم نے انکارِ تقدیر پر استدلال کیا ہے مگر وہ حضرات تو ان آیات سے وہ مطلب ہرگز نہیں سمجھے جو تم سمجھے ہو اور نہ انہوں نے ان کی وہ تفسیر اور تعبیر کی ہے جو تم کرتے ہو اور مدار تو انہی کی سمجھ پر ہے۔ پھر کیسے تسلیم کیا جائے کہ تمہارا استدلال صحیح اور ان کی سمجھ معاذ اللہ تعالیٰ غلط تھی؟ سو ہم بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ ان تمام آیات کا عند القبور عدم سماع موتٰی سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر تعلق ہوتا تو یقیناً سلف صالحین رحمہم اللہ صراحت کے ساتھ ان سے استدلال کرتے اور اپنے مخالفین کے سامنے بطور احتجاج ان کو پیش کرتے۔ کیونکہ یہ مسئلہ تو عہدِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلافی چلا آ رہا ہے مگر یقین جانئے کہ سلفِ صالحین رحمہم اللہ میں جو حضرات عدم سماع موتٰی کے قائل تھے۔ اُنہوں نے بھی ان سے استدلال نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ جملہ آیات مسئلہ سے بالکل غیر متعلق ہیں اور نری زبان آوری، لفاظی اور سینہ زوری سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں! عقیدت مند مرید اور کم علم ہم جماعتی لوگ وقتی طور پر ضرور وجد و سرور میں آسکتے ہیں کہ دیکھو فلاں صاحب نے قرآنِ کریم کی کتنی آیات اپنے دعویٰ پر پیش کر ڈالیں مگر نرے واہ واہ سے کیا بنتا ہے۔

دُوسرا جواب یہ ہے کہ عبادت کی کئی قسمیں ہیں مثلاً سجدہ کرنا، طواف کرنا اور نذر و نیاز دینا وغیرہ۔ بلکہ جاہل لوگوں بزرگوں کی قبروں پر چراغاں کرنا اور جھاڑو دینا بھی کارِ ثواب ہی سمجھتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر چپکے سے آکر سجدہ کرتا ہے یا خاموش رہ کر طواف کرتا ہے یا قبر پر نذر و نیاز ہی آکر رکھ دیتا ہے تو بزرگوں کو ان کی اس عبادت کی کیا خبر ہے؟ اور اسی طرح دُور دراز سے ان کو پکارنے کی کیا خبر ہے؟ یہ تمام اُمور اپنے مقام پر حق اور صحیح ہیں۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ان آیات کریمات سے عند القبور سماع موتٰی کی نفی ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں اُمت کو کبھی عند القبور سلام کہنے کی تلقین اور طریقہ ارشاد نہ فرماتے کیونکہ آپ (معاذ اللہ تعالیٰ)

قرآنِ کریم کی آیات کی خلاف ورزی کے لئے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ اُن کی مراد اور تفسیر لوگوں پر واضح کرنے اور ان پر عمل کرنے اور کرانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور پھر جمہورِ اُمت نے بھی عند القبو ر سلام کہنے کا طریقہ اپنایا ہی ہے اس کا ردّ اور انکار نہیں کیا اور یہ تمام آیات کریمات ان حضرات کے سامنے تھیں اور بعد میں آنے والوں سے کہیں بڑھ کر وہ حضرات قرآنِ کریم پڑھتے بھی تھے اور اس کو صحیح معنی میں سمجھتے بھی تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔

اور چوتھا جواب یہ ہے کہ اگر واقعی اور سچ مچ ان آیات کریمات سے قطعی اور حتمی طور پر عند القبو ر سماع کی نفی ہوتی ہے تو جو حضرات سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اُن کو کُھل کر کافر کہنا چاہئے۔ کیونکہ قرآنِ کریم کی کسی ایک آیت کا انکار یا اس کی بے جا تاویل کُفر ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کی ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً'' کی تاویل کو درخور اعتناء نہیں سمجھا اور ان کو کافر سمجھ کر ان سے جہاد کیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم کی بے شمار آیات کے منکر یا مؤول کا فرقرار نہ پائیں؟ جو حضرات محض تحزب اور تعصب کے جوش میں آکر ایسا کرتے ہیں اُن کو ہوش میں آکر ان اُمور پر غور کرنا چاہئے۔

ندائے حق کے مقدمہ میں مقدمہ باز بزرگ نے بزعمِ خویش پینسٹھ (۶۵) آیات پیش کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں۔''ان قطعیات و یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں بن سکتا۔'' (بلفظہٖ ص ۱۴) شاباش اِسی کا نام ہے علمی تحقیق۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ! قطعیات و یقینیات سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مُراد ہے کہ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں جن کا ثبوت قطعی اور یقینی ہے تو یہ بتلایا جائے کہ سلف وخلف اور اکابر واصاغر اور جماہیر ومشاہیر نے ان کا کب اور کہاں انکار کیا ہے؟ اور اگر مُراد یہ ہے کہ ان کی عدم سماع موتیٰ پر دلالت قطعی اور یقینی ہے تو یہ مؤلف مذکور کا زُعمِ باطل ہے۔ لاریب فیہ!

بڑے دُکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ دُوسروں کے اکابر کو کوسنا اور اُن پر برسنا تو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے لیکن خود اپنے ہی اکابر کی مٹی جس طرح ان یارلوگوں نے پلید کی ہے، دُنیا کے کسی باہوش فرقہ سے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ الٰہی! ؎

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر شریکِ زُمرۂ لایحزنوں کر

لیکن بات اِسی پر ختم نہیں ہوسکتی کہ سلف وخلف اور جماہیر ومشاہیر اَور اکابر واصاغر کا قول وفعل ان قطعیات اور یقینیات کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ بلکہ قرآنِ کریم کی قطعی اور یقینی آیات اَور قطعی اور یقینی مطلب ومُراد (جو کہ مؤلف مذکور کا مدعیٰ ہے) کے مقابلہ میں رائے اور نظریہ رکھنے والوں کی کھلے طور پر تکفیر درکار ہے۔ دیدہ باید!

اور پانچواں جواب یہ ہے کہ امام القاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر البیضاوی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۸۵ھ) ''وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:''لانها اما جمادات و اما عباد مُسَخَّرون مشتغلون باحوالهم'' (تفسیر بیضاوی ص ۴۴۳)

''اس لئے کہ وہ یا تو جمادات (بُت) ہیں اور یا تابع فرمان بندے ہیں جو اپنے اَحوال میں مصروف ومشغول ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی غفلت اور عدمِ سماع اس لئے نہیں کہ وہ سنتے نہیں اور ان میں سننے کی اہلیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اس لئے پکارنے والوں کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں کہ وہ اپنے احوال میں مصروف ہیں اور پکارنے والوں کی پکار کی طرف ان کی توجہ والتفات ہی نہیں اور بغیر توجہ اور التفات کے سننا کیسا؟

اور علامہ السید محمود آلوسی الحنفی رحمہ اللہ غٰفِلُوْنَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''لا یسمعون ولا یدرون اما ان کان المدعو اجمادًا فظاهر و اما ان کان من ذوی العقول فان کان من المقبولين المقربين عند اللہ تعالٰی فلا شتغاله عن ذلک بما هو فيه من الخير او كونه فی محل ليس من شان الذی فيه ان يسمع دعاء الداعی للبعد كعيسى عليه السلام اليوم او لان اللہ تعالٰی يصون سمعهٔ عن سماع ذلک لانه لكونه مما لا يرضى اللہ تعالٰی ان يؤلمهٔ لو سمعه و ان كان من اعداء اللہ تعالٰی كشياطين الجن والانس الذين عبروا من دون اللہ فان كان ميتا فلا شتغاله بما هو فيه من الشر و قيل لان الميت ليس من شأنه السماع ولا يتحقق منه سماع الا معجزة كسماع اهل القليب و فى هذا كلام تقدم بعضه و ان كان حيًا فان كان بعيدًا مثلاً فالامر ظاهر و ان كان قريبًا سليم الحاسته فقيل الكلام بالسنبة اليه بعد تاويل الغفلة بعدم السماع على التغليب لندرة هذا الصنف''

(تفسیر روح المعانی ج ۲۶ ص ۷)

''نہ وہ سنتے ہیں اور نہ وہ جانتے ہیں اس لئے کہ اگر مدعو جماد ہیں تو ظاہر ہے اور اگر وہ ذوی العقول ہیں تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور مقرب ہیں تو وہ آرام وراحت میں مصروف رہ کر اس کارروائی سے بے خبر ہیں اور یا وہ ایسی جگہ ہیں جس میں ہونے کی وجہ اس میں رہنے والے کی شان یہ ہے کہ پکارنے والے کی پکار کو دُوری کی وجہ سے وہ نہیں سنتے جیسے آج کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کانوں کو اس سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس ناپسندیدہ اَمر سے ان کو دُکھ پہنچائے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دُشمنوں میں سے ہیں۔ مثلاً شیاطین الانس والجن، جن کو من دون اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے تو اگر وہ مُردہ ہیں تو وہ اپنی تکلیف میں مبتلاء ہیں۔ (لہٰذا غافل ہیں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس لئے غافل ہیں کہ میت کی شان ہی سے سماع نہیں اور اُس سے سماع متحقق ہی نہیں ہوسکتا مگر معجزہ کے طور پر جیسا کہ قلیب بدر والوں کا سماع اور اس میں کلام ہے۔ اس کا بعض حصہ پہلے گزر چکا ہے اور اگر وہ زندہ ہیں۔ سو اگر وہ مثلاً دُور ہیں تو معاملہ بالکل واضح ہے اور اگر وہ قریب ہوں اور ان کے حواس بھی صحیح سالم ہوں تو کہا گیا ہے کہ ان کی بہ نسبت یہ کلام بعد اس کے کہ غفلت سے مُراد عدم سماع ہو تغلیب پر ہے کیونکہ یہ قسم بالکل نادر ہے۔

اس عبارت کا بقیہ حصہ تو بالکل روشن اور واضح ہے۔ البتہ آخری حصہ قابلِ توجہ ہے، وہ یوں کہ اگر مدعو قریب ہو اور اس کے حواس بھی صحیح سالم ہوں اور غفلون میں غفلت کا معنی بھی عدم سماع ہو تو چونکہ بقیہ اقسام کے مقابلہ میں یہ قسم کم اور نادر ہے تو بقیہ اقسام (مثلاً جماد۔ مقبولِ الٰہی ہو کر خوشی میں مشغول ہونے والے، اور دُور رہنے والے، اور بُرے ہو کر اپنی تکلیف میں مبتلا ہونے والے وغیرہ) کو ملحوظ رکھ کر تغلیباً یہ ارشاد ہوا ہے کہ سب غافل اور بے خبر ہیں اور نہیں سنتے، حالانکہ یہ قریب والے سنتے ہیں اور تغلیب کا باب بڑا وسیع ہے۔ مثلاً ابوین، عمرین وغیرہ وغیرہ۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''اِنْ تَدْعُوْهُمْ لقضاء حاجتکم لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ کُمْ لانها جمادات وَلَوْ سَمِعُوْا على سبيل الفرض او على تقدير كون بعضهم ذا شعور كابليس مَا اسْتَجَابُوْ لَكُمْ لعدم قدرتهم على الانفاع او لتبرئهم منكم و مما تدعون لهم من الالوهية كعيسى و عزير و الملائكة'' (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۰)

''اگر تم ان کو پکارو اپنی حاجت براری کے لئے تو نہ سُنیں وہ تمہاری پکار کیونکہ وہ جمادات ہیں اور اگر وہ تمہاری پکار سُن لیں یعنی فرضی طور پر یا اس صورت میں کہ ان میں سے بعض ابلیس کی طرح شعور والے ہیں نہ پہنچ سکیں تمہارے کام پر کیونکہ ان کو نفع پہنچانے کی قدرت نہیں اور یا اس لئے کہ وہ تم سے اور تمہاری اس کارروائی سے کہ تم ان کے لئے اُلوہیت کا دعویٰ کرتے ہو بیزار ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتے علیہم السلام۔

اس سے معلوم ہوا کہ بت وغیرہ جمادات تو سننے سے ہی رہے اور اگر بالفرض یہ سُن بھی لیں یا ابلیس کی طرح کسی شعور والے کو پکارا جائے تو وہ کس کو نفع دینے پر قادر ہے؟ اور آخر اس کے بس میں ہے کیا؟ اور اگر کوئی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور فرشتوں (علیہم السلام) کو حاجت کے لئے پکارتا ہے تو وہ سفارش اور دُعا کے لئے کب آمادہ ہو سکتے ہیں؟ وہ تو مشرکوں ہی سے بیزار ہیں اور اس پر وہ کب راضی ہیں کہ اُن کو اُلوہیت کا درجہ دیا جائے۔

اور یہی بزرگ ''وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ '' کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''لانها اما جمادات لا یسمع و لا یعقل او اما عباد مسخرون متشغلون باحوالهم کعیسی و عزیر و الملائکة''

ترجمہ: ''جن کو حاجات کے لئے پکارا جاتا ہے یا تو وہ جمادات ہیں اس لئے نہ تو وہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں اور یا وہ تابع فرمان بندے ہیں جو اپنے حالات میں مشغول و مصروف ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتے۔ (علیہم السلام)

حضرت شاہ عبد القادر ؒ اور حضرت شیخ الہند ؒ وغیرہ بزرگوں نے نہ پہنچ سکیں کا ترجمہ کر کے شاید دُور ہی کی طرف اشارہ کیا ہے اور دُور ہوں تو پکارنے والوں کی پکار سے غافل اور بے خبر رہنا ظاہر ہے اور اگر نزدیک ہوں تو بھی یہ ضروری تو نہیں کہ ہر قریب کی بات سُنی جائے بلکہ اس کے لئے التفات اور توجہ اور سننے کا قصد بھی ضروری ہے اور جو حضرات اپنے حالات میں مستغرق ہیں وہ کیا سُن سکتے ہیں؟ ہاں! قصد اور توجہ و التفات کے بعد سنا صحیح ہے اور اس کا مطلقاً اِنکار درست نہیں ہے۔

مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں: پھر ''لَا یَسْمَعُوْا دُعَآئَ کُمْ اور وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ'' کے عمومی قاعدہ میں سے کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین، محدث، مفسر، متکلم کا چودہ صدیوں میں اِلَّا الانبیاء کا استثناء نہ بیان کرنا عدم سماع انبیاء علی القبور وغیرہ پر چودہ صدیوں کے علماء کے اجماع پر دال ہے۔ اب ہم بھی آپ سے پوچھتے ہیں کہ مندرجہ بالا آیتیں دال بر عدم سماع انبیاء ہیں یا نہ؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر ہے تو تم کس دلیل سے انبیاء کو مستثنیٰ کرتے ہو؟ (ص ۱۳۷)

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ان آیات کا تعلق ہی عدم سماع انبیاء سے ہرگز نہیں ہے پھر استثناء کی کیا ضرورت ہے؟ اور آپ ان آیات کی مذکورہ تفسیریں ملاحظہ فرمالیں کہ یہ تعلق کیوں نہیں ہے؟

اور حضرت تھانوی ؒ ''وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ '' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''جمادات (یعنی اصنام وغیرہ۔ صفدرؔ) تو بوجہ عدم قوت سامعہ کے اور ذوات الارواح میں بایں معنی کہ جیسی خبر کے کفار معتقد تھے (کہ دُور سے بھی سنتے ہیں۔ صفدرؔ) سماع لازم و دائم اور مفید ہے، وہ منفی ہے۔'' (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۳) اور ''اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ '' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''اور ان کا غافل ہونا ان کی عبادت سے ظاہر ہے اِس واسطے کہ بتوں کو ایسا شعور ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے اور اگر معبودین، مثل ملائکہ وغیرہم کو بھی عام لیا جائے تو بھی غافل ہونا صحیح ہے کیونکہ علم ملائکہ وغیرہ ہم کا محیط نہیں ہے اور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔'' (ج ۳ ص ۱۱)

دونوں تفسیروں کی مُراد واضح ہے۔ اوّل کی اس طرح کہ مشرکین ذوات الارواح مخلوق کے لئے سماع کو لازم ودائم اور مفید سمجھتے تھے۔ حالانکہ سماع فی الجملہ ہے اور وہ بھی بالکل نزدیک سے نہ کہ دُور سے اور سننے کے بعد بھی بھلا وہ کسی کو کیا خزانے بخش دیں گے؟ جیسا کہ مشرکین کا باطل خیال تھا اور دوسری اس طرح کہ فرشتے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے علم محیط تو رکھتے نہیں تا کہ دُور دراز کے حالات کا بھی ان کو علم ہو یا مثلاً قبور کے پاس چپکے سے سجدہ اور طواف ونذر ونیاز کا ان کو علم ہو۔ الغرض ان آیات سے عندالقبور سماع موتی کی نفی کرنا یا ان سے فقہی قاعدہ کے مطابق دُعا کرانے کا انکار کرنا بالکل اور یقیناً ایک غیر متعلق بات ہے اور نری سینہ زوری ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔

اور دوسرا طریق ان حضرات کے استدلال کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جن میں ''لَا یَسْمَعُوْا'' اور ''لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ'' وارد ہوا ہے ان سے وہ عندالقبور سماع موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں قدرے تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عُقدہ حل ہو جائے۔ پہلی آیت کریمہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ'' (الفاطر: ۱۴)

''اگر تم ان کو پکارو وہ تو وہ سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر سُن بھی لیں تو تمہارے کام پر نہ پہنچ سکیں۔ (اور نہ تمہارا کام کر سکیں)

منکرین سماع موتی کا کہنا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ مُردے نہیں سنتے۔

الجواب: اس سے اسماع موتی کی نفی نہیں ہوتی جس کے جمہور قائل ہیں کہ نزدیک سے سماع ہے نہ کہ دُور سے۔ چنانچہ علامہ آلوسی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ مُردہ یا زندہ دُور ہو تو تمام اہلِ حق کا اس پر اتفاق ہے کہ عادۃً وہ دُور سے نہیں سُنتا۔ خرقِ عادت کا معاملہ ہی الگ ہے اس کو درمیان میں لا کر خلط مبحث کرنا علماء اور عقلاء کی شان کے سراسر خلاف ہے۔ آدمی قریب ہو اور اپنی کسی مصروفیت اور فکر میں منہمک ہو تب بھی بات نہیں سنتا۔ قریب سے بھی بات سننے کے لئے توجہ اور التفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک فکر میں ڈوبے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے اور انہیں سلام کیا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ سُن سکے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے معذرت کی اور فرمایا کہ: ''واللہ ماشعرت انک مررت ولا سلّمت'' (مشکوۃ ج ۱ ص ۱۶)

''بخدا میں نہیں جانتا کہ تو میرے پاس سے گزرا اور نہ تُو نے سلام کیا۔''

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''دیکھئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سلام کی خبر نہ ہوئی جس کا جواب دینا واجب تھا۔ اکثر فرح یا غضب کے غلبہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔'' (بوادر النوادر ص ۲۰۴ ج ۲)

کیا آج بھی ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو گانے بجانے اور ریڈیو وغیرہ کی غیر مشروع آوازوں سے نامانوس ہیں اور قریب ہوتے ہوئے بھی ان آوازوں کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے اور نہ سنتے ہیں۔ اُن کی بلا سے کہ کون کیا کہہ رہا ہے؟ الغرض اس آیت کریمہ سے ''سماع عندالقبور'' کی اُس قسم کی نفی کرنا، جس کے قائل ''سماع موتی'' کے قائل ہیں، ثابت نہیں ہے۔

(۲) "وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ"
"اور برابر نہیں زندے اور مُردے بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سُناتا ہے اور تو ان کو نہیں سُنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔" (الفاطر: ۲۳)

منکرین سماع موتی کا کہنا ہے کہ اس آیت کریمہ میں زندوں اور مُردوں کا فرق ظاہر کیا گیا ہے اور آخر میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تو اہل قبور کو نہیں سُنا سکتا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سنا دے اور جب إسماع کی نفی ہوگئی تو استماع اور سماع کی نفی بھی ہوگئی اور یہ ثابت ہوگیا کہ مُردے نہیں سنتے۔

الجواب: اس سے اُس سماع کی نفی نہیں ہوتی جس کے اثبات کے درپے سماع موتی کے قائلین ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "واما قوله وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ فسياق الآية يدل على ان المراد منها ان الكافر الميّت القلب لا تقدر على اسماعه اسماعًا ينتفع به كما ان من في القبور لاتقدر على اسماعهم اسماعًا ينتفعون به ولم يُرد سبحانهٗ ان اصحاب القبور لا يسمعون شيئًا البتة كيف وقد اخبر النبي صلی اللہ علیہ وسلم انهم يسمعون خفق نعال المشيعين واخبر ان قتلٰى بدر سمعوا كلامهٗ وخطابهٗ وشرع السلام عليهم بصيغة الخطاب الذي يسمع واخبر ان من سلّم علٰى اخيه المؤمن رد عليه السلام"
(کتاب الروح ص ۵۵)

بہرحال "وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" تو آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد ایسا کافر ہے جو مُردہ دل ہو تو مطلب یہ ہے کہ تو ایسے شخص کو اس طرح نہیں سُنا سکتا کہ وہ اس سے منتفع ہو جیسا کہ تو اُن لوگوں کو جو قبور میں جا پہنچے ہیں۔ اس طرح نہیں سُنا سکتا جو اس سے نفع حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی یہ مُراد نہیں کہ اصحابِ قبور قطعاً کوئی چیز نہیں سنتے، کیسے یہ مُراد ہو سکتی ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ مُردے رخصت کرنے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتے ہیں اور آپ نے یہ خبر بھی دی کہ مقتولینِ بدر نے آپ کے کلام اور خطاب کو سُنا اور نیز آپ نے مُردوں پر خطاب کو سُنا اور نیز آپ نے مُردوں پر خطاب کے ایسے صیغہ سے سلام مشروع قرار دیا ہے جو سُنا جاتا ہے اور آپ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ جو اپنے مؤمن بھائی (کی قبر) کے پاس سے گزرتا ہے اور اُسے سلام کہتا ہے تو وہ اُس کے کلام کا جواب دیتا ہے۔"

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کے اس مدلّل بیان سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ "وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" سے اللہ تعالیٰ کی ہرگز یہ مُراد نہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغام پہنچانے پر مامور ہیں، ہرگز سماع موتی کی خبر نہ دیتے۔

علّامہ قرطبی رحمہ اللہ "وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ای هم بمنزلة اهل القبور في انهم لا ينتفعون بما يسمعونهٗ ولا يقبلونهٗ" (تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۳۴۰)

"یعنی وہ بمنزلۂ اہلِ قبور ہیں اس معنی میں کہ وہ سنی ہوئی چیز سے نفع نہیں اُٹھاتے اور نہ اُسے قبول کرتے ہیں۔"

اور علّامہ داؤد بن سلیمان الحنفی البغدادی رحمہ اللہ "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" اور "وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" کا مطلب معتمد اور مستند علماء کرام (اساطین العلماء) سے بیان اور نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "لان السماع النفي في الآيتين هو سماع القبول والاذعان للايمان وقد شبه الله الكفار الاحياء الذين لهم

اسماع و ابصار و عقوله بالاموات لا من حيث انعداد الادراكات والحواس بل من حيث عدم قبولهم الهدى والايمان'' (المنحة الوهبية فی رد الوهابیہ ص ۸، طبع استنبول)

''جس سماع کی ان دونوں آیتوں میں نفی کی گئی ہے وہ سماع قبول اور ایمان کی اذعان ویقین کے ساتھ سننے کی نفی ہے اور بلا شک اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو جو زندہ ہیں اور جن کے کان، آنکھیں اور عقول، سب کچھ موجود ہیں، مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ ان کے ادراکات وحواس معدوم ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ ہدایت اور ایمان قبول نہیں کرتے۔''

اِس عبارت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زندہ کافروں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی یہی وجہ ہے کہ جیسے مُردوں میں ادراک، شعور اور احساس ہوتا ہے مگر وہ سماع سے فائدہ اور نفع نہیں اُٹھا سکتے۔ یہی حال ان زندہ کافروں کا ہے۔

علّامہ بدرالدین ابوعبداللہ محمد بن علی البعلی الحنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''وسماع الميت لقرع نعالهم والسلام عليه ونحو ذلک مما ثبت ان جنس الاموات يسمعونه ليس ذلک مخصوصا بقوم معينين بل هو مطلق وقوله تعالى فانک لا تسمع الموتى المراد السماع المعتاد الذی يتضمن القبول والانتفاع كما فی حق الكفار السماع النافع فی قوله تعالى وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَقَوْلُهٗ تعالى لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ فاذا كان قد نفى عن الكافر السمع مطلقا و علم انه انما نفى سمع القلب المتضمن للفهم والقبول له لا مجرد سماع الكلام فكذلک المشبه به و هو الميت'' (مختصر الفتاوٰی لمصریۃ ص ۱۸۹، طبع مصر)

''مُردے کا زندہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز اور سلام وغیرہ سننا جو ثابت شدہ ہے کہ جنس اموات سنتے ہیں یہ کسی معین قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مطلق ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ تُو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اس سے مراد سماع معتاد ہے وہ جو قبول اور انتفاع کو متضمن ہے جیسا کہ کفار کے حق میں نفی سماع نافع کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اگر اللہ ان میں خیر جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (کافر قیامت کے دن دوزخ میں پہنچ کر کہیں گے) اگر ہم سنتے ہوتے یا ہم جانتے ہوتے (تو ہم دوزخ میں نہ آتے) اور جب کافر سے بظاہر مطلقاً سننے کی نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ نفی دل کے اُس سننے کی ہے جو فہم وقبول کو متضمن ہو نفی محض سماع کلام کی نہیں ہے۔ سو اسی طرح مُشبّہ بہ یعنی میت میں مُراد لینی چاہئے۔ (تاکہ مُشبّہ بہ کا تعلق ظاہر ہو)

قارئین کرام کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ مختصر الفتاوی المصریہ، فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ملخص ہے۔ گویا یہ سب کچھ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ ان تمام واضح اور روشن عبارات سے معلوم ہوا کہ مُردوں سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ اس سماع کی نفی کی گئی ہے جو سماع مفید اور نافع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زندہ کفار سے (جو مُشبّہ ہیں) جس سماع کی نفی کی گئی ہے وہ سماع قبول اور نافع ہے۔ سو اسی طرح مُردوں سے بھی (جو مُشبّہ بہ کے درجہ میں ہیں) نفی مطلقاً سماع کی نہیں، بلکہ اُس سماع کی نفی ہے جو مفید اور نافع ہے اور نصوص قطعیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ کُفار اس دُنیا میں جب کہ وہ بقیدِ حیات ہیں، ویسے تو سنتے ہیں اور ان کے کان، آنکھیں اور دِل سبھی کچھ موجود ہیں۔ مگر سماع قبول سے محروم ہیں۔

ذیل کی قرآنی آیات سے اس مسئلہ پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ کفار کے لئے کس سماع کا ثبوت ہے اور کون سا سماع ان سے منفی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''صُمٌّم بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ'' (البقرۃ:۱۸)

''وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔''

''کون عقلمند یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ دُنیا میں سبھی کفار بہرے، گونگے اور اندھے ہوتے ہیں اور کوئی کافر دُنیا میں نہ تو کوئی بات سنتا ہے اور نہ کسی سے کلام کرسکتا ہے اور نہ کسی چیز کو دیکھ سکتا ہے؟ بات صرف اتنی ہے کہ ویسے تو بہرے نہیں مگر بتفسیر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ یعنی بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو اپنے نفع ونقصان کو نہیں دیکھتے۔'' حالانکہ بظاہر ان کے کان، آنکھیں اور زبانیں بالکل درست ہیں لیکن وہ ان سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ''وَجَعَلْنَا لَھُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَۃً فَمَآ اَغْنٰی عَنْھُمْ سَمْعُھُمْ وَلَآ اَبْصَارُھُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُھُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ کَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَحَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ'' (الاحقاف:۲۶)

''اَور ہم نے ان کو دیئے تھے کان اَور آنکھیں اَور دِل۔ پھر کام نہ آئے اُن کے کان اَور نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دل کسی چیز میں اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں سے اور ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس سے وہ مسخرہ کرتے تھے۔''

یعنی ان کو نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دیئے گئے تھے، پر وہ کسی قوت کو کام میں نہ لائے۔ اندھے، بہرے اور پاگل بن کر پیغمبروں کے مقابل ہوگئے، آخر انجام یہ ہوا کہ یہ سب قوتیں موجود ہیں اور عذاب الٰہی نے آگھیرا۔ کوئی اندرونی اور بیرونی قوت اس کو دفع نہ کر سکی۔ اس آیتِ کریمہ سے صراحۃً معلوم ہوا (اور بھلا مشاہدہ کو جھٹلا بھی کون سکتا ہے؟) کہ کفار کے لئے دُنیا میں کان، آنکھیں اور دل تھے مگر وہ بدبخت اپنے سُوءِ اختیار سے ان سے فائدہ اور نفع نہ لے سکے اور انجام کار تباہ ہوگئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ''

''اور ہم نے پیدا کئے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور اِنسان ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں، وہ ایسے ہی جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ اور وہی لوگ ہیں غافل۔'' (الاعراف:۱۷۹)

یعنی دِل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں لیکن نہ دِل سے آیات اللہ میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق واعتبار مطالعہ کرتے ہیں اَور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود ہوتے ہیں۔ یہی حال ان کا ہے کہ دِل ودماغ ہاتھ پاؤں، کان آنکھ غرض اللہ کی دی ہوئی سب قوتیں محض دُنیوی لذائذ اور مادّی خواہشات کی تحصیل وتکمیل کے لئے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خِصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں۔ (از مولانا عثمانی رحمہ اللہ)

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''اَوَ لَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ م بَعْدِ اَهْلِهَا اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ'' (الاعراف:۱۰۰)

''کیا ظاہر نہیں ہوا ان لوگوں پر جو وارث ہوئے زمین کے، وہاں کے لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو پکڑ لیں ان کے گناہوں پر اور ہم نے مہر کر دی ان کے دلوں پر، سو وہ نہیں سنتے۔''

اس آیت کریمہ کے آخری حصہ میں اس کی تصریح ہے کہ کافر نہیں سنتے۔ کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ سچ مچ حقیقۃً کافر دُنیا میں نہیں سنتے؟ کون مسلمان اس ظاہری مفہوم سے دھوکا کھا سکتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ'' (حٰمٓ السجدۃ:۴۳)

''(یہ) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں جُدا جُدا تفصیل سے بیان کی گئی ہیں قرآن (ہے) عربی زبان میں سمجھنے والوں کے لئے خوش خبری سُنانے والا اور ڈرانے والا پر ان میں اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا۔ سو وہ نہیں سنتے۔

اس مضمون میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کافر قرآن کریم کو نہیں سنتے۔ حالانکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کفار اپنے سر میں لگے ہوئے حِسّی کانوں سے قرآنِ کریم سنتے تھے اور سنتے ہیں لیکن اُنہوں نے اس کو قبول نہ کیا اور خوش دل سے نہ سُنا اور اُنہیں اسے تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی تو سُنا اَن سُنا برابر ہے۔ اب اگر قرآنِ کریم کے صحیح مطلب اور مُراد سے چشم پوشی کر کے کوئی شخص اس دعویٰ پر مُصر رہے کہ اس دُنیا میں زندہ رہ کر بھی کافر مطلقاً اور قطعاً قرآنِ کریم نہیں سنتے تھے اور ''فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ'' اس کی قطعی اور یقینی دلیل ہے تو ایسے ضِدّی انسان کو بھلا دُنیا میں کون سمجھا سکتا ہے؟ اور اس کا علاج بھی کیا ہے؟

(۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ'' (الانفال:۲۱)

''اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا ہم نے سُن لیا اور وہ نہیں سنتے۔''

اس آیتِ کریمہ میں کافروں کے لئے سماع بھی ثابت ہے اور سماع کی نفی بھی ہے کہ جس کا مطلب اس کے سواء اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگرچہ کافر زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا لیکن وہ سننا ہی کیا ہے جس کو آدمی قبول نہ کرے اور ماننے پر آمادہ نہ ہو۔ اب اگر کوئی شخص ''وَ هُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ'' کے ظاہری مفہوم پر ہی ڈٹ جائے اور لوگوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہو کہ زندہ کافر بھی نہیں سنتے تو یہ اس کی کوئی دینی خدمت نہ ہوگی اور قرآن فہمی اور دین شناسی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سوءِ فہم اور تعصب اور تحزب سے بچائے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ''وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَیْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ'' (لقمان:۷، الجاثیہ)

''اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ پیٹھ پھیرتا ہے تکبر سے گویا اُس نے ان کو سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔ سو خوش خبری سُنا اس کو دَردناک عذاب کی۔

یعنی کافر و مشرک پر جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ سنتا تو ہے لیکن حق سے ضد اور عناد رکھ کر پیٹھ پھیر دیتا ہے اور تکبر و غرور کے نشے میں مست رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے گویا اُس نے سُنا ہی نہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا ان کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے اور کوئی بات اس کے کانوں تک پہنچتی ہی نہیں۔ کیونکہ جب سُننے کا فائدہ اور نفع

اس کو قبول کرنا ہے مگر جب قبول نہ کیا تو کیا سُنا؟ اور اس سُننے کا کیا ثمرہ نکلا؟ یوں کہہ دیجئے گویا اُس نے سُنا ہی نہیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا'' (الفرقان: ۴۴)

''کیا تو خیال کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں؟ اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے۔''

اس آیت کریمہ میں بھی یہ حقیقت آشکارا کی گئی ہے کہ کفار کی اکثریت نہ تو سنتی ہے اور نہ سمجھتی ہے لیکن سماع اور سمجھ کی اس نفی کا یہ مطلب نہیں کہ کفار کانوں اور عقل سے بے بہرہ ہیں، بلکہ اس سے وہی سماع اور عقل مراد ہے جس سے نفع وضرر کی شناخت ہو سکے اور بُرے بھلے کی تمیز کی جا سکے اور اپنی سرکشی کی وجہ سے کفار اسی سے حرماں نصیب ہیں۔

(۹) فرمانِ خداوندی ہے: ''وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' (النحل، الروم)

''اور تو نہیں ہدایت دے سکتا اندھوں کو ان کی گمراہی سے، تو نہیں سُنا سکتا مگر صرف ان کو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، سو وہ مسلمان ہوتے ہیں۔''

اس سے ظاہری اُور سطحی طور پر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف اُنہی لوگوں کو سنا سکتے تھے (اُور صرف وہی لوگ سُنتے تھے) جو مؤمن اور مسلمان ہوتے تھے۔ نہ دُوسروں کو آپ سنا سکتے تھے اُور نہ وہ سنتے تھے۔ کون مسلمان اس ظاہری مفہوم سے دھوکا کھا سکتا ہے اُور یہ بے بنیاد دعویٰ کر سکتا ہے کہ واقعی نہ تو نبی کریم ﷺ کافروں کو سنا سکتے تھے اور نہ کافر سنتے تھے۔ بات تو صرف اس قدر ہے کہ نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہو سکتا ہے جو سُن کر اس کا اثر قبول کریں اور اسے مان لیں لیکن کافروں نے اس کا اثر قبول نہیں کیا گویا انہوں نے سُنا ہی نہیں اگرچہ حقیقت میں اُنہوں نے سُن ہی لیا ہوتا ہے۔ الغرض ان تمام مضامین میں سماع سے جو مقصود ہے وہ مان لینا اور قبول کرنا ہے اور اسی قبولیت اور تسلیم سے کافر محروم ہیں۔ حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ ''سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ'' کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''سماعون کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے اور کان دھرنے والے۔ پھر بہت زیادہ سننا کبھی تو جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنے ہوتے ہیں بہت زیادہ قبول کرنے والا جیسے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔'' (حاشیہ ص ۱۴۷)

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ''الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا'' (الکہف: ۱۰۱)

''وہ جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے اُور وہ نہ سن سکتے تھے۔''

یعنی حق کے ساتھ ضد اور عناد کی وجہ سے حق سُننے کی تاب بھی وہ اپنے اندر نہیں رکھتے تھے اور اتنا حوصلہ ہی نہ تھا کہ دِلجمعی اور عالی ہمتی کے ساتھ شرح صدر سے حق کو سُن لیتے۔ ان بدبختوں نے وہ قدرت ہی ضائع کر دی جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے مرحمت فرمائی تھی۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی حدود ۱۲۳۷ھ) فرماتے ہیں کہ: ''و لهذا ای لان تارک قصد الخير مضيع للقدرة عليه ذمّ الكافرون بانهم لا يستطيعون السمع ای لا يقصدون سمع الحق علٰی وجه

القبول فلا یخلق فیھم الا استطاعۃ علی سمعہ ولو قصدوہ لخلقھا فیھم فھم المضیعون لھا'' (نبراس ص ۲۸۱)

''اور اسی لئے کفار کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیوں خیر اور نیکی کے قصد کرنے کا تارک خود قدرت کو ضائع کرنے والا ہے۔ مُراد یہ ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کے ارادے سے سننے کا قصد ہی نہیں کرتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ان میں اس کے سننے کی استطاعت ہی پیدا نہیں کرتا اور اگر وہ اس کا قصد کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں استطاعت پیدا کر دیتا۔ سو وہی اس قدرت کو ضائع کرنے والے ہیں۔''

قرآنِ کریم کے ان صریح مضامین اور ان کی تشریح وتفسیر سے جو بیشتر مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے ماخوذ ہے۔ یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ کفار و مشرکین کے لئے اس دُنیا کی زندگی میں بھی سماع کی نفی کی گئی ہے لیکن اس سے مُراد سماع نافع مفید اور سماع قبول ہے، مطلقاً سماع مراد نہیں ہے۔ اسی طرح اس سماع کی نفی سے بھی جو موتی سے ہے، سماع نافع وقبول مراد ہے نہ کہ مطلق سماع اور اسی صورت میں منشاء خداوندی بھی پورا ہوتا ہے اور مُشبّہ اور مُشبّہ بہ میں وجہِ تشبیہ بھی خوب واضح ہوتی ہے اور ہر چیز اپنے اپنے موقع پر بالکل فٹ بیٹھتی ہے اور کسی کا کسی سے تعارض و تضاد باقی نہیں رہتا اور اس ٹھوکر کا یہ مرحلہ اسی وقت پیش آتا ہے۔ جب بجائے حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ اور اکابر کی بات پر اعتماد کرنے کے اپنی اختراعی تاویلات سے کام لیا جائے۔ جیسا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

دوسری آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ'' (النمل، الروم: ۵۲)

''البتہ تو نہیں سنا سکتا مُردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار جب لَوٹیں وہ پیٹھ پھیر کر۔''

حضرات منکرین سماع موتی اپنے دعویٰ کے لئے اس آیت کریمہ سے بزعمِ خویش سمجھی ہوئی مُراد کو حُجت قطعیہ سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مُردے نہیں سنتے کیونکہ جب اسماع کی نفی ہوئی تو سماع کی لازماً نفی ہوگئی۔

الجواب: اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں مشہور ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس میں سماع نافع کی نفی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ای لا تسمعھم شیئًا ینفعھم'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۴)

یعنی تُو اُن کو کوئی ایسی شے نہیں سنا سکتا جو اُن کو نفع دے۔ مطلب واضح ہے کہ مطلق سماع و اسماع کی نفی نہیں بلکہ سماع مفید و نافع کی نفی ہے اور سابق پیش کردہ مفصل بحث اور قرآنِ کریم کی صریح آیات اور ان کی ضروری تشریح کی موجودگی میں اس کے سمجھنے میں کسی بھی عقلمند کو قطعاً کوئی دُشواری پیش نہیں آسکتی۔ ہاں! دُشواری ہوگی تو صرف حق تسلیم کر لینے اور اس کو قبول کر لینے میں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس مختصر مگر کافی وشافی تفسیر کی موجودگی میں مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ طلباءِ علم کو علمی و تحقیقی طور پر کوئی اُلجھن باقی نہ رہے۔ اس لئے مزید تشریح کرتے ہیں اور چند اہم حوالے ہم عرض کئے دیتے ہیں۔ ماننے والوں کے لئے ان میں اطمینانِ قلب کا خاصا مواد ہوگا اور نہ تسلیم کرنے والوں کا پارہ اس سے اور چڑھ جائے گا اور یہ ایک فطری بات ہے کسی کے بس کی نہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''وقد استدلت اُمّ المؤمنین عائشۃ صدیقۃ رضی اللہ عنہا بھذہ الآیۃ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی علی توھیم عبداللہ بن عمر فی روایتہ مخاطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم القتلی الذی القوا فی قلیب بدر بعد

ثلاثة ایام ومعاتبتہ ایاھم وتقریعہ لھم حتی قال لہ عمر یا رسول اللہ ما تخاطب من قوم قد جیفوا؟ فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکن لا یجیبون وتاولتہ عائشۃ رضی اللہ عنہا علی انہ قال انھم الآن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق وقال قتادۃ احیاھم اللہ لہ حتی سمعوا مقالتہ تقریعا وتوبیخا ونقمۃ والصحیح عند العلماء روایۃ عبداللہ بن عمر لما لھا من الشواھد علی صحتھا من وجوہ کثیرۃ من اشھر ذلک ما رواہ ابن عبدالبر مصححا لہ'' (تفسیر ج ۳ ص ۴۳۸)

''حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' کی آیت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے وہم پر استدلال کیا جو (بقول اُن کے) ان کو اس روایت کے بیان کرنے میں ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر سے جب ان کو کنوئیں میں ڈالا گیا، تین دن کے بعد خطاب کیا اور اُن کو ڈانٹ پلائی اور اُن کو سرزنش کی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! آپ ایک مُردہ قوم سے کیسے خطاب فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اُس اللہ کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اس بات کو جو میں اُن سے کہہ رہا ہوں، اُن سے زیادہ نہیں سنتے۔ لیکن وہ جواب نہیں سکتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی یہ تاویل کی کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ بلاشبہ یہ کفار اب جانتے ہیں کہ میں جو کچھ ان سے کہا کرتا تھا وہ حق ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو آپ کی خاطر زندہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی بات سنی اور یہ سب کچھ سرزنش، ڈانٹ اور اُن کی بُرائی اُن پر ظاہر کرنے کے لئے تھا لیکن جمہور علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی روایت صحیح ہے۔ کیوں اس کی صحت کے متعدد اسانید سے بکثرت شواہد ہیں جن سے مشہور وہ روایت ہے جس کی امام ابن البر رحمہ اللہ نے تصحیح کی ہے۔''

اس کے بعد اُنہوں نے وہی سابق روایت نقل کی جس کی مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے اس بیان کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی صحت پر متعدد وجوہ سے شواہد موجود ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ شواہد پیش کئے ہیں جن میں سے ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ مرفوع روایت ہے جس کی تصحیح امام ابن البر رحمہ اللہ نے کی ہے اور ہم باحوالہ پہلے اس کو عرض کر چکے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور ان کا استدلال خود محتاج تاویل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام اور شان اپنی جگہ پر مسلم ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس کی روایت (مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جن کی روایت (بخاری ج ۲ ص ۵۶۶، مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) میں ہے۔ وغیرہ! جلیل القدر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحیح روایات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور جمہور کی تحقیق کو نظر انداز کر کے کس کس کے وہم کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ فرمایا تھا۔

''وتعلمون ان وھن النساء وضعف رأیھن الی التلاشی'' (الامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ رحمہ اللہ ج ۲ ص ۶۷ طبع مصر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر یہ گرفت (بخاری ج ۲ ص ۵۶۷ و مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) وغیرہ میں موجود ہے جس میں انھم الآن لیعلمون کے الفاظ موجود ہیں لیکن علم سماع کے منافی نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ داود بن سلیمان البغدادی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''وقال علماء الامۃ ان العلم یستلزم السماع ولا ینافیہ کما حقیقہ ابن تیمیۃ وابن القیم وابن رجب والسیوطی وغیرھم'' (المنحۃ الوھبیۃ ص ۹)

''علماء اُمت نے یہ کہا ہے کہ علم سماع کو مستلزم ہے اس کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ، امام ابن القیم، علامہ ابن رجب اور امام سیوطی وغیرہ (رحمہم اللہ) نے اس کی تحقیق کی ہے۔''

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''و ھذا مصیر من عائشۃ رضی اللہ عنہا الی رد روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہما المذکرۃ و قد خالفھا الجمھور فی ذٰلک و قبلوا حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما لموافقۃ من رواہ غیرہ علیہ و اما استدلالھا بقولہ تعالٰی اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی فقالوا معناھا لا تسمع سماعًا ینفعھم او لا تسمعھم الّا ان یشاء اللہ تعالٰی قال السھیلی عائشۃ رضی اللہ عنہا لم تحضر قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فغیرھا ممن حضر (حفظ للفظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قد قالوا لہ یا رسول اللہ اتخاطب قومًا قد جیفوا فقال ما انتم باسمع لما اقول منھم قال و اذا اجاز ان یکونوا فی تلک الحال عالمین جاز ان یکونوا سامعین اما باذان رؤسھم کما ھو قول الجمھور او باٰذان الروح علٰی رای من یوجہ السوال الی الروح من غیر رجوعٍ الی الجسد قال و اما الاٰیۃ فانھا کقولہ تعالٰی اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَھۡدِیۡ الۡعُمۡیَ ای ان اللہ تعالٰی ھو الذی یُسمع و یھدی انتھی و قولہ انھا لم تحضر صحیح لٰکن لا یقدح ذٰلک فی روایتھا لانہ مرسل صحابی و ھو محمول علٰے انھا سمعت ذٰلک ممّن حضرہ او من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد و لو کان ذٰلک قادحًا فی روایتھا لقدح فی روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہما فانہ لم یحضر ایضاً و لا مانع ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللفظین معًا فانہ لا تعارض بینھما و قال ابن التین لا معارضۃ بین حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما والاٰیۃ لان الموتٰی لا یسمعون بلا شک لٰکن اذا اَراد اللہ تعالٰی اسماع ما لیس من شأنہ السماع لم یمتنع کقولہ تعالٰی اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ الاٰیۃ و قولہ فَقَالَ لَھَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡھًا'' (فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۷)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی اس تاویل میں اس طرف جارہی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت مردود ہے لیکن جمہور اہلِ اسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے۔ کیونکہ دوسرے حضرات کی روایتیں ان کے موافق ہیں۔ رہا ان کا ''اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی'' سے استدلال تو جمہور نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو ان کو اس طرح نہیں سنا سکتا، جس سے ان کو نفع ہو یا اُن کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں سنا سکتا۔ امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بدر میں آپ کے اس ارشاد کے موقع پر حاضر ہی نہ تھیں۔ لہٰذا اُن حضرات کو جو اس موقع پر حاضر تھے آپ کا فرمان زیادہ یاد ہو سکتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ کیا آپ ایسی قوم سے خطاب فرماتے ہیں جو مُردہ ہے؟ سو آپ نے فرمایا کہ مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب کفار اس حالت میں جاننے والے ہیں تو جائز ہے کہ وہ سننے والے بھی ہوں یا تو اپنے سر کے حِسّی کانوں سے، جیسا کہ جمہور کا قول ہے اور یا رُوح کے کانوں سے، اُن حضرات کے نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ (نکیرین کا) سوال رُوح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور رُوح بدن کی طرف نہیں لَوٹتی اور فرمایا کہ رہی آیت کریمہ، تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ کیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے یا اندھوں کو ہدایت دے سکتا ہے۔ یعنی (تیری قدرت نہیں) اللہ تعالیٰ ہی سناتا اور ہدایت دیتا ہے۔ امام سہیلی رحمہ اللہ کا بیان ختم ہوا۔ اُن کا یہ ارشاد کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر حاضر نہ تھیں صحیح ہے لیکن اس کی وجہ سے ان کی روایت میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ صحابی کا مرسل ہے جو اس بات پر محمول ہے کہ انہوں نے اُس موقع پر حاضرین سے سنا یا براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بعد سنا اور اگر اس وجہ سے ان کی روایت پر

قدح ہو سکتی ہے تو یہی اعتراض بعینہٖ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پر بھی ہے جو اُس موقع پر حاضر نہ تھے اور کوئی مانع نہیں کہ آپ نے دونوں لفظ (سماع اور علم کا) اکٹھے ارشاد فرمائے ہوں۔ کیونکہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ محدث ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس آیت میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ مُردے خود نہیں سنتے لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہے کہ ایسی چیز سنادے جس کی شان سننا نہیں تو یہ ممتنع نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی اور جیسا فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا کہ تم خوشی سے بن جاؤ یا جبراً۔"

امام ابوالقاسم عبدالرحمن السہیلی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۸۱ھ) کی جس عبارت کا حوالہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دیا ہے وہ ان کی کتاب (الروض الانف ج ۲ ص ۴۷، طبع مصر) میں ہے۔ اس عبارت میں بے شمار فوائد میں سے چند یہ ہیں جو صراحت سے درخشاں ہیں۔

(۱) جمہور نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ (۲) جمہور نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو قبول کیا ہے کہ مُردے سنتے ہیں۔ (۳) اس روایت کے بیان کرنے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ متفرد نہیں بلکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ (۴) "اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی" سے ایسے سماع کی نفی ہے جو نافع اور مفید ہو اور مرنے کے بعد جب تکلیفی زندگی ہی ختم ہوگئی تو اب ان کو اس سماع سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ (۵) اور یا یہ مطلب ہے کہ تو ان کو نہیں سنا سکتا یعنی تجھے اس پر قدرت نہیں۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کو سنا دے۔ (۶) جمہور کے نزدیک یہ سماع رُوح اور بدن دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ (۷) ہاں! کچھ لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ سماعت رُوحانی ہے اور وہ "رَدّالروح الی الجسد" کے قائل نہیں ہیں لیکن جمہور کا یہ مسلک نہیں ہے۔

والحق مع الجمہور اور آگے کتاب المغازی میں فرماتے ہیں کہ: "قال البیھقی رحمہ اللہ العلم لا یمنع من السماع والجواب عن الآیۃ انہ لا یسمعھم وھم موتٰی ولٰکن اللّٰہ تعالٰی احیاھم حتّٰی سمعوا کما قال قتادۃ ولم ینفرد عمر رضی اللہ عنہ ولا ابنہ بحکایۃ ذٰلک بل وافقھما ابو طلحۃ رضی اللہ عنہ کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود مثلہ باسناد صحیح و من حدیث عبداللّٰہ بن سیدان نحوہ و فیہ قالوا یا رسول اللّٰہ وھل یسمعون؟ قال یسمعون کما تسمعون ولٰکن لا یجیبون وفی حدیث ابن مسعود ولٰکنھم الیوم لا یجیبون و من الغریب ان فی المغازی لابن اسحاق روایۃ یونس بن بکیر اسناد جید عن عائشۃ رضی اللہ عنہا مثل حدیث ابی طلحۃ و فیہ ما انتم باسمع لما اقول منھم و اخرجہ احمد باسناد حسن فان کان محفوظًا فکانّھا رجعت عن الانکار لما ثبت عندھا من روایات ھؤلاء الصحابۃ رضی اللہ عنہم لکونھا لم تشھد القصّۃ" (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۵، ۳۰۶)

"امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علم سماع سے نہیں روکتا اور آیت کریمہ کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ اس حالت میں وہ نہیں سنتے جب وہ مُردے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کا کلام سنا جیسا کہ قتادہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے اور اس حدیث اور حکایت کو بیان کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی متفرد نہیں ہیں بلکہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے موافق ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اور طبرانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ایسی ہی ہے جس کی سند صحیح ہے اور عبداللہ بن سیدان سے بھی اسی مضمون کی روایت ہے اور اس روایت میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا یا رسول اللہ کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! سنتے

ہیں، اسی طرح جیسے تم سنتے ہو لیکن وہ جواب (جس کو تم سنو) نہیں دے سکتے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔" لیکن وہ آج کے دن جواب نہیں دیتے" اور یہ بڑی نرالی بات ہے کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے مغازی میں یونس بن بکیر رحمہ اللہ کے طریق سے جید اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت ہے جیسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے جس میں "ما انتم باسمع لما اقول منهم" کے الفاظ موجود ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی حسن اسناد کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔ سو اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں تو گویا یہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کے انکار سے رجوع کر لیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان جلیل القدر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایتیں ثابت ہو گئیں (جو موقع پر حاضر تھے اور) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حاضر نہ تھیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ: (۱) اثبات علم اور اثبات سماع کی حدیثوں میں حقیقۃً کوئی تعارض نہیں۔ دونوں جمع ہو سکتی ہیں۔ (۲) آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ ان کو مُردہ ہونے کی حالت میں نہیں سُنا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تھا جیسا کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے کہا تو پھر انہوں نے سُن لیا۔ (اور اعادۂ روح سب کے لئے ثابت ہے۔ لہٰذا سب سُن سکتے ہیں۔ صفدرؔ) (۳) سماع موتی کی روایت بیان کرنے میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی متفرد نہیں بلکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سیدان بھی اس قصہ کے بیان میں ان کے مؤید و مصدّق ہیں۔ (۴) اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ باسناد جید اور اسناد حسن سماع موتی کی روایت مروی اور ثابت ہے۔ (۵) اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں سماع کا لفظ محفوظ ہے (اور جب بقول ان کے سند جید اور حسن ہے تو قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ لفظ محفوظ ہی ہے۔ صفدرؔ) تو پھر یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار سماع موتی سے رجوع کر لیا تھا۔ کیونکہ جب ان کے نزدیک دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات ثابت ہو گئیں جو اصل موقع پر موجود تھے اور وہ خود وہاں موجود نہ تھیں تو انہوں نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع کر لیا اور اس مسئلہ میں اُن کی ہم نوا ہو گئیں۔ کیونکہ اکثریت دوسری طرف تھی اور مشہور ہے کہ ؎

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!

مولانا مبارک پوری صاحب رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ: "قال الحافظ فی فتح الباری قال القرطبی رحمہ اللہ انکار حضرت عائشة رضی اللہ عنہا ذلک وحکمها علی الراوی بالتخطية او النسان او غلی انه سمع بعضا و لم يسمع بعضا بعيد لان الرواة لهذا المعنی من الصحابة رضی اللہ عنہم كثيرون و هم جازمون فلا وجه للنفی مع امكان حمله علی محمل صحيح" (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۳۶)

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سماع موتی کا انکار اور ان کا راوی پر خطا یا نسیان کا حکم لگانا یا یہ کہنا کہ راوی نے بعض حصہ سُنا اور بعض نہیں سُنا ایک بعید سی بات ہے۔ کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مفہوم کو بیان کرنے والے بکثرت ہیں جو جزم سے بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا نفی کی کوئی وجہ نہیں۔ جب کہ اس کو صحیح محمل پر (مثلاً یہ کہ سماع قبول کی نفی ہے) حمل کرنا ممکن ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "و اما رد عائشة رضی اللہ عنہا بعض تلک الاحاديث فلم يعتد به جمهور الصحابة رضی اللہ عنہم و من بعدهم و اما قوله تعالی اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ففيه نفی الاسماع

لا السماع علی ان الصحیح ان المراد بالموتی ھناک موتی القلوب و ھم الکفار لا الاموات العرفیۃ الی ان قال و بالجملۃ لم یدل دلیل قوی علی نفی سماع المیت و ادراکہ و فھمہ و تألمہ لا من الکتاب و لا من السنۃ بل السنن الصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ثبوتھا لہ و الحق فی ھذا المقام ان ھذا کلہ من تقریرات المشائخ و توجیھاتھم و تکلفاتھم و لا عبرۃ بھا حین مخالفتھا الاحادیث الصحیحۃ و آثار الصحابۃ الصریحۃ و اما ایمتنا فھم بریئون عن انکار ھذہ الامور'' (عمدۃ الرعایۃ ج ۲ ص ۲۵۴)

''بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان بعض احادیث کا رد کرنا تو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے حضرات نے اس رد کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' تو اس سے نفی اسماع مراد ہے نہ کہ نفی سماع علاوہ ازیں صحیح بات یہ ہے کہ الموتی سے مراد اس مقام پر وہ کافر ہیں جن کے دل مُردہ ہیں عُرفی اموات مُراد نہیں ہیں۔ (پھر آگے فرمایا) خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مَیت کے سماع ادراک فہم اور اس کے تکلیف اُٹھانے کی نفی پر کوئی قوی دلیل دال نہیں ہے نہ کتاب اللہ سے اور نہ سُنّت سے بلکہ صحیح اور صریح حدیثیں ان اُمور کے میت کے لئے اثبات پر دال ہیں اور حق اس مقام میں یہ ہے کہ نفی کی جملہ تاویلات مشائخ کی اپنی تقریریں اور توجیہات و تکلفات ہیں اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ اور مخالفت میں ان تکلفات کا کوئی اعتبار نہیں۔ رہے ہمارے ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ) تو نفی سماع موتی وغیرہ اُمور سے وہ بالکل بری ہیں۔''

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''والنص الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقدم علی تاویل من تاول من اصحابہ وغیرہ ولیس فی القرآن ماینفی ذلک فان قولہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی انما اراد بہ السماع المعتاد الذی ینفع صاحبہ فان ھذا مثل ضرب الکفار والکفار تسمع الصوت لکن لا تسمع سماع قبول بفقہ واتباع'' (فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ج ۴ ص ۲۹۸)

''وہ نص صحیح جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے وہ اس تاویل پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہم نے کی ہے، مقدم ہے اور قرآنِ کریم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی نفی کرتی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ بے شک تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا۔ اس سے مراد وہ معتاد سماع ہے جو سامع کو نفع دے۔ بلاشبہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے بیان فرمائی ہے اور کفار آواز سنتے ہیں لیکن سمجھ اور پیروی کے جذبہ سے سماع قبول اُن کو حاصل نہیں ہے۔''

اور اس سے قبل انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لے کر اُن کی عدم سماع موتی کی تاویل کو مرجوح قرار دیا ہے اور پھر زوردار الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ: ''واھل العلم بالحدیث والسنۃ اتفقوا علی صحۃ ما رواہ انس رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہ وان کانا لم یشھدا بدرا فان انس رضی اللہ عنہ روی ذلک عن ابی طلحۃ رضی اللہ عنہ وابو طلحۃ رضی اللہ عنہ شھد بدر'' (فتاوٰی ج ۴ ص ۲۹۷)

''حدیث وسنّت کا علم رکھنے والے اس اُمر پر متفق ہیں کہ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے (سماع موتی کی) حدیثیں صحیح ہیں۔ وہ دونوں اگرچہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے لیکن حضرت اَنس رضی اللہ عنہ نے یہ روایت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور وہ بدر میں شریک تھے۔''

لطیفہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ کی محدثانہ اور فقیہانہ تحقیق تو آپ نے ملاحظہ کر لی اور مؤلف ندائے حق کی یہ گپ بھی آپ کو یاد ہوگی جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ: ''تو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت بطور

ندامت کے تھا کہ کیسے صاف صاف قرآنِ پاک میں سماع موتیٰ کی نفی وارد ہے مگر ہمارے ذہن سے ذہول ہوگیا مارے شرمندگی کے خاموش ہوگئے اور اس مسئلہ میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوگئے اور عدم سماع موتیٰ پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا۔'' (ص ۱۵۱)

سبحان اللہ تعالیٰ کیا ہی عجیب تحقیق ہے جس کو سننے کے بعد محققین کے سر بھی شرم کے مارے جھک جاتے ہیں۔ موصوف کو معلوم ہونا چاہئے کہ جمہور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع موتیٰ کا جو موقف پہلے تھا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور تاویل سُن کر بھی بدستور باقی رہا۔ نہ تو وہ حضرات شرمندہ ہوئے اور نہ خاموش رہے۔ وہ بدستور زور و شور کے ساتھ سماع موتیٰ کی حدیثیں بیان کرتے رہے اور تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم نوا تو کیا ہوتے بقول حافظ ابن حجر رحمہ اللہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انکار سماع موتیٰ سے رجوع کر کے جمہور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہم نوا ہوگئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رجوع کی وہ صحیح روایت بھی تائید کرتی ہے جو حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے یوں مروی ہے کہ: ''قال تُوفِّي عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بِالْحُبْشِيِّ قال فحمل الی مکة فدفن فیها فلما قدمت عائشة رضی اللہ عنہا اتت قبر عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فقالت الی قوله ثم قالت واللہ لو حضرتک ما دُفِنتَ اِلَّا حیث مُتَّ ولو شهدتک ما زُرتُک''

(ترمذی ج ا ص ۱۲۵، رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰)

''عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ (مکہ مکرمہ کے قریب) حُبشی کے مقام پر وفات پا گئے اور ان کو اُٹھا کر مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں ان کو دفن کیا گیا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (حج کے موقع پر) آئیں تو عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی آئیں تو کہا (مرثیہ کے دو شعر پڑھے جو ان کتابوں میں مذکور ہیں) پھر فرمایا: بخدا اگر مَیں تیری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو تجھ کو وہاں ہی دفن کیا جاتا جہاں تیری وفات ہوئی تھی اور اگر میں اُس وقت موجود ہوتی تو اب تیری قبر کی زیارت کے لئے مَیں نہ آتی۔''

ظاہر بات ہے کہ اگر یہ محض تحسّر اور افسوس کے طور پر خیالی رنگ میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے خطاب ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اُن کی قبر پر حاضر ہو کر یہ کہنے کی حاجت نہ ہوتی، وہ مدینہ طیبہ میں یا دُور ہی سے ایسا کہہ دیتیں۔ یہ خطاب اُن کے رجوع کا واضح قرینہ ہے۔

اور القاضی البیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''و انما شُبِّهوا بالموتی لعدم انتفاعهم باستماع ما یتلی علیهم کما شُبِّهوا بالصم فی قوله تعالیٰ ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین فان اسماعهم فی هذه الاحالة ابعد'' (تفسیر بیضاوی علی القرآن العظیم ص ۳۲۱، طبع مصر)

''ان زندہ کافروں کو مُردوں کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اس چیز کو جو اُن پر پڑھی جاتی ہے، سُن کر نفع نہیں حاصل کرتے۔ جیسا کہ ان کو ''وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ'' کے ارشاد میں بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس حالت میں اُن کا سننا بعید تر ہے۔

اس تفسیر سے بھی معلوم ہوا کہ زندہ کفار کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ اس اَمر میں نہیں دی گئی کہ وہ سرے سے سنتے ہی نہیں بلکہ تشبیہ اس سماع کی ہے جو موجب انتفاع ہو اور یہ بالکل واضح ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ف: اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مُردے نہیں سنا کرتے ہر چند کہ مُردوں سے مراد یہاں کفار ہیں مگر تشبیہ جب ہی درست ہو سکے گی۔ جب مُردے نہ سنتے ہوں لیکن چونکہ بعض احادیث میں مُردوں کا سننا قریب جگہ نہ کہ بعید سے وارد ہے اس لئے بعض علماء نے آیت (کے معنی) میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع ہے اور قرینہ اس کا علاوہ دفع تعارض حدیث کے یہ بھی ہے کہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ البتہ سماع نافع ضرور منفی تھا۔ پس مُردوں سے بھی یہی منفی ہے۔ (یعنی تشبیہ صرف اس پہلو میں ہے نہ کہ نفس سماع میں۔ صفدر) چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مُردوں کو نصیحت کرے، بیکار ہے۔ کیوں وہ دار العمل نہیں اور ثواب سے نفع ہونا یا تلاوت قرآن سے اُنس ہونا یہ دوسری بات ہے، مقصود مواعظ کا نافع نہ ہونا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ مُردے میں مردۂ حقیقی جسد ہے وہ نہیں سُن سکتا مگر اس سے رُوح کی نفی لازم نہیں آتی (یعنی سماع بہر کیف ثابت ہے بدن اور رُوح مل جل کر سنیں جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے یا نفس رُوح سُنے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ صفدر) اور علماء مانعین نے حدیثوں میں کچھ مناسب تاویلیں کر کے تعارض کو دفع کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (تفسیر بیان القرآن ج ۸ ص ۹۸)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل کشف تو عموماً سماع موتیٰ کے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں، میں انہیں کا معتقد ہوں۔ کیونکہ مجھے ظن غالب ہے کہ موتیٰ سنتے ہیں۔ دیکھئے حدیث میں صاف وارد ہے: ''وانہ یسمع قرع نعالھم'' یعنی مُردہ گورستان میں آنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

(ملفوظات اسعد الابرار ص ۲۹۱، جمع کردہ مولانا سید محمد ابرار الحق صاحب خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

حضرت مولانا عبد الحق صاحب حقانی رحمہ اللہ جن کو مؤلف ندائے حق مُفسّر و متکلم کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۲۷) (المتوفی ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء) اپنی مُستند اور محقق تفسیر میں آیت روم کی اسی مذکورہ آیت کریمہ: ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مُردہ نہیں سُنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث و اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماع موتیٰ باہمی قیل وقال کا بڑا میدان ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدمِ سماع کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ اِس لئے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے رہے احادیث و اقوال، ان سے بھی صاف معلوم نہیں ہوتا کہ مَیّت نہیں سُن سکتی بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مُردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ از اں جملہ وہ احادیث ہیں جو زیارتِ قبور کی بابت وارد ہیں۔'' (تفسیر حقانی ج ۶ ص ۴۱)

اس کے بعد اُنہوں نے چند صحیح احادیث کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا ذکر ہم باحوالہ پہلے کر چکے ہیں۔

الغرض! جن آیات سے منکرین سماعِ موتیٰ انکار پر استدلال کرتے ہیں۔ ان آیات کی عدمِ سماعِ موتیٰ پر دلالت تو کیا ہوتی۔ بقول علامہ حقانی رحمہ اللہ ان میں عدمِ سماع کا اِشارہ تک بھی نہیں ہے مگر یہ ظلم ہے کہ اب جو حضرات سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں۔ وہ اس آیت سے اپنے استدلال کو نصِ قطعی سمجھتے ہیں اور مجوّزین سماعِ موتیٰ کی تکفیر کرتے ہیں، جیسا کہ اسی کتاب میں باحوالہ نیلوی صاحب کی عبارتیں عرض کر دی گئی ہیں۔

دُوسری تفسیر

اس مضمون کی آیات کی دُوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مثلاً: ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بس، اختیار اور قدرت میں یہ بات نہیں کہ تو مُردوں کو سنائے یہ کام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یعنی نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''لان الاسماع ھو ابلاغ الصوت من المسمع فی اذن السامع فاللہ تعالٰی ھو الذی اسمعھم بان ابلغھم صوت نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بذلک'' (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۶)

''اسماع کا معنی یہ ہے کہ سنانے والے کی آواز کو سُننے والے کے کان تک پہنچایا جائے سو یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کفار کے کانوں تک پہنچادی۔''

اُور یہ بات شرعاً بالکل ثابت ہے کہ جو کام عادۃً انسان کے بس میں نہ ہو باوجود اس کے وہ کام کرنے کے اس سے نفی درست ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللہَ قَتَلَھُمْ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی''

''سوتم نے ان کونہیں مارا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو مارا اور تُو نے نہیں پھینکی تھی مٹھی خاک جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔'' (الانفال: ۱۷)

ظاہراَمر ہے کہ غزوۂ بدر میں کفار کو قتل کرنے والے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے اور کنکریوں کی ایک مٹھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ''شَاھَتِ الْوُجُوہ (ای قَبُحَتْ)'' فرما کر پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ بظاہر دونوں کی نفی فرما رہے ہیں کہ نہ تو تم نے کافروں کو قتل کیا ہے اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی ہے بلکہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے وہ سب آنکھیں مَلنے لگے۔ اِدھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا۔ آخر بہت سے کافر کھیت رہے۔ اُسی کو فرماتے ہیں کہ بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھی لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہوسکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا سبب بن جائیں۔ یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیئے اور تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زورِ بازو سے کافروں کے ایسے ایسے مُنڈ مارے جاتے۔ یہ تو اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فناء کے گھاٹ اُتارا۔ (فوائد شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ)

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ''اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ'' (القصص: ۵۶)

''بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا جس سے تو محبت کرے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے اُن کو جو ہدایت پانے والے ہیں۔''

اب اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی فرد کو ہدایت نہیں دے سکتے تو اس کو ہدایت حاصل بھی نہیں ہوسکتی۔ مُراد تو بالکل واضح ہے کہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے آپ کا نہیں۔ آپ صرف راہ بتاتے اور

راہنمائی کرتے ہیں اور اس معنی میں آپ ہادیٔ برحق ہیں لیکن ہدایت دینے کے معنی میں ہادی صرف حق تعالیٰ ہے اور بس۔ کسی اور کا اس میں رتی بھر دخل نہیں ہے۔

اسی مد میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ''
'' بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہے اُور تُو نہیں سنا سکتا قبروں میں پڑے ہوؤں کو۔'' (الفاطر: ۲۲)
''لہٰذا سماع کی نفی سے سماع کی نفی نہیں ہوتی اور اسی کو حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے یوں تعبیر فرمایا کہ سمع اموات حد اسماع سے تو پَرے ہے پر استماع اموات ممکن ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''یقول تعالٰی کما انک لیس فی قدرتک ان تسمع الاموات فی اجداثھا و لا تبلغ کلامک الصم الذین لا یسمعون وھم مع ذٰلک مدبرون عنک کذلک لا تقدر علٰی ھدایۃ العمیان عن الحق وردھم عن ضلالتھم بل ذٰلک الی اللہ تعالٰی فانہ تعالٰی بقدرتہ یُسمعُ الاموات اصوات الحیاء اذا شاء ویھدی من یشاء ویضل من یشآءُ ولیس ذٰلک لاحد سواہ'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسے تیرے بس میں یہ نہیں کہ تُو مُردوں کو اُن کی قبروں میں سنائے اور نہ یہ کہ تیرا کلام ان بہروں تک پہنچ سکے جو سنتے نہیں۔ جب کہ انہوں نے تیری طرف اپنی پیٹھ بھی پھیر دی ہو۔ اسی طرح تو حق سے اندھوں کو ہدایت دینے پر اور ان کو گمراہی سے ہٹانے پر قادر نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے کہ وہ مُردوں کو اپنی قدرت سے جب چاہتا ہے زندوں کی آوازیں سنا دیتا ہے اُور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اُور یہ کارروائی اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اُور کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔

اس تفسیر کے رُو سے نفی اس سماع کی ہے جو اِنسان کے بس اور قدرت میں نہیں اور ''اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ'' میں اس سماع کا اثبات ہے جو مُردوں کے لئے ثابت ہے جیسا کہ ابھی ''اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ'' کی تفسیر میں نفی اور اثبات کا معنی بیان ہوا ہے۔

امام محمد بن جریر رحمۃ اللہ علیہ الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) ''اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''کما لا یقدر ان یسمع من فی القبور کتاب اللہ فیھدیھم بہ الٰی سبیل الرشاد فکذلک لا یقدر ان ینفع لمواعظ اللہ و بیان حججہ من کان میّت القلب من احیاء عبادہٖ عن معرفۃ اللہ و فھم کتابہ و تنزیلہ وواضح حججہ'' (تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ص ۱۲۹)

''جس طرح اہلِ قبور کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سنا کر ان کو راہِ راست پر لانے کی قدرت کسی کو نہیں۔ اسی طرح یہ قدرت بھی کسی کو نہیں۔ اسی طرح یہ قدرت بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں اور اس کی واضح دلیلیں بیان کر کے ان مُردہ دلوں کو نفع پہنچایا اور زندہ کیا جائے جو اس کے بندوں میں سے اس کی معرفت اس کی کتاب کی فہم اس کے اُترنے اور اس کی واضح دلیلوں کی معرفت سے بے خبر اور مُردہ دِل ہیں۔''

نیز وہ لکھتے ہیں: ''و قولہ انک لا تسمع الموتٰی یقول یا محمد لا تقدر ان تُفھِمَ الحقَّ مَنْ طَبعَ اللہ علٰی قلبہٖ فاماتہٗ لان اللہ قد ختم علیہ اَلَّا یفھمہٗ'' (تفسیر ابن جریر ج ۲۰ ص ۱۲)

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس پر قادر

نہیں کہ اس شخص کو حق سمجھا دے جس کے دِل پر اللہ تعالیٰ نے مُہر لگا دی ہے اور اس کو مُردہ کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مُہر لگا دی ہے کہ وہ حق کو نہ سمجھے۔"

اِس تفسیر میں بھی اس کی تصریح ہے کہ نفی سماع کی نہیں بلکہ نفی اس کی ہے کہ بجز پروردگار کے کسی کو سُنانے کی قدرت نہیں ہے اور تحریر فرماتے ہیں: "ولاتسمع الصم الدعاء اذا ولو امدبرین یقول لو ان اصمّ ولّی مدبرًا ثم نادیتہ لم یسمع کذالک الکافر لا یسمع ولا ینتفع بما یسمع" (تفسیر ابن جریر ج ۲۱ ص ۵۶)

"اور تو بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر لَوٹ جائیں نہیں سُنا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی بہرہ شخص پیٹھ پھیر کر لَوٹ جائے پھر تو اُس کو پکارے تو وہ نہیں سُنتا۔ اسی طرح کافر نہ سُنتا ہے اور نہ سُنی ہوئی چیز سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔"

اس سے معلوم کہ کافر کے عدم سماع کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے انتفاع نہیں کرتا۔ شیخ معین الدین رحمہ اللہ (المتوفی ۸۸۹ھ) فرماتے ہیں: "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ای الکفار فانہم کالموتٰی فی عدم الانتفاع بما یستمعون الٰی قولہ اِنْ تُسْمِعُ سماع انتفاع اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ" (تفسیر جامع البیان ص ۳۳۴)

"بے شک تو مُردوں یعنی کافروں کو نہیں سُنا سکتا کیونکہ وہ سُنی ہوئی چیز سے عدم انتفاع میں مُردوں کی طرح ہیں۔ (پھر آگے فرمایا) تو نہیں سُنا سکتا سماعِ انتفاع مگر صرف ان کو جو ایمان لائیں۔"

اس تفسیر سے بھی معلوم ہوا کہ نفی مطلق سماع کی نہیں بلکہ سماعِ انتفاع کی نفی ہے۔

حافظ ابن حجر اور مولانا عثمانی، حافظ اسماعیلی (ابوبکر احمد بن ابراہیم المتوفی ۳۷۱ھ) جو الامام اور الحافظ تھے، (اکمال ص ۶۲۸) اور جو الامام الحافظ الثبت اور شیخ الاسلام تھے، (تذکرہ ج ۳ ص ۱۴۹) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: "وقال الاسماعیلی کان عند عائشۃ من الفہم والذکاء وکثرۃ الروایۃ والخوص علٰی غوامض العلم مالا مزید علیہ لٰکن لاسمبیل الٰی ردّ روایۃ الثقۃ الابنص مثلہ یدلّ فسخہ او تخصیصہ او استحالتہ فکیف والجمع بین الذی انکرتہ واثبتہ غیرھا ممکن لان قولہ تعالٰی اِنَّکَ لاتسمع الموتٰی لا ینافی قولہ ﷺ انہم الآن یسمعون لان الاسماع ھو ابلاغ الصّوت من المسمع فی اذن السامع فاللہ تعالٰی ھو الذی اسمعہم بان ابلغہم صوت نبیّہ ﷺ واما جوابہا بانہ انما قال انہم لیعلمون فان کانت سمعت ذٰلک فلا ینافی روایۃ یسمعون بل یؤیدھا" (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۶، وفتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۸)

"امام اسماعیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس فہم، ذکاء، کثرتِ روایت اُور علم کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کی وہ خوبی تھی جس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر بایں ہمہ ثقہ راوی کی روایت کو رد کرنے کی بھی کوئی سبیل نہیں۔ مگر ہاں! یہ کہ اگر کوئی اس جیسی نص ہو جو اس کے منسوخ یا مخصوص یا محال ہونے پر دلالت کرے پھر بھلا کیونکر یہ روایت رَد کی جا سکتی ہے۔ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں انہوں نے سماع کا انکار کیا ہے اور دوسرے حضرات کی روایت جس میں اس کا اثبات ہے۔ جمع اور تطبیق بھی ممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد "اِنَّھُمْ الآن یسمعون" (یعنی کفار اب سن رہے ہیں) میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔ کیونکہ اسماع کا یہ معنی ہے کہ سُنانے والے کی آواز سننے والے کے کان میں پہنچائی جائے تو سُنانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے کفار کو اپنے نبی کی آواز پہنچائی۔ رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا

یہ جواب کہ آنحضرت ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ بے شک وہ اس وقت جانتے ہیں۔ اگر واقعی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ لفظ آپ سے سُنے تھے تو پھر بھی یہ یسمعون کے ہرگز منافی نہیں بلکہ اس کے مؤید ہیں۔''

امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۸۶ھ) (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۶۷) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ''ما قال انهم یسمعون ما اقول وانما قال انهم الآن لیعلمون الحدیث'' کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''فان قلت کیف جاز تکذیب ابن عمر رضی اللہ عنہ قلت ما کذب احد بل البحث فی انه حمل علی الحقیقة وعائشة رضی اللہ عنہا حملتهٔ علی المجاز فان قلت هل وجب تاویل کلامه بما اوّلته عائشة رضی اللہ عنہا قلت یحتمل ان یکون معنی الآیة انک لا تسمع بل الله هو المسمع مع ان المتاولین قالوا المراد من الموتی الکفار باعتبار موت قلوبهم وان کانوا احیاء صورة وکذا المراد من الآیة الاخریٰ قال صاحب الکشاف فی قوله تعالیٰ انک لا تسمع الموتی شبهوا بالموتی وهم احیاء لان حالهم حال الاموات وفی قوله تعالیٰ ماانت بمسمع من فی القبور ای الذین هم کالمقبورین'' (کواکب الدراری ج ۱۵ ص ۱۶۷، ۱۶۸)

''اگر تو یہ کہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تکذیب کیسے جائز ہوگئی؟ تو میں کہوں گا کہ ان کی تکذیب کسی نے نہیں کی بلکہ بحث اس میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجاز پر پھر اگر تو یہ کہے کہ کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کی تاویل واجب ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی؟ تو میں کہوں گا کہ احتمال ہے کہ آیت کا معنی یہ ہو کہ بے شک تو نہیں سنا سکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ سنانے والا ہے۔ علاوہ ازیں تاویل کرنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ (یہاں مُردوں سے حقیقی مُردے مُراد نہیں ہیں بلکہ) موتی سے کفار مُراد ہیں۔ اس اعتبار سے کہ ان کے دِل مر چکے ہیں۔ اگرچہ صورۃً وہ زندوں کی شکل میں ہیں۔ (لہٰذا اہلِ قبور کے عدم سماع کا مسئلہ ہی اس سے غیر متعلق ہے) اور اِسی طرح دُوسری آیت سے یہی مراد ہے۔ صاحب کشاف نے ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان زندہ کافروں کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ ان کی حالت مُردوں کی سی ہے (کہ جیسے وہ سماع سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اسی طرح یہ بھی ہیں) اور اسی طرح مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کا مطلب بھی یہی ہے کہ باوجود زندہ ہونے اہلِ قبور کی طرح یہ نفع حاصل نہیں کر سکتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بقول علامہ کرمانی رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تکذیب نہیں کی بلکہ یہاں معاملہ حقیقت و مجاز کا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انهم یسمعون کی حدیث کو حقیقت پر حمل کر کے سماع موتی کا قول کیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو مجاز پر محمول کیا ہے کہ مُراد اس سے علم ہے یعنی مُردے اس وقت جانتے ہیں۔ پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ جب حقیقت شرعاً متعذر نہیں تو پھر مجاز کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ مشہور تو یہ ہے کہ المجاز قنطرة الحقیقة کہ مجاز حقیقت کا پُل ہے۔ اُور پھر یہ بات بھی پہلے بحوالہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ گزر چکی ہے کہ یسمعون اور یعلمون میں تطبیق بھی ممکن ہے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

حافظ بدرالدین محمود العینی الحنفی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ: ''واجیب عن الایة بان الذی یسمعهم هو الله تعالی والمعنی انه ﷺ لایسمعهم ولکن الله تعالی احیاهم حتے سمعوا کما قاله قتادة وقال السهیلی رحمہ اللہ وعائشة رضی اللہ عنہا لم تحضر وغیرها ممن حضرا حفظ للفظه وقد قالوا له اتخاطب قوما قد جیفوا فقال ما انتم باسمع لما اقول منهم واذا جاز ان یکونوا سامعین اما باآذان رؤسهم اذا قلنا ان الارواح تعادالی

الاجساد عند المسألة وهو قول الاكثر من اهل السنة واما باذان القلب والروح علے مذهب من يقول يتوجه السوال الى الروح من غير رجوع منه الى الجسد او الى بعضه'' (عمدة القاری ج ۱۷ ص ۹۳)

''اس آیت کریمہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو سناتا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اُن کو نہیں سنا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے سن لیا۔ جیسا کہ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے اور امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حاضر نہ تھیں اور دُوسرے حضرات جو وہاں حاضر تھے وہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ کو زیادہ یاد رکھنے والے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے آپ سے کہا کہ کیا آپ ایسی قوم سے خطاب فرما رہے ہیں جو سنتی نہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے اور جب (بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) اس حالت میں ان کا عالم ہونا جائز ہے تو ان کا سامع ہونا بھی جائز ہے یا تو سر کے حِسّی کانوں سے اگر ہم یہ کہیں کہ سوال کے وقت ان کے ابدان میں اَرواح کو لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ اکثر اہل السنّت والجماعت کا قول ہے اور یا دِل اور رُوح کے کانوں سے ان لوگوں کے مذہب پر جو یہ کہتے ہیں کہ سوال رُوح کی طرف متوجہ ہوتا ہے بغیر اس کے کہ سارے بدن یا اس کے بعض حصہ میں رُوح لوٹائی جائے۔''

اس عبارت سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اہل السنت والجماعت کی اکثریت بدن اور رُوح دونوں کے ساتھ سماعِ اموات کی قائل ہے اور یہی اکثریت عود الرُّوح الی الجسد کی بھی قائل ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''قلت اذا صح عن النبی ﷺ ان الموتٰی تسمع كلام الحی فمعنٰی قوله تعالٰی "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" باختيارک و قدرتک كما انت تسمع الحی علٰی ما جری به عادة الله تعالٰی لٰكن الله تعالٰی يسمع الموتٰی كلام الاحياء اذا شاء او انک لاتسمع الموتٰی سماعا تترتب عليه الفائدة'' (منہ نور اللہ مرقدہ حاشیۂ تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۳)

''میں کہتا ہوں کہ جب آنحضرت ﷺ سے یہ صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ مُردے زندہ کے کلام کو سنتے ہیں تو ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تُو اپنے اختیار اور قدرت سے مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی جاری کی ہوئی عادت کے مطابق تُو زندہ کو سنا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہی زندوں کا کلام مُردوں کو جب چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور یا اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ تو مُردوں کو اس طریقہ پر نہیں سنا سکتا جس پر (قبول کرنے کا) فائدہ مترتب ہو۔''

الغرض حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ کی کوئی بھی تفسیر لے لیں۔ قدرِ مشترک سب اس پر متفق ہیں کہ اس مضمون کی تمام آیات سے عدمِ سماعِ موتٰی ہرگز ثابت نہیں ہے جس کے دَرپے مؤلف شفاء الصدور وندائے حق اور ان کے حواری ہیں اور اس پر بضد ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ ''اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی'' کی آیت کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔ ''یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مُردے کو سنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مُردہ سُن لے اس کا انکار کوئی مؤمن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سُننا ثابت ہو جائے گا اُسی حد تک ہم کو سماعِ موتٰی کا قائل ہونا چاہیے۔ محض قیاس کر کے دُوسری باتوں کو سماع کے تحت نہیں لا سکتے۔ بہرحال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (حاشیہ ص ۵۳۱)

بہرحال اس آیت کریمہ کی پہلی تفسیر لیں یا دُوسری، بہرکیف دونوں سے یہ ثابت ہے کہ اس سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی بلکہ سماع نافع ومفید یا اِسماع کی نفی ہے اور نفسِ سماع موتی فی الجملہ ثابت ہے۔ صحیح احادیث اور جمہور اُمت کا بیان اس کی واضح دلیل ہے۔

مسئلۂ سماع موتی اور حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

قرآنِ کریم کے تیسرے پارہ میں ایک واقعہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے جس کا نہایت مختصر خلاصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ ہستی کو اللہ تعالیٰ نے وفات دے دی۔ سو سال تک مُردہ رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ کیا تو اُن سے فرمایا کہ تم اس حالت میں کتنا عرصہ رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ صرف ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تم تو سو سال اس حالت میں رہے۔ (محصلہ)

جمہور مفسرین کرام کے نزدیک یہ بزرگ ہستی حضرت عزیر علیہ السلام کی تھی۔ بعض حضرات نے سماع موتی کے انکار پر اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ مؤلف ''جواہر القرآن'' لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ عزیر علیہ السلام دُنیا میں ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے۔ سو سال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلافات کا اُن کو پتہ چلا اور نہ ہی بیرونی آوازیں اُنہیں سنائی دیں۔ (جواہر القرآن ص ۱۲۷)

الجواب: اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

اَوّلاً: اس لئے کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلافی چلا آرہا ہے مگر حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کسی نے اس واقعہ سے عدم سماع موتی پر استدلال نہیں کیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ واقعہ اس مسئلہ سے بالکل غیر متعلق ہے۔ ہمارے پیر ومرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ لیکن حضرت مرحوم کے کئی تفردات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ حضرت مرحوم کا ادب واحترام سویدائے قلب میں موجود ہے اور ان کی بے لَوث دینی خدمات اور اپنے مخصوص رنگ میں توحید وسُنّت کی نشر واشاعت اور اپنے نرالے ذوق میں شرک وبدعت کا رَد نا قابل تردید حقیقت ہے لیکن شریعت کا حق سب سے مقدم ہے۔ امام تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب السبکی (المتوفی ۷۷۱ھ) اپنے اُستادِ محترم ناقدِ فن رجال علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۴۸ھ) کی بعض علمی کوتاہیوں اور تفردات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وانا قلت غیر مرۃ ان الذھبی استاذی وبہ تخرجت فی علم الحدیث الا ان الحق بالاتباع'' (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۴۹، طبع مصر)

''میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ میرے استاد ہیں اور انہی کی بدولت مَیں نے علمِ حدیث میں مہارت حاصل کی ہے مگر حق کی پیروی کرنا زیادہ مناسب ہے۔''

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سوال ہوا کہ آپ کی فلاں مسئلہ میں یہ رائے ہے۔ حالانکہ آپ کے پیر ومُرشد اس کے خلاف کہتے ہیں تو آپ ان کی مخالفت کیوں فرماتے ہیں، (محصلہ) تو اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں: ''اور حجت قول وفعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول وفعل شارع علیہ السلام سے اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ سے ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں جب اُن کے پیر سلطان نظام الدین قدس سرہٗ کے فعل کی حجت کوئی لاتا کہ وہ ایسا کرتے ہیں، تم کیوں نہیں کرتے؟ کہ فعلِ مشائخ حجت نہ باشد اور اس جواب کو

حضرت سلطان الاولیاء رحمہ اللہ بھی پسند فرماتے۔ لہٰذا جناب حاجی (امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ) کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بے جا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔'' رشید احمد گنگوہی عفی عنہ! (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۸ طبع دہلی)

مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں: ''اسلام مشائخ اور اساتذہ کی تقلید بے جا کا نام نہیں بلکہ دلائل شریعت کے اتباع کا نام ہے۔'' (ص ۳۱۲)

ظاہر اَمر ہے کہ جب حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کسی نے عدم سماع موتی پر یہ واقعہ پیش نہیں کیا حالانکہ قرآن کریم کا یہ واقعہ بھی ان کے پیش نظر تھا اور اس مسئلہ کا اختلاف بھی ان کے سامنے تھا تو یہ اس مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔

ثانیاً: اس واقعہ سے نفی سماع موتی تب متحقق ہو سکتی ہے جب تحقیقی اور تاریخی طور پر یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے پاس کوئی پہنچا ہوا اور اُس نے اُن سے علیک سلیک کی اور کلام کیا ہو مگر نہ تو وہ سُن سکے اور نہ اُن کو خبر ہوئی۔ بہت ممکن ہے کہ جہاں ان کی وفات ہوئی تھی وہاں کوئی بھی نہ گیا ہو اور نہ کسی کو ان کی خبر ہوئی ہو، محض عقلی طور پر یہ کہہ دینا کہ سو سال تک وہاں کوئی نہ گیا ہو اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی ہو، کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ تاریخی حقائق کے لئے محض عقلی موشگافیاں ناکافی ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت عزیر (علیہ السلام) نے راہ میں ایک شہر دیکھا۔ ویران اس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیونکہ حق تعالیٰ اُن کو جلا دے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اُسی جگہ اُن کی رُوح قبض ہوئی اور اُن کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو برس تک اُسی حالت میں رہے اور کسی نے نہ اُن کو وہاں آ کر دیکھا نہ اُن کو خبر ہوئی۔'' (حاشیہ قرآن کریم ص ۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ سو سال کے عرصہ تک اُن کے پاس سرے سے کوئی گیا ہی نہیں تھا اَور نہ کسی کو اُن کی خبر ہوئی تھی تو پھر سلام و کلام کرنے نہ کرنے اَور سننے نہ سننے کا کیا معنٰی؟ اور انکارِ سماع موتی کا کیا مطلب؟ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ: ''رہی یہ بات کہ جب دُوسروں نے دیکھا نہیں۔'' تو لوگوں کے لئے نمونہ قدرت کس طرح ہوگا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرائن خارجیہ قطعیہ سے ان کا صدق بیان لوگوں کو بطور علم ضروری کے معلوم ہو جاوے گا جیسا کہ خود ان کو ایسے ہی قرائن سے نیز اپنا مُردہ رہنا مدت طویل تک معلوم ہو گیا۔'' واللہ تعالیٰ اعلم! (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۵)

اِس سے بھی معلوم ہوا کہ نہ کوئی ان کے پاس گیا اور نہ اُن کو دیکھا۔

ثالثاً: اس واقعہ سے جو کچھ ثابت ہے وہ صرف اِس قدر ہے کہ بَرزخ میں رہنے کی مدت کا احساس نہیں ہو سکتا اَور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وقت کتنا گزرا اور اس کا عدم سماع موتی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس واقعہ کے فوائد میں لکھتے ہیں کہ: ''پانچویں بعد بعث کے بَرزخ میں رہنے کی مدت معلوم نہ ہونا ''انّٰی ان قال'' اور پانچویں اَمر کی نظیر اُن کا جواب ''یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ'' کہنا جیسا کہ بعینہٖ یہی جواب بعض اہلِ محشر دیں گے۔'' (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۵)

یہ بالکل صاف عبارت ہے کہ برزخ کی مدت معلوم نہیں ہو سکتی۔

لطیفہ: راقم الحروف نے ''تسکین الصدور'' میں نہایت اختصار کے ساتھ حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ سے عدم سماع موتی پر استدلال کرنے والوں کا جواب عرض کیا تھا۔ اس جواب سے مؤلف ''تسکین القلوب''

خاصے پریشان اور برہم ہوئے ہیں اور راقم کی تردید میں جو کچھ اُنہوں نے لکھا ہے اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اپنے حالات کا علم نہ ہو سکا جو حضوری ہے تو غیروں کے حالات و اقوال کا علم کیسے ہو گیا جو علم حصولی ہے؟ اور نیز لکھتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام خوشی میں انہماک کے باعث اپنے ذاتی حالات سے تو بے خبر ہو گئے اور باقی سب کچھ دیکھ سُن رہے ہیں۔'' (تسکین القلوب ص ۵۵، ۵۶ ملخصاً)

الجواب: موصوف نے یہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہے صرف مناظرانہ دفع الوقتی ہے اس کے سواء کچھ نہیں۔ ایک تو اس لئے کہ ہم نے یہ دعویٰ تو نہیں کیا کہ غیروں کے سب حالات کا ان کو علم ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ اور سُن سکتے ہیں۔ خویش اقارب[1] کے بعض اعمال کا علم اقارب پر عرضِ اعمال کی حدیث کے پیش نظر قابل انکار نہیں۔ باقی سب حالات اور اعمال کا علم بجز پروردگار کے اور کسی کے نہیں ہے اور سننے کا دعویٰ بھی عند القبر اور نزدیک سے ہے۔ دُور دراز سے سُننے کا دعویٰ بھی نہیں ہے۔ موصوف نے بلاوجہ موجبہ کُلیہ کا سور داخل کر کے تعمیم پیدا کر کے کوشنے کی ناکام کوشش فرمائی ہے اور باقی سب کچھ دیکھ سُن رہے ہیں۔'' اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا سوال حضرت عزیر علیہ السلام سے ان کے ذاتی حالات وصفات کے متعلق نہیں تھا تا کہ علم حضوری اور علم حصولی کی منطقیانہ بحث یہاں چل نکلے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے كَمْ لَبِثْتَ ارشاد فرما کر زمانہ کی تعیین و توقیت دریافت فرمائی ہے اور زمانہ و وقت نہ تو انسان کے ذاتی حالات میں داخل ہے نہ صفات میں بلکہ ظرف ہے اور الگ مقولہ ہے۔ اگر زمانہ انسان کے ذاتی اور صفاتی حالات میں داخل ہوتا تو حشر کے دن قبور سے نکلنے کے بعد ہر ایک کو دُنیا یا قبر اور برزخ میں اپنے ٹھہرنے کا صحیح اور ٹھیک وقت معلوم ہوتا اور وہ ایک دُوسرے کو یا فرشتوں کو جواب دیتے اور بتاتے ہوئے یہ مختلف تعبیریں نہ کرتے۔ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا۔ (تم نہیں ٹھہرے مگر صرف ایک دن) اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۔ (تم نہیں ٹھہرے مگر دس دن) ''كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا'' (گویا کہ وہ جس دن قیامت کو دیکھ لیں گے یوں

---

[1] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے اقارب پر ان کی قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر عمل اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر دُوسری مد کے ہوتے ہیں تو وہ اُن کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ (محصلہ مسند ابوداود طیالسی ص ۲۴۸) اور اسی مضمون کی روایت حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵) اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زندوں کے اعمال اُن کے مُردہ خویش و اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں اور وہ اُن کے لئے دُعا بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب (شرح الصدور ص ۱۱۰، فی احوال الموتیٰ والقبور) میں لکھا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت اُنس رضی اللہ عنہ کے طریق سے سند کے ساتھ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ بے شک تمہارے اعمال تمہارے اقارب اور تمہارے خاندان کے لوگوں پر، جو مر چکے ہوتے ہیں، پیش کئے جاتے ہیں۔ سو اگر عمل اچھا ہو تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر عمل بُرا ہو تو کہتے ہیں اے پروردگار تو ان کو ہدایت دیئے بغیر نہ مار (ماتہ مسائل ص ۳۸) اور اسی مضمون کی ایک مرفوع روایت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے اور ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ایک عبد الغفور عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً مروی ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۱۰) اور حضرت ابو اَیوب انصاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۷) خویش و اقارب پر عرض اعمال کی ایک حدیث امام الطائفہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳۲ھ) (عوارف المعارف علی الاحیاء ج ۴ ص ۱۵۳) میں اور ایک حدیث امام غزالی رحمہ اللہ ''(احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۱۲) میں پیش کر کے ان سے عرض اعمال پر استدلال کرتے ہیں۔ اصل عبارت تسکین الصدور میں ملاحظہ کریں۔ الغرض یہ جملہ روایات مل جل کر اس فروعی مسئلہ کے اثبات کے لئے کافی ہیں۔ ''وفيها كفاية لمن له هداية''

سمجھیں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کا پچھلا یا پہلا حصہ ''کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَایُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ '' (گویا کہ وہ جس دن اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ اُن سے کیا جا رہا ہے، ایسا خیال کریں گے کہ وہ دن کا صرف ایک گھنٹہ ٹھہرے ہیں) علاوہ ازیں اگر وقت اور زمانہ انسان کی ذات وصفات میں داخل ہوتا تو ہر آدمی کو اپنی تاریخ پیدائش، عمر اور زندگی کے دُوسرے واقعات تاریخ وار معلوم ہوتے اور ایسے حالات میں لوگ ظن اور تخمینہ سے ہرگز کام نہ لیتے۔ حالانکہ بجز اُن لوگوں کے جن کے حافظے بڑے قوی ہوتے ہیں یا وہ لوگ جن کے پاس تاریخ ولادت اور زندگی کے اہم واقعات لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور کوئی شخص اپنی عمر یا زندگی کے واقعات زمانہ اور وقت کی تعیین وتحدید کے ساتھ نہیں بتا سکتا اور نہ لوگ اپنی صُلبی اُولاد اور قریب ترین رشتہ داروں عزیزوں کی عمریں صحیح صحیح بتا سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ اُنہی کے ہاں اور اُن کے سامنے پیدا ہوئے ہوتے ہیں اگر وقت اور زمانہ علم حضوری میں داخل ہوتا تو پھر بلا تامّل ہر شخص متعین طور پر یہ اُمور بتا سکتا اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے تو کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ وقت اور زمانہ انسان کی ذات وصفات میں داخل ہو کر علم حضوری بن گیا؟

مشہور ومحقق مُلّا جلال الدین الدوانی رحمہ اللہ (المتوفی ۹۲۸ھ) لکھتے ہیں: ''و علمها بذاتها و صفاتها علم حضوری کما بَیَّنَ فی موضعه'' (ملا جلال ص ۹۰)

''اور نفس کا اپنی ذات وصفات کے بارے میں علم، علم حضوری ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔''

اور اس کے شارح میر زاہد بن محمد المسلم (المتوفی ۱۱۰۱ھ) لکھتے ہیں کہ: ''قد اشتهر فیما بین القوم ان علم النفس بذاتها و صفاتها علم حضوری'' (میر زاہد ص ۸۸)

(منطقیوں کی) قوم میں یہ بات مشہور ہے کہ نفس کا اپنی ذات وصفات کے متعلق علم، علم حضوری ہوتا ہے۔

الحاصل نفس کا اپنی ذات وصفات کے بارے میں علم بلاشبہ علم حضوری ہوتا ہے مگر وقت اور زمانہ نہ انسان کی ذات ہے نہ اس کی صفت ہے۔ اس لئے غیر متعلق بحث کو درمیان میں لاکر گلو خلاصی نہیں کی جاسکتی۔

وثالثاً: اہل السنت والجماعت کا سماع موتی کے بارے میں اختلاف جس طرز کا بھی ہے، عام موتی کے بارے میں ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں نہیں ہے۔ اس میں سب متفق ہیں کہ وہ قریب سے سنتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی یہ عبارت پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ: ''مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹)

جب حضرت عزیر علیہ السلام نبی ہیں تو پھر ان کے عدمِ سماع کا کیا معنیٰ؟

اصحاب کہف کا واقعہ

اس وقت کے وہ حضرات جو عدمِ سماعِ موتی کے قائل ہیں وہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی استدلال کیا کرتے ہیں بلکہ اس پر خاصا زور دیتے ہیں کیونکہ ان کے واقعہ میں بھی یہ آتا ہے کہ جب وہ تین سونو (۳۰۹) سال گزار کر نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے آپس میں ایک دُوسرے سے سوال کیا ''کَمْ لَبِثْتُمْ'' تم کتنا عرصہ یہاں ٹھہرے ہو؟ جواب دینے والوں نے کہا: ''لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ'' کہ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ جب نیند میں جب کہ رُوح بھی کلی طور پر بدن میں ہوتی ہے ان کو وقت کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا اور باہر کی دُنیا کا اُن کو

علم نہ ہوسکا تو بھلا مُردے کیونکر باہر کی بات کو سنتے ہیں؟ مگر یہ ان حضرات کا بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ نیند کی حالت میں ادراک وشعور ایک گونہ معطل ہو جاتا ہے اور انسان بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیند کی حالت میں طلاق وعتاق اور اسلام وردت وغیرہ کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا اور قبر میں اعادۂ رُوح کے بعد میت کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ میت میں ادراک وشعور اور علم باقاعدہ ہوتا ہے اور اسی بناء پر جب نکیرین سوال کرتے ہیں اور مُردہ اس کا جواب دیتا ہے تو اس کے جواب کا باقاعدہ اعتبار ہوتا ہے اور امتحان میں اس کی کامیابی یا ناکامی پر اُسے جزا وسزا ملتی ہے اَور اُسے اسی اِدراک وشعور کے ساتھ راحت وکُلفت محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے مُردے کا سونے والے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ لہٰذا اصحابِ کہف کے واقعہ سے بھی عدم سماعِ موتی کا مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور نہ حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ میں سے کسی نے اس سے اس پر استدلال کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس واقعہ سے بھی صرف اس قدر ثابت ہے کہ ان کو اپنے رہنے کی مدت اور زمانہ معلوم نہ تھا اَور آج بھی سونے والوں کو سونے کا صحیح وقت اور کئی لوگوں کو اپنی عُمروں کا متعین وقت معلوم نہیں ہوتا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ نہیں سنتے۔

عدم سماعِ موتی اَور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ فتاویٰ غرائب (یا الغرائب فی تحقیق المذاہب) میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نیک اور بزرگ لوگوں کی قبروں پر جاتا اور اُن کو سلام کہتا اور ان سے مخاطب ہو کر ان سے باتیں کرتا اور ان سے کہتا۔ اے اہلِ قبور کیا تمہیں کوئی خبر ہے یا کوئی علامت ہے۔ میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آرہا ہوں اور تمہیں پکار پکار کر کہہ رہا ہوں اور یہ سوال کرتا ہوں کہ تم میرے لئے دُعا کرو۔ کیا تمہیں کچھ پتہ چلا یا تم بے خبر ہی رہے؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے فرمایا کہ کیا انہوں نے تجھے کوئی جواب دیا؟ اس شخص نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے دُوری ہو اور تُو ذلیل وخوار ہو تو ایسے اجسام سے باتیں کرتا ہے جو نہ تو جواب دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ان کو کسی چیز کا اختیار ہے اور ''نہ کوئی آواز ہی سن سکتے ہیں'' اور پھر آپ نے بطور استدلال یہ آیت کریمہ پڑھی: ''وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ '' (محصلہ تفہیم المسائل لمولانا بشیر الدین قنوجی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۲ اور یہ حوالہ تحریرات حدیث ص ۲۰۶ اور شفاء الصدور ص ۴۴ واقامۃ البرہان ص ۷۹ وغیرہ کتابوں میں بھی ذکر کیا گیا ہے)

الجواب: یہاں چند اُمور قابل توجہ ہیں۔

(۱) اَوّل قاضی بشیر الدین قنوجی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب اور اُستاد نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد تھے۔ سب سے پہلے اس حوالہ کا ماخذ ہماری معلومات کی بناء پر انہی کی کتاب ہے۔ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ میں سے مسئلہ سماعِ موتی کے مثبت اور منفی پہلو میں نہ تو متقدمین حضرات کو یہ حوالہ دستیاب ہوا ہے اور نہ متاخرین کو اور ہماری دانست میں کسی معتبر حنفی فقیہ نے ان سے پہلے اس کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر ہے۔ ''مَنْ ادعٰی خلافه فعلیه البیان بالبرھان''

دوم: یہ فتاویٰ غرائب کس کی تالیف ہے؟ اور اس کے مصنف کون تھے؟ اور کس مسلک سے تعلق رکھتے تھے؟ اور یہ کس زمانہ کی تالیف ہے؟ اور فقہاء احناف اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس کے مصنف اور کتاب کا کیا پایہ ہے؟

سوم: ایسی غیر متعارف اور مجہول کتاب کے حوالہ کا صریح اور صحیح احادیث اور جمہور اُمت کے واضح اقوال کے مقابلہ میں کیا وقعت اور اعتبار ہو سکتا ہے؟

حضرت مُلّا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''قلت و من القواعد الکلیة ان نقل الاحادیث النبویة والمسائل الفقهیة والتفاسیر القرآنیة لا یجوز الا من الکتب المتداولة لعدم الاعتماد علٰی غیرها من وضع الزنادقة والحاق الملاحدة بخلاف الکُتب المحفوظة فان نسخها تکون صحیحة متعددة'' (موضوعات کبیر ص ۱۰۴، ۱۰۵، وبوادر النوادر ص ۵۰۹)

''میں کہتا ہوں کہ قواعد کلیہ میں سے یہ بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث اور فقہی مسائل اور قرآنِ کریم کی تفاسیر کا نقل کرنا جائز ہے مگر صرف ان کتابوں سے جو متداول ہیں کیونکہ دوسری کتابوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں زندیقوں کی جعل سازی اور ملحدوں کا الحاق شامل ہو بخلاف محفوظ کتابوں کے، کیونکہ ان کے نسخے صحیح اور متعدد ہوتے ہیں۔ (اور ان میں قطع و برید کا موقع جعل سازوں کو نہیں مِل سکتا)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ فقہی مسائل کا غیر متداول اور مجہول کتابوں سے نقل کرنا سرے سے جائز ہی نہیں ہے۔

مولانا عبد الحئی لکھنؤی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں کہ: ''صرح فی فتح القدیر من باب القضاء انه لا یحل النقل من الکتب الغریبة'' (الفوائد البهیة ص ۱۹۰، طبع مصری)

''فتح القدیر کے باب القضاء میں تصریح موجود ہے کہ کتب غریبہ سے نقل کرنا حلال اور جائز نہیں ہے۔''

حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ کی عبارت یوں ہے: ''و طریق نقله لذلک عن المجتهد احد امرین اما ان یکون له فیه سند الیه او یأخذه من کتاب معروف تداولته الایدی نحو کتب محمد بن الحسن رحمہ اللہ ونحوها من التصانیف المهشورة للمجتهدین لانه بمنزلة الخبر المتواتر عنهم او المشهور هکذا ذکر الرازی رحمہ اللہ فعلٰی هذا لو وجدنا بعض نسخ النوادر فی زماننا لا یحل عزو ما فیها الٰی محمد رحمہ اللہ ولا الٰی ابی یوسف رحمہ اللہ لانها لم تشتهر فی عصرنا فی دیارنا ولم تتداوَل نعم اذا وجد النقل عن النوادر مثلاً فی کتاب مشهور معروف کالهدایة والمبسوط کان ذٰلک تحویلاً علٰی ذٰلک الکتاب''

(فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۶ طبع ہند، ج ۵ ص ۵۶۴ طبع مصر)

''کہ قاضی کے مجتہد سے مسئلہ نقل کرنے کے سلسلہ میں دو طریقوں میں سے ایک ہونا چاہئے۔ یا تو مجتہد تک سند کے ساتھ یہ سلسلہ پہنچے اور یا کسی ایسی معروف کتاب سے نقل کرے جو ہاتھوں میں متداول رہی ہو۔ جیسے حضرت محمد بن الحسن رحمہ اللہ کی کتابیں اور ان کی مانند مجتہدین کی اور مشہور کتابیں کیونکہ یہ ان سے بمنزلہ خبر متواتر یا مشہور کے منقول ہیں۔ اسی طرح امام (ابو بکر الجصاص) رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ سو اس تحقیق کے پیشِ نظر اگر ہمارے زمانہ میں کوئی چیز نادر کتابوں کے بعض نسخوں میں پائی گئی تو نہ ان سے نقل کرنا جائز ہے اور نہ اس کی نسبت حضرت امام محمد رحمہ اللہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی طرف کرنی جائز ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں ہمارے علاقہ کے اندر ان نادر کتابوں کی شہرت نہیں ہے اور نہ یہ متداول ہیں۔ ہاں! اگر نادر کتابوں سے نقل کسی مشہور اور معروف کتاب میں ہو۔ مثلاً ہدایہ اور مبسوط وغیرہ تو اس نقل کا اعتبار اس مشہور اور معروف کتاب کی وجہ سے ہوگا۔''

اگر حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ کے دور میں اور ان کے علاقہ میں جو علم و عرفان کا دور اور فقہ کا گہوارہ تھا، نادر کتابوں کی نقل کا اعتبار نہیں ہوسکتا تو آج اُن سے نقل کئے ہوئے مسئلہ کو کون تسلیم کرتا ہے؟

یہ پوری عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۳، صفحہ ۳۸۷ طبع مصر میں بھی موجود ہے اور اس کے آخر میں ہے کذا فی البحر الرائق یعنی اسی طرح البحر الرائق میں ہے۔ الغرض فتح القدیر، البحر الرائق اور عالمگیری وغیرہ تمام معتبر کتابوں میں یہ عبارت اس اَمر کو واضح سے واضح تر کرتی ہے کہ نادر کتابوں کے حوالہ سے کوئی مسئلہ حضرات ائمہ کرام رحمہم اللہ کی طرف نسبت نہیں کیا جاسکتا۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ، علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''لا تجوز الفتوٰی من التصانیف الغیر المشھورۃ'' (مقدمۂ عمدۃ الرعایۃ ص ۱۱)

''غیر مشہور تصانیف سے فتویٰ جائز نہیں ہے۔''

اَور فتاویٰ غرائب کے اس حوالہ کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟

(۴) چہارم: پہلے یہ بات باحوالہ گزر چکی ہے کہ حضرت مُلاّ علی القاری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور (نیز آپ کے مایہ ناز شاگردوں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ وغیرہ) سے عدم سماع موتی کے بارے میں قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے اور حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

الجواب: مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اَور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اَوّل زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب رحمہ اللہ سے آئی ہیں، شاذ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم! (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۹۳)

گویا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی فتاویٰ غرائب کا یہ حوالہ شاذ ہے جو قابلِ اعتبار نہیں ہے اور سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''سماعِ موتی'' میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے۔ بہت سے ائمہ سماعِ موتی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل (مسئلہ یمین جس کی بحث آرہی ہے) ایسے مذکور ہیں جن سے عدم سماع معلوم ہوتا ہے مگر امام صاحب سے کوئی تصریح اس بارہ میں نہیں نقل کرتے۔'' (فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۴۶۱ طبع دیوبند)

ان تمام جان دار اور شان دار حوالوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ فتاویٰ غرائب کے اس حوالہ کا حضرت امام صاحب رحمہ اللہ سے قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ حوالہ بالکل اس کا مصداق ہے کہ ؂

یہ ہوائی کسی دُشمن نے اُڑائی ہو گی

اَور خود مؤلف ''شفاء الصدور'' کو اس کا اقرار ہے کہ جو روایت اُصول کے خلاف ہو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''اور مناقضۃ الاصول کا مفہوم یہ ہے۔ اسلامی دفاتر اور مسند احادیث اور مشہور کتب سے خارج ہو۔'' (بلفظہٖ ص ۸۷)

مؤلف مذکور کا حضرت امام صاحب رحمہ اللہ پر خالص بہتان

مؤلف مذکور نے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ مسلک بتایا ہے کہ: ''مُردے بلا استثناء انبیاء کرام علیہم السلام نہیں سنتے۔'' (ندائے حق ص ۳۲۰) مؤلف مذکور اپنی پوری جماعت کے ساتھ مل کر بھی قیامت تک صراحت کے ساتھ کسی معتبر حوالہ سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع کے منکر تھے۔ (دیدہ باید)

دیدہ دلیری اور قبل از وقت واویلا

''مؤلف ''ندائے حق'' بزعم خویش حضرت بہلول رحمہ اللہ اور شیخ چلی کی طرح ''خیر القرون'' کے حضرات سے عدم سماع موتی پر اتفاق ثابت کر چکنے کے بعد یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔ ''خیر القرون کے بعد کا عہد'' اور پھر لکھتے ہیں کہ: ''اَوراق سابقہ میں سمجھ لیا ہوگا کہ دعویٰ صاحبِ تسکین کہ سماع موتی پر سلف کا اجماع ہے، صحیح نہیں اور سلف کا اطلاق صحابہ رضی اللہ عنہم پر آتا ہے اور بعض نے توسیع کر کے خیر القرون پر بھی سلف کا اطلاق کیا۔ جس کی خیریت کی شہادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اب ہوسکتا ہے کہ کوئی کہے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے یہ مسئلہ مختلف فیہا رہا ہو، بعد کے علماء نے سماع پر اجماع کر لیا ہو۔ اَوّل تو یہ وہم ہے سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا قطعاً نہ تھا۔ (شاباش نیلوی صاحب۔ صفدر) (ومن ادعٰی فعلیہ البیان بالادلۃ دون اقوال من بعدھم بلا برھان بلفظہٖ ص ۱۵۳)

اس کے بعد انہوں نے ستر بزرگوں کے نام ذکر کئے جن میں صاحب فتح القدیر، ابن قیم، ابن تیمیہ، صاحب تفسیر ابن کثیر، صاحب تفسیر مظہری، صاحب تفسیر رُوح المعانی، شاہ محمد اسحاق، قاضی خان، طحطاوی، صاحب ردالمختار، صاحب فتاوٰی عالمگیریہ رحمہم اللہ (مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہئے کہ فتاوٰی عالمگیریہ کو تقریباً پانچ صد جید علماء کرام کی کمیٹی نے مرتب کیا ہے۔ اس کے مرتب، صاحب نہیں اصحاب ہیں۔ صفدرؔ) تھانوی، مُلّا علی قاری، شاہ عبدالقادر، بحر العلوم، عبدالحیٔ، محمد قاسم نانوتوی، حسین احمد مدنی وغیرہ (رحمہم اللہ) حضرات کے نام لئے۔ پھر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تمام قبروں میں پڑے ہوئے دھڑوں کے سننے کے قائل نہیں اَور جن علماء کے اقوال آپ کے ذہن میں ہیں یا آپ ان کو اپنی تحقیق انیق اور بڑی کاوش سے جمع کر کے منصۂ شہود پر لانے والے ہیں، وہ آپ کو کسی طرح سُود مند نہیں۔ اس کا جواب کتاب شائع ہونے سے پہلے ہی سُن لیں اور اپنی کتاب میں اس بات کا جواب ضرور دیں وَرنہ آپ کی کتاب ناقص تصور ہوگی۔ بات یہ ہے کہ سماع موتی میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جس کے حل کے لئے دلائل اور نظر وفکر کی ضرورت ہو۔ مسئلہ اپنے مقام پر بالکل بدیہی ہے۔ عرفاً، شرعاً، ظاہراً و باطناً اور دراصل جس بات میں حنفیہ وشوافع کا باہمی اختلاف ہے وہ سماع رُوحانی میں ہے نہ کہ قبروں میں پڑے ہوئے دَھڑوں کے سننے نہ سننے میں (بلفظہٖ ص ۱۵۳، ۱۵۴) اس کے بعد انہوں نے (ص ۱۵۴) میں حضرت تھانوی، علامہ آلوسی، شاہ عبدالقادر، مولانا عثمانی، مولانا سید انور شاہ صاحب اور مولانا مدنی رحمہم اللہ کی بعض اُدھوری اور مجمل عبارتیں نقل کی ہیں جن میں رُوح کے سننے کا ذکر ہے۔ (محصلہ) اور ایسا ہی انہوں نے (شفاء الصدور ص ۷۰، ۷۱) میں لکھا ہے۔

''الجواب: قارئین کرام! آپ مؤلف مذکور کی اس عبارت کو سرسری طور پر پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ آیا اس میں اُنہوں نے کوئی ٹھکانے کی بات کی ہے؟ پہلے تو وہ لکھتے ہیں کہ سلف میں یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ تھا، قطعاً نہ تھا اور

پھر آگے لکھتے ہیں کہ سماع موتی میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ معلوم نہیں کہ ان کی کون سی بات صحیح ہے پہلے آپ ٹھوس حوالوں سے پڑھ چکے ہیں کہ یہ مسئلہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تا ہنوز مختلف فیہا ہے۔ اور پھر آگے جن بزرگوں کے نام دیئے ہیں ان میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عبارت میں رُوح کے سننے کا اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کی عبارت میں رُوح کے سننے اور دھڑ کے نہ سننے کا اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کی عبارت میں سماع رُوحانی کا ذکر ہے۔ باقی کسی کی عبارت میں اس کی تصریح موجود نہیں کہ رُوح سنتی ہے اور دھڑ نہیں سنتا۔ یہ تمام اکابر رُوح اور جسم دونوں کے تعلق سے سماع کے قائل ہیں۔ یہ مؤلف مذکور کی کیسی اور کتنی دیدہ دلیری ہے کہ وہ ان اکابر پر غلط الزام لگا رہے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عبارتیں اپنے مقام پر آرہی ہیں اِن شاء اللہ تعالیٰ اور پھر مؤلف مذکور نے ہماری کتاب کے طبع ہونے سے قبل ہی واویلا شروع کر دیا ہے کہ تمہارے ذہن میں یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ ہم اس کا جواب قبل از وقت ہی دے دیتے ہیں۔ نیلوی صاحب آپ اتنے پریشان اور خوف زدہ کیوں ہیں؟ اِن شاء اللہ تعالیٰ ہم طبع دوم میں اس مسئلہ کی مزید تشریح کریں گے۔ سرِ دست نقد طور پر آپ اس کتاب میں ضروری مواد تو پڑھ لیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اور علماءِ ملت کیا فرماتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ قبر اور برزخ کی زندگی پر بحث کرتے ہوئے طویل بحث میں یہ بھی لکھتے ہیں:

(۱) ''پس یہ اَمر کہ اَرواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہے اِس چشم سے لینا چاہئے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودۂ خاک سے اَرواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اَور ''السلام علیکم یا اھل القبور'' کہنے سے جواب ملتا ہے۔'' (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۲۶، طبع دیوبند)

(۲) ''غرض رُوح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے۔ اَرواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لئے ایک مقام ملتا ہے۔'' (ایضاً ص ۳۲۷)

(۳) ''اِسی طرح بلا شبہ مَرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی رُوح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی رُوح علیین میں ہوتی ہے اور بدوں کی سجّین میں۔ لیکن رُوحوں کا رُوحانی تعلق ابدان کے ذرّات کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلا دیں۔ خواہ وہ ڈوب جائے۔ ذرّے ذرّے کے ساتھ رُوح کا تعلق (بالاتر از فہم) رہتا ہے۔ اس کی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی رُوح کا تعلق باوجود علیین و سجّین کے تعلق بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس دُنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔'' (ص ۳۲۷، ۳۲۸)

حضرات کی ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رُوح کے بدن عنصری (کیونکہ ذرّہ ذرّہ بھی بدن ہوتا ہے جسم مثالی تو ذرّہ ذرّہ نہیں ہوتا) کے تعلق کے ساتھ مُردہ قبر میں سلام سُنتا اور اس کا جواب دیتا ہے۔ ہاں! رُوح کا ایک تعلق بدن سے وہ تھا جو دُنیوی زندگی میں تدبیر اور نشو ونما کا تھا، برزخ اور قبر میں یہ تعلق نہیں ہوتا۔ صرف رُوحانی تعلق ہوتا ہے جو ادراک وشعور اور سماع وغیرہ میں منحصر رہتا ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارہ میں مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے، مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرورِ کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ کے توسّل کی غرض سے ہونی چاہئے۔ آپ کی حیات نہ صرف رُوحانی ہے جو کہ عام مؤمنین وشہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیاتِ دُنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ آپ سے توسّل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوبِ حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ سے اور وسیلہ سے ہوسکتی ہے۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام ج اوّل ص ۱۱۹، ۱۲۰)

اور (ج ا ص ۳۱۲) میں فرماتے ہیں: ''حاضری روضۂ مبارک کے وقت آنحضرت علیہ السلام کی رُوح پُرفتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی جاننے والی غایت جمال وجلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہِ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے۔''

حضرت کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ سماع صرف رُوحانی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ جن لوگوں نے حضرت کی عبارات میں سے صرف رُوحانی کا لفظ پلّے باندھ لیا ہے (جیسے مؤلف ندائے حق وغیرہ) تو ان کا نظریہ درست نہیں ہے۔ ان پر اخلاقی طور پر یہ لازم ہے کہ حضرت کی تمام عبارات کو پیش نظر رکھ کر ان کا مطلب لیں۔

فقہی دلیل

حضرات منکرین سماع ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں جو کُتب فقہ وفتاویٰ میں موجود ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم اُٹھائی کہ میں فلاں سے کلام اور گفتگو نہیں کروں گا اور وہ شخص فوت ہوگیا اور قسم اُٹھانے والے نے اس کی قبر پر جا کر اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔

''لان الموتٰی لا یسمعون'' کیونکہ مُردے نہیں سنتے۔

اس جزئی کی فقہی عبارات کو نہایت اختصار کے ساتھ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: سوال بست و ششم سماعت موتٰی کلام احیاء سوائے سلام در شرع جائز است یا گناہ؟ کدام گناہ؟

''چھبیسواں سوال: سلام کے بغیر مُردوں کا زندوں کے کلام کا شرعاً سننا کیسا ہے؟ جائز ہے یا گناہ؟ اور گناہ کیسا ہے؟

جواب: عادت و تکیہ سائل است در ہر جامی پُرسد جائز است یا گناہ؟ کدام گناہ؟ بنا بر تکیہ کلام خود نیز ایں جامی پُرسد کہ جائز است یا گناہ؟ و اِلّا ایں مقام پُرسیدن بایں عبارت نمی سزد زیرا کہ جواز و گُناہ در اَفعال و اعمال می شود و ایں متعلق اخبار است کہ ایں اَمر ثابت است یا نہ پس جواب ایں است کہ نزد اکثر حنفیہ سماعت موتٰی ثابت نیست چنانچہ از کافی شرح وافی و فتح القدیر حاشیہ

هدایه صراحةً و اشارةً که قریب بتصریح است و از مستخلص شرح کنز و عینی شرح کنز و کفایه شرح هدایه معلوم می شود چنانچه عبارات آنهاں مرقوم می شود و در دیگر کتب هم موجود بنا پر طول عبارت بر نقل عبارت ایں پنج کُتب اکتفاء نموده شد'' (مائۃ مسائل ص۴۶)

''الجواب: سائل کی عادت اور تکیہ کلام یہ ہے کہ وہ ہر جگہ یہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا گناہ؟ اور گناہ ہے تو کیسا؟ اپنے اسی تکیۂ کلام کی وجہ سے یہاں بھی وہ پوچھتا ہے کہ جائز ہے یا گناہ؟ ورنہ اس مقام میں اس طرح پوچھنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ جواز اور گناہ افعال اُور اعمال میں ہوتا ہے اور یہ سوال اخبار کے متعلق ہے کہ یہ معاملہ ثابت ہے یا نہ۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر احناف کے نزدیک سماع موتیٰ ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ کافی شرح وافی اُور فتح القدیر حاشیۂ ہدایہ میں صراحۃً اُور اشارۃً جو تصریح کے قریب ہے اُور مستخلص شرح کنز اور عینی شرح کنز اُور کفایہ شرح ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی عبارات لکھی جا رہی ہیں اُور دُوسری کتابوں میں بھی یہ موجود ہے مگر طوالت کے ڈر سے صرف ان پانچ کتابوں کی عبارت کے نقل پر ہم اکتفاء کرتے ہیں۔''

اِس کے بعد انہوں نے ص ۴۶ سے ص ۵۳ تک ان کتابوں کی وہ تفصیلی عبارتیں نقل کی ہیں جو قَسم اور یمین کے مسئلہ سے متعلق ہیں اور بظاہر عدم سماعِ موتیٰ پر دال ہیں۔

الجواب: حضرات مجوّزین سماعِ موتیٰ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں جیسا کہ حضرت مُلّا علی القاری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سید اَنور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ قَسم کا مدار عُرف پر ہے اور عُرف عام میں لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔ (یعنی ان کے سننے کا کوئی فائدہ مرتّب نہیں ہوتا۔ کیونکہ تکلیفی زندگی باقی نہیں رہتی) اس لئے قَسم اُٹھانے والا باوجود کلام کرنے کے حانث نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''و انما حکموا فی الحلف بالضرب و الکلام و الدخول علیه و نحوها بعدم الحنث عند وجود هذه الاشیاء بالمیّت لکون الایمان مبنیة علی العرف و العرف قاض علی ان هذه الامور یراد بها ارتباطها ما دام الحیوة لا بعد الموت فالکلام بالمیّت و ان کان کلامًا حقیقةً و یوجد فیه الاسماع و الافهاء لٰکن العرف یحکم بان المراد فی قوله لا ...... هو الکلام حالة حیات'' (عمدۃ الرعایہ ج ۲ ص ۲۵۴)

''مشائخ نے میّت کو مارنے اس سے کلام کرنے اُور اس کے پاس جانے وغیرہ اُمور میں عدم حِنث کا حکم کیا ہے کیونکہ قَسموں کا مبنیٰ عُرف ہے اور عُرف یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ان اُمور کا ارتباط زندگی تک ہے بعد الموت نہیں۔ پس میّت سے کلام اگرچہ حقیقۃً کلام ہے اُور اس میں اسماع اُور افہام پایا جاتا ہے لیکن عُرف یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس عدم تکلّم سے حالتِ حیات میں عدم تکلّم مُراد ہے۔

اُور حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں: ''و اما مسألة الایمان التی ذکرها الشیخ ابن الهمام رحمہ اللہ فبنی الایمان علی العرف فاذا حلف احد انه لا یکلم فلانًا فلا یفهم منه اهل العرف الا التکلیم فی حالة الحیوة فلا یحنث بتکلیمه میتًا و الله تعالٰی اعلم'' (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

''بہرحال! قَسم کا مسئلہ جس کو شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے (تو اس کا جواب یہ ہے کہ) قسموں کا مبنیٰ عُرف پر ہوتا ہے۔ سو جب کوئی شخص یہ قَسم اُٹھائے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا تو اس سے اہلِ عُرف یہی سمجھتے ہیں

کہ زندگی کی حالت میں کلام کرنا مراد ہے لہٰذا مردہ کے ساتھ کلام کرنے کی وجہ سے وہ حانث نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

اس سے معلوم ہوا کہ عرف عام میں کلام کرنے نہ کرنے کا تعلق زندوں سے ہوتا ہے جس پر عادۃً کوئی اثر اور نتیجہ مرتب ہو اور کلام کرنے والا مخاطب کی گفتگو سے بھی فائدہ اُٹھا سکے اور اس کے ہاں یا نہیں اور رضا اور عدم رضا سے آگاہ اور واقف ہو سکے اور مُردہ چونکہ مکلف نہیں اَور عادۃً اس کی آواز بھی نہیں سُنی جا سکتی۔ اس لئے عرف عام کے لحاظ سے مُردہ سے وہ کلام نہیں جو زندہ سے تھا۔ لہٰذا متکلم اور حالف اس سے حانث نہ ہوگا۔

علامہ داود بن سلیمان البغدادی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "فقال المحقق الشیخ علی القاری الحنفی فی شرح المشکوٰۃ فی شرح حدیث اھل القلیب اقول ھذا منھم مبنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلا یلزم منه نفی حقیقة السماع کما قالوا فیمن حلف لا یأکل اللحم و اکل السمک مع انه تعالیٰ سماه لحمًا طریا" اقول و ھذا کذٰلک فان من حلف لا یکلم زیدًا و کان میتًا فکلمه لا یحنث لان التکلم المراد منه المتعارف الذی یکون فیه محاورة باخذ الکلام و ردّہ و لما کان المیت یسمع و لا یرد رَدًّا متعارفا بل رَدًّا نؤمن به و لا نسمعه غلبا لم یحصل حقیقة التکلم العرفی فلھذا قالوا الا یسمع لا لِاَن المیت لا یسمع"

(المنحة الوھبیة ص ۱۰)

"محقق الشیخ ملا علی القاری رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ کی شرح میں حدیث اہل قلیب یعنی وہ کنواں جس میں مقتولین بدر کو پھینکا گیا تھا) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کا یہ ارشاد اس بات پر مبنی ہے کہ قسموں کا مدار عُرف پر ہے سو اس سے حقیقتِ سماع کی نفی لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ اُنہوں نے کہا ہے کہ جس نے یہ قسم اُٹھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا اور اُس نے مچھلی کھالی تو وہ حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُس پر لَحمًا طَرِیًا (تازہ گوشت) کا لفظ اطلاق فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اسی طرح ہے جس نے قسم اُٹھائی کہ وہ زید سے بات نہیں کرے گا اور زید مَر چکا ہے اَور اُس نے اُس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔ کیوں تکلم سے مُراد وہ متعارف کلام ہوتا ہے جس میں طرفین سے گفتگو کرنے اَور رَدکرنے کا سلسلہ ہو اور جب مُردہ سُنتا ہے اَور اس طریقہ سے جواب رَد نہیں کر سکتا جو متعارف ہے بلکہ وہ ایسے طریقہ سے رَدکرتا ہے جس پر ہم ایمان تو لاتے ہیں مگر غالباً سنتے نہیں اور اس طریقہ سے تکلم عُرفی کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی تو اس وجہ سے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ وہ سُنتا نہیں، نہ اس وجہ سے کہ سچ مُچ مُردہ نہیں سُنتا۔

حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ نے یہ بحث (مرقات ج ۸ ص ۱۱) میں کی ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ کلام سے جو مقصود ہوتا ہے وہ یہاں مفقود ہے۔ اِس لئے قسم اُٹھانے والا حانث نہ ہوگا کیونکہ کلام سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دُوسرا سمجھ کر اور سُن کر اس کو جواب دے جس کو متکلم سُن سکے۔ اَور میت گو آواز سنتی اور جواب بھی دیتی ہے مگر اس کی آواز عادۃً سُنی نہیں جاتی۔ اِس لئے یہ کلام عُرفی کلام کی مد میں شامل نہیں اَور اس پر حنث بھی نہیں۔ مُردہ تو آخر مُردہ ہے۔ فقہ سے اس کا بھی ثبوت ہے کہ بعض اوقات حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ زندہ آدمی کے کلام کو بھی کلام نہیں کہتے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین الشامی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "وفی التحریر و تبطل عباراته من الاسلام والردة والطلاق و لم توصف بخبرٍ و لا انشاءٍ و صدقٍ و کذبٍ کالحان الطیور و مثله فی التلویح فھذا صریح فی ان کلام النائم لا یسمٰی کلامًا لا لغةً و لا شرعًا بمنزلة المھمل"

(شامی ج ۲ ص ۵۸۸، طبع مصر مطلب طلاق المدھوش)

''اور تحریر (الاصول) میں ہے کہ سونے والے کی عبارات اسلام۔ ردّت اور طلاق وغیرہ سب میں باطل ہیں اور اس کی عبارتیں نہ تو خبر اُور انشاء سے متصف ہیں اور نہ سچ اور جھوٹ سے جیسے پرندوں کی بولیاں اور اسی طرح تلویح میں ہے۔ پس اِس بیان میں اس کی تصریح ہے کہ سونے والے کا کلام نہ تو لُغت کے لحاظ سے کلام ہے اور نہ شرع کے اعتبار سے بلکہ یہ بمنزلہ مہمل کے ہے۔''

ملاحظہ فرمایئے کہ سونے والا باقاعدہ بولتا ہے اور سننے والے سنتے ہیں مگر بایں ہمہ اس کے کلام کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نہ لغۃً کلام کہنے کو تیار ہیں اور نہ شرعاً محض اس لئے کہ نیند کی حالت میں آدمی حدیث کے رُو سے (رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتّٰی یستیقظ الحدیث الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۴ حم۔ د۔ ن۔ ہ۔ ک۔ صحیح) مرفوع القلم اور غیر مکلّف ہوتا ہے اور چونکہ وہ بےبس و بے اختیار ہے۔ اس لئے اس کے کلام پر کلام کا اطلاق بھی نہیں ہوتا اُور نہ اسلام وردّت اور طلاق وغیرہ کے شرعی اور فقہی احکام اس پر مترتب ہوتے ہیں اور اس کا کلام نہ خبر ہے نہ انشاء اور نہ سچ ہے اور نہ جھوٹ بلکہ اس کو ایسا سمجھنا چاہئے جیسے طوطا وغیرہ پرندے بولیاں بولتے ہیں اُور قسم کا تو مدار ہی عُرف پر ہے۔ کُتبِ فقہ۔ فتاویٰ اور تفاسیر میں اس کی بےشمار جزئیات موجود ہیں۔ صرف بات کو واضح اور مبرہن کرنے کے لئے ہم یہاں چند جزئیات باحوالہ عرض کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے یہ قسم اُٹھائی کہ مَیں آٹا نہیں کھاؤں گا۔ اگر اُس نے آٹے سے تیار کی ہوئی روٹی وغیرہ کھالی تو حانث ہوگا اور اگر تکلیف اُٹھا کر آٹا ہی پھانک گیا تو حانث نہ ہوگا، (قدوری ص ۲۰۷) اور یہ اِس لئے کہ عُرفِ عام میں آٹا پھانکا نہیں جاتا بلکہ اس کی روٹی کھائی جاتی ہے۔

اگر کسی شخص نے قسم اُٹھائی کہ میں سَر نہیں کھاؤں گا تو یہ اُس سَر پر بولا جائے گا جو عادۃً بازار میں فروخت ہوتا ہے (حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گائے، بھینس، بھیڑ اور بکری کا اور حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک صرف بھیڑ اور بکری کا سر) اگر کسی نے چڑیا وغیرہ جانور کا سر کھالیا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری ص ۲۰۸ والتوضیح والتلویح ص ۱۱۳) اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ چڑیا وغیرہ جانوروں کا سر، سر ہی نہیں ہوتا۔ سر تو بہرحال ہوتا ہے مگر عُرفِ عام میں وہ بازاروں میں فروخت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے استعمال سے حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے یہ قسم اُٹھائی کہ وہ بیت (گھر) میں داخل نہ ہوگا۔ اگر وہ بیت اللہ شریف یا مسجد یا گرجا یا کلیسا وغیرہ عبادت خانوں میں داخل ہوگیا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری ص ۲۰۶) اگرچہ حقیقۃً یہ بھی گھر ہی ہیں اور ان کی بھی عموماً دیواریں اور چھتیں ہوتی ہیں اور ان میں بھی بسا اوقات رات گزاری جاتی ہے اور ان میں بھی بیوتت (یعنی رات گزارنے) کا تحقق ہوتا ہے لیکن عُرفِ عام میں ان کو عام اور مطلق بیت نہیں کہتے اس لئے اس سے حِنث لازم نہیں آتا۔ اگر کسی شخص نے قسم اُٹھائی کہ میں کلام نہیں کروں گا۔ اُس نے اگر نماز شروع کی اور اس میں اس نے قرآنِ کریم پڑھا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری ص ۲۰۶) حالانکہ قرآنِ کریم بھی کلام ہے مگر اللہ تعالیٰ کا اُور عرفِ عام میں اس پر کلام نہیں بولا جاتا۔

اگر کسی شخص نے یہ قسم اُٹھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ اس نے اگر مچھلی کا گوشت کھالیا تو حانث نہ ہوگا۔ (قدوری ص ۲۰۷) اگرچہ قرآنِ کریم میں اس پر لحم کا لفظ بولا گیا ہے (لَحْمًا طَرِيًّا۔ یعنی تازہ گوشت) مگر عرفِ عام میں مطلق لحم اور گوشت کا لفظ اس پر نہیں بولا جاتا۔ اس لئے مچھلی خور اس قسم کی وجہ سے حانث نہ ہوگا۔ کتب فقہ واُصول میں یہ مسئلہ بصراحت مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم اُٹھائی کہ میں میوہ اور پھل نہیں کھاؤں گا اور اس نے انگور اور انار کھالئے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ حانث نہ ہوگا (شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۲۲، نورالانوار ص ۱۱۶،

والتوضیح والتلویح ص ۱۱۵) اس لئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق میں ان میں تفکہ اور تلذذ سے زائد معنی موجود ہیں۔ یعنی میوہ تلذذ کے لئے کھایا جاتا ہے اور انگور و انار سے ان کے نزدیک بعض علاقوں میں خوراک اور غذا کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے کھانے والا حانث نہ ہوگا۔

اگر کسی شخص نے یہ قسم اُٹھائی کہ فلاں عورت سے مجامعت نہیں کرے گا اور اس کو بوسہ نہ دے گا۔ اگر اس عورت کی زندگی میں یہ کارروائی ہوئی تو حانث ہو جائے گا۔ اگر اس عورت کے مرنے کے بعد یہ کارروائی اس سے کی گئی تو حانث نہ ہوگا۔ (فتاوی سراجیہ ص ۵۸ طبع نولکشور، ونحوہ فی جامع الکبیر للامام محمد رحمہ اللہ ص ۷۳) اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس عورت کے رخسار اور شرمگاہ ہی مرنے کے بعد غائب ہوگئی ہے اور بوسہ و مجامعت کا تحقق ہی نہیں ہوا مگر چونکہ عُرف عام میں یہ کارروائی زندہ سے مُراد لی جاتی ہے۔ لہٰذا مُردہ کے ساتھ اس کارروائی سے حنث لازم نہ ہوگا۔

اگر کسی نے یہ قسم اُٹھائی کہ میتہ (بے ذبح کیا ہوا جانور) نہیں کھاؤں گا اور اس نے مچھلی اور مکڑی کھالی تو حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم اُٹھائی کہ میں دَم (خون) نہیں کھاؤں گا اور اس نے جگر اور تِلّی کھالی تو حانث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم اُٹھائی کہ میں دابہ (جانور) پر سوار نہیں ہوں گا اور وہ کافر پر سوار ہوگیا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ حدیث میں مچھلی و مکڑی پر میتہ اور جگر و تلی پر دَم کا اطلاق ہوا ہے۔

(أحِلّ لنا المیتتان و الدمان فاما المیتتان فالحوت و الجراد و اما الدمان فالکبد و الطحال ہ۔ ک۔ ھق عن ابن عمر رضی اللہ عنہ صحیح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۳ طبع مصر) اور کفار کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا (تفسیر کشاف ج ۱ ص ۲۱۵ طبع مصر) یعنی بدترین جانور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر ہیں)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''پھر الاشباہ والنظائر'' میں عُرف اور شرع میں باہم تعارض ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ جب عُرف اور شرع میں باہم تعارض ہووے تو استعمال کے بارے میں جو عرف ہوگا وہی مقدم سمجھا جاوے گا۔ خصوصاً قسم کے مسائل میں۔ مثلاً جب کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ فرش پر نہ بیٹھوں گا یا یہ کہا کہ بساط پر نہ بیٹھوں گا یا یہ کہا کہ سراج (چراغ) کی رَوشنی سے فائدہ نہ اُٹھاؤں گا تو وہ شخص اس صورت میں حانث نہ ہوگا کہ زمین پر بیٹھے اور نہ اس صورت میں حانث ہوگا کہ آفتاب کی روشنی سے فائدہ اُٹھاوے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں زمین کو فرش اور بساط فرمایا ہے اور سراج کا لفظ شمس کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے اور اگر کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ گوشت نہ کھاؤں گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں لحم کا لفظ مچھلی کے گوشت کے معنی میں ارشاد فرمایا ہے۔ اگر کسی شخص نے قسم کھا کر کہا کہ دابہ پر سوار نہ ہوگا تو اس صورت میں حانث نہ ہوگا کہ مثلاً پالکی پر سوار ہووے اور وہ پالکی کفار لے جاویں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دابہ ارشاد فرمایا ہے۔ اور اگر قسم کھا کر کہا کہ سقف (چھت) کے نیچے نہ بیٹھوں گا اور اس کے بعد آسمان کے نیچے بیٹھا تو حانث نہ ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سقف ارشاد فرمایا ہے۔''

(فتاوی عزیزی ج ۲ ص ۷۹ ۲ مترجم اُردو و اصل فارسی ۳۳۰ ص ۱۲۸، ۱۲۹، طبع مجتبائی دہلی)

اگر کسی نے قسم اُٹھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا اور اس نے شوربا کھایا یا مچھلی کھائی تو حانث نہ ہوگا۔ ہاں! مگر جب نیت کرے تو الگ بات ہے اور اگر اُس نے قسم اُٹھائی کہ دابہ پر سوار نہیں ہوگا یا میخ اور کیل پر نہ بیٹھے گا اور

وہ پہاڑ پر جا بیٹھا تو حانث نہ ہوگا۔ حالانکہ قرآن کریم میں مچھلی پر گوشت کا، کافر پر دابہ کا اور پہاڑوں پر کیلوں (وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا) کا اطلاق ہوا ہے اور یہ نہ حانث ہونا عُرف کی وجہ سے ہے۔ (رسائل ابن عابدین ص ۳۰۰ طبع مصر)

الحاصل! کتبِ فقہ وفتاویٰ واُصول وتفسیر وغیرہ میں قسم کے سلسلہ میں عُرف عام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا گیا۔ لہٰذا فقہ کی اس جزئی سے مطلقاً سماع موتی کی نفی پر استدلال قطعاً صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ مائۃ مسائل میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ مُردے سلام کہنے والوں کا سلام سنتے ہیں اور یہ حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اگر مأۃ مسائل میں پیش اور نقل کردہ ان فقہی حوالوں سے ان کے نزدیک مطلقاً سماع موتی کی نفی مُراد ہوتی تو پھر مُردے کے کلام سننے کا کیا مطلب ہے؟ لہٰذا حضرت مُلّا علی القاری، علّامہ داود بن سلیمان البغدادی، مولانا عبدالحیّ صاحب، حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب اور حضرت مولانا عثمانی وغیرہ حضرات (رحمہم اللہ) کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ فقہ کے اس جزئیہ سے سماع موتی کی نفی نہیں ہوتی اور یہ سب حضرات خود فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں اور یہ سب حضرات محقق حنفی ہیں اور مؤخر الذکر دونوں بزرگ علماءِ دیوبند میں بلند پایہ شخصیتیں ہیں۔

ایک مغالطہ اور اُس کا جواب

مؤلف اقامۃ البرہان (ص ۷۵، ۷۶) وغیرہ نے ہدایہ، فتح القدیر، بنایہ، طحطاوی اور مبسوط (ج ۹ ص ۹۷۸) کی ایک عبارت سے عدم سماع موتی پر استدلال کیا ہے۔ واللفظ للآخر!

''فان المقصود من الکلام الافہام وذلک لا یحصل بعد الموت''

''کیونکہ کلام سے مقصود افہام ہے اور یہ موت کے بعد حاصل نہیں ہوتا۔''

الجواب: اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میّت سرے سے علم وفہم اور اِدراک وشعور ہی سے محروم ہوتی ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو منکرینِ سماع موتی میں پیش پیش سمجھی جاتی ہیں۔ مُردوں کے لئے علم وفہم تو وہ بھی ثابت کرتی ہیں۔ جیسا کہ بخاری وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تصریح گزر چکی ہے اور اگر بچ مُچ مُردوں میں فہم وشعور نہیں ہوتا تو پھر وہ نکیرین کے سوالات کو کیسے سمجھتے ہیں؟ اور پھر بلا فہم وشعور ان کو جواب کیسے دیتے ہیں؟ اور پھر ان غیر شعوری جوابات کا عنداللہ اعتبار کیوں کیا جاتا ہے؟ اور پھر ان جوابات پر راحت وعذاب کیسے کرتے ہیں؟ اور پھر زندوں کا سلام سُن کر اُن کو جواب کیسے دیتے ہیں؟ (جس کی صحیح احادیث سے پوری بحث پہلے گزر چکی ہے) اور جب زندوں کے بعض اعمال اُن پر پیش کئے جاتے ہیں تو اچھے کاموں سے وہ خوش ہوتے ہیں اور بُرے کاموں پر ان کے لئے وہ دُعائیں کرتے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ غیر شعوری طور پر ہی اُن سے صادر ہوتا ہے؟ اس نظریہ کے پیشِ نظر تو راحت وعذابِ قبر کی جملہ احادیث پر اور کتبِ عقائد میں اہل السنت والجماعت کی طرف سے پیش کردہ تمام عقلی اور نقلی دلائل پر پانی پھر جاتا ہے۔ کون عقل مند اس نکمی بات کو تسلیم کر سکتا ہے؟ الغرض بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ مُردوں کے ادراک وشعور کا انکار اگر کفر نہیں تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شُبہ ہی نہیں ہے (عبارت ان کی پہلے عرض کی جا چکی ہے) کتبِ فقہ کی اس عبارت اور جزئیہ کا مطلب اس کے سواء اور کچھ نہیں کہ تکلیفی زندگی کی طرح جس پر عادۃً کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ مُردوں میں اس قسم کا افہام وتفہیم نہیں اور عُرفِ عام کے لحاظ سے کلام کا جو مقصود ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ (صاحب فتح القدیر) اور علّامہ عینی رحمہ اللہ

(صاحب بنایہ) کی عبارتیں پہلے گزر چکی ہیں کہ وہ فی الجملہ سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔ پھر ان کی عبارات کی ان کی مرضی کے خلاف توجیہ کرنا توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ کا مصداق ہے اور حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ نے علم کلام کی کتاب المسایرہ میں میت کے فہم اور ادراک کا اثبات کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ج ۲۲ ص ۱۱۶، مع المسایرہ طبع مصر)

عدم سماع موتیٰ کی ایک اور دلیل

مؤلف شفاء الصدور (ص ۵۷ میں) اور صاحب تسکین القلوب (ص ۷۹) میں لکھتے ہیں: ''واللفظ لہ لانزاع فی ان المیت'' (شرح مقاصد ص ۱۶۳، بحوالہ البصائر ص ۴۰) اس میں کوئی نزاع نہیں کہ میت نہیں سنتی۔ پھر حنفیہ کرام کے یہ اصحاب فتاویٰ، البحر الرائق، الظہیریہ، طحطاوی حاشیۂ مراقی الفلاح، الجوہرہ، جامع الرموز، سراج الوہاج، فتاویٰ قاضی خان، اور نہر الفائق سب اس پر متفق ہیں کہ: ''امام سلام پھیرتے وقت نمازِ جنازہ سے میت کو سلام دینے کا ارادہ نہ کرے اس لئے کہ وہ اس کا اہل نہیں یعنی سنتا نہیں۔'' (البصائر ص ۴۰)

الجواب: فقہ کے اس جزئیہ سے عدم سماع موتیٰ پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

اوّلاً: اس لئے کہ میت کو سلام میں مراد لینے اور نہ لینے کا مسئلہ خود حضرات فقہاء احناف میں اختلافی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم المصری الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''و لم یبین المنوی بالتسلیمتین للاختلاف ففی التبیین و فتح القدیر ینوی بھما المیت مع القوم و فی الظھیریۃ و لا ینوی الامام البیت فی تسلیمتی الجنازۃ بل ینوی من عن یمنیہ فی التسلیمۃ الاولی و من عن یسارہ فی التسلیمۃ الثانیۃ اھ۔ و ھو الظاھر لان المیت لا یخاطب، بالسلام علیہ حتی ینوی بہ اذ المیت لیس اھلا لہ'' (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳ طبع مصر)

''دونوں سلاموں میں جس کو مراد لیا گیا ہے اس کا ذکر انہوں نے نہیں کیا اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے۔ تبیین اور فتح القدیر میں ہے کہ ان دونوں سلاموں میں قوم کے ساتھ میت کو بھی مراد لے اور ظہیریہ میں ہے کہ امام جنازہ کے دونوں سلاموں میں میّت کی نیت نہ کرے بلکہ دائیں اور بائیں طرف کے سلام میں انہیں لوگوں کی نیت کرے جو اس کے دائیں اور بائیں ہیں اور ظاہر بات بھی یہی ہے۔ کیونکہ (اس تکلیفی) سلام کا میت اہل ہی نہیں لہٰذا اس کو سلام اور خطاب کرنا کیسا؟

اور حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''و ینوی بالتسلیمتین المیت مع القوم''

''کہ امام دونوں سلاموں میں قوم کے ساتھ میت کی نیت بھی کرے۔'' (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۶۰، طبع مصر)

جب یہ مسئلہ خود حضرات فقہاء احناف میں اختلافی ہے تو اس سے بلا اختلاف بتائے استدلال کرنا کون سی علمی خدمت ہے۔ حیرت ہے ان بزرگوں پر جو فقہ کی بہت سی کتابوں کا نام لکھ کر عوام کو یہ باور کرا رہے ہیں بلکہ مغالطہ دے رہے ہیں کہ یہ جزئیہ متفق علیہا ہے۔ الغرض جہاں سلام میں میت کی نیت نہ کرنے والے حضرات موجود ہیں، وہاں حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ جیسے محقق میت کو نیت میں مراد لینے والے بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں اس جزئیہ کے اختلافی ہونے کے باوجود اس کو غیر مسلم کہنے والے بھی موجود ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین الشامی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''و قولہ ھنا اذا المیت لیس اھلا لہ غیر مسلّم و سیأتی ماورد فی اھل المقبرۃ السلام علیکم دار قوم مؤمنین و تعلیمہ علیہ السلام السلام علی الموتی'' (منحۃ الخالق ج ۲ ص ۱۸۳، طبع مصر)

''ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کا اس مقام پر یہ کہنا کہ میت سلام کی اہل نہیں، مسلّم نہیں ہے اور عنقریب اہل قبور کے بارے میں جو وارد ہوا ہے، آ رہا ہے کہ ان کو السلام علیکم دار قوم مؤمنین کے الفاظ سے سلام کہا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُمت کو) مُردوں پر سلام کہنے کی تعلیم بھی ہے۔''

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اُمر کا صاف انکار کیا ہے کہ میت سلام کی اہل نہیں اور دُوسری بات یہ معلوم ہوا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ لہٰذا مؤلف (شفاء الصدور ص ۱۷) میں اور (ندائے حق ص ۱۲۱) میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کو منکرین سماع موتی میں شامل کرنا قطعاً غلط ہے۔

وثانیاً: اس لئے کہ ان عبارات میں ''اہل نہیں'' کا یہ مطلب نہیں کہ میت سنتی نہیں بلکہ یہاں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کا مطمح نظر ہی اور ہے قاضی خان کی عبارت یہ ہے: ''ولا ینوی الامام المیت فی تسلیمتی الجنازة بل ینوی من عن یمینہ بالتسلیمة الاولی و من عن یسارہ بالتسلیمة الثانیہ'' (فتاوٰی قاضی خاں ج ۱ ص ۹۲، طبع نولکشور)

''اُور جنازہ کے دونوں سلاموں میں اِمام میت کا اِرادہ نہ کرے بلکہ پہلے سلام میں ان لوگوں کا اِرادہ کرے جو اُس کے دائیں طرف ہیں اُور دوسرے سلام میں اُن کی نیت کرے جو اُس کی بائیں جانب ہیں۔''

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ پہلے سلام کو بائیں طرف والے اُور دُوسرے سلام کو دائیں طرف والے نہیں سنتے بلکہ مقصد یہ ہے کہ پہلے سلام کے دائیں طرف والے اہل اور مستحق ہیں اُور دوسرے سلام کے بائیں جانب والے اور اسی طرح (جامع الرموز ج ۱ ص ۷۲) میں لکھا ہے کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت امام ان انسانوں اور جِنّوں کی نیت کرے جو اس کی دائیں جانب ہیں اور بائیں طرف سلام میں بائیں طرف کے انسانوں اُور جِنّوں کی نیت کرے اور کافی کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ہمارے زمانہ میں سلام میں عورتوں کی نیت ہی نہ کرے اور یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سلام میں فاسقوں کی نیت نہ کرے اُور یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ پہلے سلام میں حاضرین کی نیت کرے اور دُوسرے سلام میں تمام انسانوں اور جِنّوں کی نیت کرے اور (ج ۱ ص ۷۳) میں یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ بعض کے نزدیک منفرد تمام اِنسانوں کی نیت کرے۔ (ملخصہ) ان عبارات میں اس کا کہ امام سلام پھیرتے وقت عورتوں اور فاسقوں کی نیت نہ کرے، یہ مطلب تو یقیناً نہیں کہ عورتیں اُور فاسق سلام سنتے ہی نہیں اُور اس معنی میں وہ اہل نہیں کہ وہ سننے سے قاصر ہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ عورتیں جو عموماً مبداء فساد ہیں۔ (مشہور مقولہ ہے کہ مبداء فساد تین چیزیں ہیں۔ زن۔ زر، زمین) اور فاسق جو رب تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ اس سلام کے اہل اور مستحق نہیں ہیں۔ اِسی طرح جو شخص وفات پاچکا ہے اس کے لئے بعد از موت دُنیا کی تکالیف اور مصائب سے سلامتی کی دُعا کا کیا معنٰی؟ چونکہ زندہ انسان کو اس تکلیفی زندگی میں طرح طرح کے مصائب پیش آتے رہتے ہیں اس لئے اس کے حق میں سلام کرنا اور سلامتی کی دُعا کرنا درست ہے اُور وہ اس کا اہل و مستحق ہے بخلاف میت کے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جامع الرموز میں ایک قول یہ بھی تو نقل کیا گیا ہے کہ منفرد بعض حضرات فقہاء کے نزدیک سلام پھیرتے وقت تمام انسانوں کو مُراد لے (ینوی جمیع الناس) کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ تمام انسان اس کے سلام کو سنتے ہیں اور اس معنی میں وہ اس کے اہل ہیں۔ لہٰذا وہ ان بعض حضرات فقہاء کرام کے نزدیک سلام میں سب کی نیت کرے؟ کون عقلمند یہ معنٰی مُراد لے سکتا ہے؟

وثالثاً: اس لئے کہ کتبِ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ بعض اوقات ایسے لوگوں کو بھی سلام کہنا مکروہ ہے جو باقاعدہ سنتے ہیں۔ امام صدر الدین الغزی الحنفی رحمہ اللہ کا عربی قصیدہ جو "سلامک مکروہ علی من یستمع" سے شروع ہوتا ہے۔ در مختار (ج۱ ص۵۷۷، طبع مصر) میں منقول ہے جس میں تقریباً بیس اشخاص ایسے بتائے ہیں جنہیں سرے سے سلام کہنا ہی مکروہ ہے، جن میں نمازی، مؤذن، محدث، خطیب، اقامت کہنے والا، اجنبی عورتیں، شطرنج کھیلنے والا اور قضائے حاجت میں معروف وغیرہ اشخاص مذکور ہیں اور (فتاویٰ سراجیہ ص۷۲) میں ہے کہ حمام میں سلام نہ کہے اور (فتاویٰ قاضی خان ج۴ ص۷۹۲) میں ہے کہ جو لوگ خطبہ سن رہے ہوں، ان کو بھی سلام نہ کہے۔ اگر کسی نے سلام کیا تو سامعین پر ردِ سلام واجب نہیں، ان فقہی احکام کا یہ مقصد تو ہرگز نہیں کہ یہ تمام لوگ کانوں سے بہرے ہوتے ہیں اور سلام نہیں سنا کرتے، اس لئے ان کو سلام نہیں کہنا چاہئے، سلام نہ کہنے یا سلام کہہ کر کسی کی سلام میں نیت نہ کرنے سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ وہ سنتا نہیں؟

ورابعاً: اس لئے کہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس کے پاس سے گزرے، جس میں مسلمان، بت پرست، اور یہودی وغیرہ تھے اور ان میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی تھا۔ آپ نے اُنہیں سلام کہا۔ (محصلہ بخاری ج۲ ص۹۲۴)

اس حدیث کی شرح کے فوائد میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ (وغیرہ شراح حدیث) لکھتے ہیں کہ: "ففیه انه یسلم بلفظ التعمیم و یقصد به المسلم" (حاشیہ بخاری ج۲ ص۹۲۴)

"اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلام تو عام لفظ سے کہے لیکن قصداً اور نیت صرف مسلمان کی کرے۔"

کون یہ باطل اور بے بنیاد دعویٰ کر سکتا ہے کہ مشرک، یہودی اور بت پرست وغیرہ کافر اس لئے سلام کے اہل نہیں کہ وہ سنتے نہیں؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ نافرمان امن اور سلامتی کی دُعا کے اہل و مستحق نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بلاضرورت و مجبوری ان کو ابتداءً سلام کہنا درست نہیں ہے اور جب وہ سلام کہیں تو بفحوائے حدیث ان کو صرف "علیکم" کہہ دینا کافی ہے۔

وخامساً: اس لئے کہ حدیث کی رُو سے سلام یا تو تکلیفی زندگی کے لئے ثابت ہے جس میں انسان طرح طرح کی دینی اور دُنیوی پریشانیوں میں مبتلاء رہتا ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے سلامتی سے رکھے اور یا قبر کی زندگی کے لئے ثابت ہے جس میں انسان طرح طرح کی آزمائشوں میں گھر جاتا ہے۔ مثلاً منکر نکیر کا سوال اور متعدد دیگر اُمور۔ اسی وجہ سے اس کے لئے تثبت کی دُعا کی تلقین آئی ہے اور اس کے بعد عذاب و راحت اور تخفیفِ عذاب اور رفعِ درجات کا سلسلہ تو حشر تک باقی رہتا ہے۔ لہٰذا اس وقت بھی اس کے لئے السلام علیکم کہہ کر سلامتی کی دعا کی جاسکتی اور ثابت ہے بخلاف موت کے بعد دفن سے پہلے درمیانی وقفہ میں شرعاً صراحت کے ساتھ اس کے لئے سلام ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو سلام نہیں کہنا چاہئے اور اس سلامتی کی دُعا کا اس لئے وہ اہل نہیں۔ کیونکہ دُنیوی مصائب سے تو وہ چھوٹ چکا ہے اور قبر کا سلسلہ ابھی تک شروع نہیں ہوا۔ ہاں! بطور حزن اس کو خطاب کرنا یا دُعا کرنا کہ اس کی مد میں شامل ہو جائے درست ہے۔

وسادساً: اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ دفن سے پہلے مُردہ سلام کا اہل نہیں ہوتا۔ یعنی بقول ان حضرات کے سُنتا نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے رُوح نکال لی جاتی ہے جس سے ظاہری طور پر فہم و ادراک، علم

وشعور اور سماع کی اہلیت وابستہ ہے اور جب اس کو قبر میں دفن کر لیا جاتا ہے تو صحیح حدیث کی رُو سے اُس کی طرف اُس کی رُوح لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک گونہ حیات حاصل ہو جاتی ہے۔ (تسکین الصدور ملاحظہ کریں) لہٰذا اب وہ سنتا ہے جیسا کہ صحیح روایات اور فقہاء کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ کے حوالے سے اس پر پہلے عرض کر دیے گئے ہیں۔ لہٰذا قبل از دفن کی حالت پر بعد از دفن کی حالت کو قیاس کر کے مطلق سماع موتی کی نفی کرنا دلائل اور براہین کے لحاظ سے ہرگز درست اور صحیح نہیں ہے اور فقہ کا یہ جزئیہ بھی نہ عدمِ سماع موتی کا مثبت ہے اور نہ مؤید۔ جیسا کہ کسی بھی ذی فہم وعلم سے یہ مخفی نہیں ہے۔

شرح مقاصد کا حوالہ

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''واما قولہ تعالٰی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ فتمثیل لحال الکفرۃ بحال الموتٰی ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع'' (شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۲۱، طبع محرم آفندی ترک)

''کہ بہر حال اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ اور تو نہیں سنا سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں تو اس میں کافروں کے حال کو مُردوں کے حال سے مثال دی گئی ہے اور کوئی نزاع نہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مُردہ نہیں سنتا اور یہ عدم سماع کا مسئلہ اتفاقی ہے اختلافی اور نزاعی نہیں ہے۔

الجواب: اس عبارت سے استدلال کرنے والوں نے دھوکہ کھایا ہے اور مغالطہ دیا ہے جس سے ان کا مقصد کسی طرح بھی پورا نہیں ہوتا اور سوءِ فہم سے انہوں نے شرح مقاصد کا مطلب نہیں سمجھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے متن (مقاصد الطالبین) میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ ''المبحث السادس سوال القبر وعذابہ حق'' یعنی سمعیات کے سلسلہ کی چھٹی بحث یہ ہے کہ قبر میں (فرشتوں کا) سوال اور عذاب قبر حق ہے۔

پھر اس کی شرح (شرح المقاصد) میں یہ تحریر فرمایا ہے: ''اتفق الاسلامیون علی حقیۃ سوال منکر ونکیر وعذاب الکفار و بعض العصاۃ فیہ و نسب خلافہ الی بعض المعتزلۃ الی قولہ لنا الآیات الی قولہ والاحادیث المتواترۃ الی قولہ تمسک المنکرون بالسمع والعقل اما السمع الی قولہ ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع واما العقل الی قولہ والجواب اجمالا الی قولہ والجواب اجمالا الی قولہ وتفصیلا''

''تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ قبر میں منکر اور نکیر (علیہما السلام) کا سوال اور تمام کفار اور بعض گنہگاروں پر قبر میں عذاب حق ہے اور اس میں بعض معتزلہ کی طرف اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ (پھر اس کی تشریح کی) آگے فرمایا ہمارے دلائل میں قرآن کریم کی آیات ہیں۔ (اور بعض آیات کا حوالہ دیا) پھر آگے فرمایا اور احادیث متواترہ بھی ہیں۔ (پھر ان میں سے بعض کا ذکر فرمایا) پھر آگے فرمایا اور منکروں نے دلیل سمعی اور دلیل عقلی سے استدلال کیا ہے۔ بہر حال دلیل سمعی یہ ہے (پھر اس کی خاصی تفصیل بیان کی جس کے آخر میں یہ بھی ہے (ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع) پھر ان کی عقلی دلیل نقل کی۔ پھر فرمایا کہ معتزلہ کی سمعی اور عقلی دلیل کا اجمالی جواب یہ ہے۔ پھر فرمایا کہ تفصیلی جواب یہ ہے۔ پھر آگے اجمالی اور تفصیلی جواب کی تشریح کی۔

مقاصد اور شرح مقاصد کی مفصل عبارت کا جو تقریباً دو صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے، یہ نہایت ہی مختصر خلاصہ ہے۔ سماع موتی کے منکرین نے سوءِ فہم سے ''ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع'' کو اپنی دلیل سمجھ لیا ہے کہ عدم سماع

موتی اتفاقی مسئلہ ہے۔ حالانکہ یہ جملہ معتزلہ کی سمعی دلیل کا چربہ اور اس کا تتمہ ہے جس کو نقل کر کے آگے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے ان کی سمعی اور عقلی دلیل کا اجمالاً اور تفصیلاً خوب خوب رد کیا ہے مگر منکرین سماع موتی نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، معتزلہ کے اس جملہ کو اُچک کر اپنی دلیل بنا ڈالا اور پھولے نہیں سماتے کہ ہم نے علم کلام کی معتبر کتاب سے مفید مطلب حوالہ ڈھونڈ نکالا ہے مگر ۔

تم جو دیتے ہو نوشتہ وہ نوشتہ کیا ہے جس میں ایک حرف وفا بھی کہیں مذکور نہیں

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فلاسفہ کے اس باطل نظریہ کی کہ بدن سے جب رُوح جدا ہو جاتی ہے اُور بدن ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تو جزئیات کا ادراک اُسے نہیں ہوتا، تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''بل الظاهر من قواعد الاسلام انه يكون للنفس بعد المفارقة ادراكات متجددة جزئية و اطلاع على بعض جزيات احوال الاحياء سيما الذين كان بينهم و بين الميت تخارق (قلت الصحيح تعارف او تقارن كما لا يخفى، صفدر) في الدنيا ولهذا ينتفع بزيارة القبور والاستعانة بنفوس الاخيار من الاموات في استنزال الخيرات واستد فاع المسلمات فان للنفس بعد المفارقة تعلق ما بالبدن و بالتربة التي دفنت فيها فاذا ازار الحي تلك التربة وتوجهت تلقاء نفس الميت حصل بين النفسين ملاقاة و افاضات'' (شرح مقاصد ج ۲ ص ۴۳)

''اسلام کے قواعد سے یہ ظاہر ہے کہ رُوح کے لئے بدن سے جدائی کے بعد بھی نئے نئے جزئی ادراکات ہوتے رہتے ہیں اور زندوں کے بعض جزئی اعمال پر بھی انہیں اطلاع ہوتی ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے احوال سے کہ ان کے اور میت کے درمیان دُنیا میں تعارف اور لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قبور کی زیارت سے انتفاع ہوتا ہے اور نیک مُردوں کے نفوس سے (ان سے دُعا کرانے کی برکت سے) بھلائیاں طلب کرنے میں استعانت کی جاتی ہے اور اسی طرح پریشانیاں دُور کرنے میں بھی کیونکہ رُوح کا بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی ایک گونہ تعلق بدن سے ہوتا ہے اور اس مٹی سے بھی ہوتا ہے جس میں مَیت دفن کی جاتی ہے۔ جب زندہ قبر کی زیارت کے لئے آتا ہے اُور اُس کی رُوح کی میت کی رُوح کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو دونوں رُوحوں میں ملاقات اور افاضات حاصل ہوتے ہیں۔''

یہ بات تو اُونچے طبقے کے حضرات صوفیاء ہی جان سکتے ہیں کہ قبور سے یہ فیض کیسے حاصل ہوتا ہے؟ ہم لوگ اس کے اہل نہیں ہیں لیکن اُصولاً ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے اور یہ ممکن ہے۔

(ملاحظہ ہو حاشیہ فیض الباری ج ۳ ص ۴۳۴ وغیرہ)

اس عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ رُوح کا جسم اور قبر سے ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے اور زیارت کنندہ کی زیارت سے مَیت کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور اہل زیارت کنندہ بھی افاضات سے جھولی بھر کے جاتا ہے۔ یہ سب کچھ تسلیم کرتے ہوئے کُلّیۃً سماع کا انکار کیسے درست ہے؟ ہاں! یہ بات گزر چکی ہے کہ سماع نافع اور سماع قبول نہیں ہوتا اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

ایک مغالطہ

مؤلف ''ندائے حق'' اس مغالطہ کا شکار ہیں کہ قبور کے پاس قریب سے دُعا کی درخواست کرنا بھی شرک ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

نقل صحیح ہے؟

آپ کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی عالم کا کسی بات کو نقل کر دینا، یہ اس کی تصحیح ہے تو آپ خود بہت جگہ پھنس جائیں گے۔ دیکھئے حضرت شیخؒ ''تفسیر بے نظیر'' (ص ۴۸) میں بحوالہ ابن تیمیہؒ کہ: ''وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت کے قریب سے پکارتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں۔''

الاستفتاء اب کیا فرماتے ہیں سواتی برادران اس بارے میں کہ جو شخص انبیاء کو خصوصاً نبی اکرم ﷺ کو قبر کے پاس جا کر پکارتا ہے اور کہتا ہے: ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ادع اللہ لی یا رسول اسئلک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموات مسلمًا علی مِلّتک وسنتک السلام علیک یارسول اللہ من فلان بن فلان'' (بین السطور لکھتے ہیں چلو علم غیب بھی ثابت ہو گیا۔ بلفظہٖ۔ نہ معلوم کسی کا سلام پہنچانے سے علم غیب کیسے ثابت ہو گیا۔ صفدرؔ) یستشفع بک الی ربک وغیرذٰلک۔ آیا وہ مشرک ہے یا نہ؟ حضرت مولانا حسین علیؒ نے تو امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ مشرک ہیں گویا ان (حضرت صاحب نے اپنی کتاب میں نقل فرما کر) اس کو صحیح سمجھا۔ پھر صاحب تسکین کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو اس شرک کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں، وہاں قبر پر جا کر مندرجہ بالا پکار ضرور کرو۔ حضور سے دُعا کراؤ۔ حضور سے سفارش کراؤ اور دوسروں کا نام لے کر کہو کہ فلاں بندہ فلاں کا بیٹا آپ کو سلام کہتا ہے۔ پھر صرف حضور کو نہ پکارو بلکہ اُن کے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ کو بھی پکار پکار کر کہو اے ابا بکر! اے عمر! حضور کو تم ہی ہماری بات کہو کہ ہماری سفارش کریں اور ہمارے حق میں اللہ سے دُعا مانگیں کہ اللہ ہماری سعی قبول فرمائے اور ہمیں اپنے دِین پر رکھے اور دین پر مارے اور اسی زُمرے میں ہمیں اُٹھائے پھر کہے۔ الشفاعۃ۔ الشفاعۃ۔ الشفاعۃ یا رسول اللہ۔ وغیرہ وغیرہ! بتاؤ ان کو مشرک کہیں یا نہ؟ اگر مشرک نہ کہیں تو صاحب تسکین کا قاعدہ کلیہ ٹوٹ جائے گا اگر مشرک کہیں تو صاحب تسکین اور اس کے اتباع فتویٰ سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر ہیں تو کس قاعدہ کے تحت مستثنیٰ ہیں: ''بینوا توجروا'' نیز جو شخص بہاول حق یا معین الدین اجمیری یا داتا گنج بخش یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو دُور و نزدیک سے پکارے، وہ مشرک ہے یا نہ؟ اگر مشرک ہے تو اس میں کیا فرق ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر و عمرؓ کو پکارے تو مؤحد، اگر ان تین کے علاوہ اوروں کو پکارے تو مشرک؟ کیا نزدیک و دُور کا فرق کرتے ہو؟ اگر یہی ہے تو پھر فرمایئے کہ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مزار پر کھڑے ہو کر پکارے یا لات بزرگ کی قبر پر کھڑے ہو کر پکارے اور دُعا مانگے کہ خدا پاک سے میرے حق میں سوال کرو کہ میرا فلاں کام ہو جائے، یہ شرک تھا یا نہ؟ اگر شرک نہیں تھا تو خدا نے ''والذین تدعون من دون اللہ'' کے ساتھ من بعید کی قید کیوں نہیں لگائی؟ (ندائے حق ص ۲۹۷، ۲۹۸)

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی سطحی فہم کی واضح دلیل ہے اور محض ہوائی قلعہ ہے۔

اوّلاً: اس لئے کہ کسی عالم کا کسی کے قول کو نقل کرنا اور اس کا کہیں بھی رَد نہ کرنا بلکہ اس سے استدلال واحتجاج کرنا حقیقۃً اس کی تصحیح ہے۔ تصحیح اور کس چیز کا نام ہے؟

وثانیاً: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر سفارش کی التجا اور دُعا کرانا اور اسی طرح

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے ایسا عرض کرنا اگر شرک ہوتا تو نور الایضاح سے لے کر فتاویٰ عالمگیری تک معتبر کتب حنفیہ میں اس کی اجازت ہرگز نہ ہوتی اُور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ جیسے قطب وقت اور فقیہ النفس بزرگ جو اپنے وقت میں موحدین کے مرجع تھے اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے۔اس کے کچھ ضروری حوالے اسی پیش نظر کتاب میں عرض کیے جا چکے ہیں اور مزید تفصیل ''تسکین الصدور'' طبع دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔سواتی برادران بھی اسی کے داعی ہیں جس کے یہ تمام ذمہ دار حضرات داعی ہیں۔سواتی برادران بھی صرف اسی فتویٰ کے مستحق ہیں جو ان اکابر پر لگے گا۔

وثالثاً: قریب سے پکارنا صرف اس صورت میں شرک ہے جب مُردہ سے مُراد مانگی جائے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے، ان سے دُعا کرانا شرک نہیں ہے۔

حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ''لا یجوز لاحد ان یستغیث باحد من المشائخ الغائبین ولا المیتین مثل ان یقول یا سیدی فلان اغثنی وانصرنی وادفع عنی و انا فی حسبک ونحو ذٰلک بل کل ھذا من الشرک الذی حرّم اللہ و رسولہ وتحریمہ مما یعلم بالاضطرار من دین الاسلام'' (القاعدۃ الجلیلۃ ص ۱۲۸، بلغۃ الحیران ص ۵۵)

''کسی کے لئے جائز نہیں کہ غائب اور مُردہ بزرگوں سے مدد طلب کرے۔مثلاً یہ کہے کہ اے میرے فلاں سردار آپ میری مدد کریں اور آپ میری نصرت فرمائیں اُور مجھ سے تکلیف دُور کریں یا کہے کہ مَیں آپ کی نگرانی میں ہوں اور اس کی مانند اور الفاظ کہے یہ شرک کی اس مد میں ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اُور اس کا حرام ہونا دین اسلام (کے قطعی دلائل اور یقینی براہین) سے بالاضطرار معلوم ہے۔

اُور خود حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور دُعا کا معنیٰ عبادت نہیں ہے بلکہ حاصل معنیٰ بیان کرتے ہیں اور لفظ عبادت کہہ دیتے ہیں یعنی دُعا سے مُراد پکارنا غائبانہ ہے اُور ''فادعو اللہ'' کا معنیٰ عبادت والا حاصل معنیٰ ہے۔کیونکہ مطلق پکار تو منع نہیں ہے۔(بلغۃ الحیران ص ۶۱) نیز فرماتے ہیں یعنی سوائے حق تعالیٰ کے ''غائبانہ حاجات میں نہ پکارو۔'' اُور اسی پر محدثین فقہاء کا اتفاق ہے اور اس پر اجماع اُمت ہے۔ (بلغۃ الحیران ص ۳۴۱)

الغرض حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جس چیز کو شرک کہا ہے وہ میت سے مُراد مانگنا ہے اُور اس کے شرک ہونے میں کوئی شک نہیں اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے مطلق پکار سے منع نہیں کیا بلکہ ''غائبانہ پکار'' سے منع کیا ہے اور اسی پر انہوں نے محدثین فقہاء کا اتفاق اُور اُمت کا اجماع نقل کیا ہے۔لہٰذا قریب و بعید کا فرق نہ کرنا سراسر باطل ہے۔مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم ''اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یعنی یہ بت یا بعض اَنبیاء یا فرشتے جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو۔اگر مصیبت کے وقت پکارو گے تو اَوّلاً یہ تمہاری بات سُن ہی نہ سکیں گے کیونکہ بتوں میں تو سننے کی صلاحیت ہی نہیں، اَنبیاء اور فرشتوں میں اگر چہ صلاحیت ہے مگر ''وہ نہ ہر جگہ موجود ہیں'' نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں۔آگے فرمایا اگر بالفرض وہ سُن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے کیونکہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اُس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔''

(تفسیر معارف القرآن ج ہفتم ص ۳۲۹)

غرض یہ کہ پکار میں قرب و بُعد کا فرق ایک واضح حقیقت ہے اور حضرت مفتی صاحب نے بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا۔

خاتمہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت مفتی اعظم کی ہی ایک عبارت پر سماع موتیٰ کے اس رسالہ کو ختم کر دیں۔ چنانچہ وہ سورۂ نمل میں "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" کی تفسیر میں یہ لکھنے کے بعد کہ اس سماع سے سماع نافع مراد ہے۔ یعنی نفی سماع نافع کی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مُردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماع موتیٰ کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابلِ نظر ہے کہ مُردے کسی کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ سماعِ اموات

"یہ مسئلہ کہ مُردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں۔ ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہم اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سماع موتیٰ کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت اُمّ المؤمنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لئے دُوسرے صحابہ و تابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے۔ بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۂ نمل میں آیا ہے، دُوسرے سورۂ رُوم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دُوسری آیت آئی ہے اُور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے: وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ یعنی آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔ ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ ان میں کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ مُردے نہیں سن سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں میں اسی تعبیر و عنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مُردوں میں سننے کی صلاحیت ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔" (تفسیر معارف القرآن ج ششم ص ۵۹۰)

اس کے بعد اُنہوں نے (ص ۵۹۱، ۵۹۲) میں اس مسئلہ پر خاصی تفصیلی بحث کی ہے۔ اہلِ ذوق حضرات اس کا مطالعہ فرمائیں۔

سر دست ہم ان ہی دلائل اور حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ان شاء اللہ العزیز طبع جدید میں مزید وضاحت کردی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعصب و تحزب اُور غلو فی الدین سے محفوظ رکھے اُور اللہ تعالیٰ ہی اپنے خصوصی فضل و کرم سے ہمیں جمہور علماء اُمت اُور اکابر کے دامن سے وابستہ رکھے اور اپنی رائے کی پیروی اور خود پسندی سے بچائے اور ایمان و اسلام پر قائم رکھے اُور اسی پر خاتمہ فرمائے۔

"وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ"

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز

خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی و صدر مدرّس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲ رجب ۱۳۹۵ھ / ۱۲ جولائی ۱۹۷۵ء